تغلق

ایک معرکہ آرا تاریخی ناول

از

رئیس احمد جعفری

ناشر

ادبی دنیا اردو بازار دہلی

طبع اوّل

ستمبر ۱۹۶۳ء

قیمت

Rs. روپے

مطبوعہ

سود لیتھو پریس دہلی

راقم

رہبر الماسی رامپوری

ادبی دنیا اردو بازار دہلی ۶

- وہ غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق کا وجود تھا جس نے ہندوستان میں مسلمانوں کی فرماں روائی قائم رکھی ورنہ نو مسلم خسرو خاں نے مسلم حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔
- تغلق نے ہندوستان کی مسلم حکومت کو پورے، عدل، انصاف اور رواداری کے ساتھ قائم رکھا۔
- ہندوؤں سے حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کر کے اس نے مسلمانوں کی خفگی کی بھی پروا نہ کی۔

تعلق

ایک طوفان
ایک انقلاب
ایک سیلِ گراں
ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن کر نمودار ہوا۔

یہ ناول اسی طوفان بدوش، انقلاب انگیز، اور ناقابلِ فراموش عہد کی ایک ایمان افروز اور حریت پرور داستان ہے۔

دہلی مرحوم کے نام

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

غازی ابن غازی

گرچہ تھے صفحۂ ہستی پہ ہم اک حرفِ غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

کیا چیز ہے یہ دنیا بھی

یہاں ہر روز ان گنت آدمی پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں۔ زوال سے ہم کنار ہوتے ہیں اور عروج کے منازل طے کرتے ہیں۔ بادشاہوں کے سر سے تاجِ شہریاری چھن جاتا ہے۔ فقیرِ راہ کے قدم تختِ خسروی پر پہنچ جاتے ہیں۔ دنیا میں اس طرح کے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن جب ایسا کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو دنیا والے یوں چونک اٹھتے ہیں جیسے یہ بالکل نیا اور پہلا واقعہ ہے۔

یہ خستہ حال لوگ، یہ معمولی، یہ معمولی سے آدمی، یہ تھوڑی تنخواہ پانے والے سپاہی، یہ محکوم، یہ مجبور، یہ مظلوم جو مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی" ایک دن ایسا آتا ہے کہ انہی میں سے کوئی، سب کو پیچھے دھکیل کر آگے بڑھتا اور اپنے لئے سب سے اونچی جگہ پیدا کر لیتا ہے۔

(۱)

شہسوارِ دوراں

دلی نہ جانے کتنی مرتبہ لٹی اور بنی، اجڑی اور بسی، اینٹ سے اینٹ بج گئی اس کی اور پھر وہیں محل کھڑے ہو گئے اس کی گلیوں اور کوچوں میں پانی کی طرح انسانی خون بہا، گھروں میں صف ماتم بچھ گئی، پشتوں کے پشتے لگ گئے اور پھر چند ہی روز میں شہنائیاں بجنے لگیں، عیش و نشاط کی محفلیں برپا ہونے لگیں ساغر کھنکنے لگے۔ بادۂ ناب کا دور چلنے لگا۔ یہاں کے آسمان نے بادشاہوں کو بھیک مانگتے اور شہزادوں کو چھتڑے لگائے دیکھا اور اسی آسمان نے یہاں فقیروں کو شہریار بنتے اور خستہ حالوں کو شہزادوں کی طرح زندگی بسر کرتے بھی دیکھا!

دلی کی سڑکوں پر، چوراہوں پر، خلقت کا انبوہ جمع ہے، جدھر جائیے آدمیوں کا ایک سمندر نظر آئے گا۔ جہاں قدم رکھیے آدمی ہی آدمی دکھائی دیں گے۔

سلطان علاؤالدین خلجی کے عہدِ حکومت میں اس طرح کی آزادی اجتماع ایک غیر معمولی سی بات تھی۔ لیکن آج اس غیر معمولی سی بات میں خود سلطان علاؤالدین خلجی جیسا وقت کا سکندرِ اعظم بھی شریک تھا وہ اپنے مصاحبوں، ندیموں، افسروں اور وزیروں کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر آنے والے لشکر کا انتظار کر رہا تھا۔

یہ وہ لشکر ہے جس نے ایک بہت بڑے خطرے سے دلی کو دلی کے باشندوں کو اور ہندوستان کے پایۂ تخت کو بچا لیا۔ اس نے تاتاری ٹڈی دل کا قلع قمع کر دیا، تاتاریوں کا سیل سبک سیر ایشیا کے دوسرے مقامات پر غارت گری کرتا، شہروں کو لوٹتا، لوگوں کو قتل کرتا، مردوں کی گردن کاٹتا عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بناتا اب اتنا جری ہو چکا تھا کہ اس نے ہندوستان کو بھی تاکا اور پے در پے کئی چھوٹے اور بڑے حملے کئے۔

یہ تاتاری بڑے خونخوار تھے انسان کی ان کی نظر میں ذرا وقعت نہ تھی، یہ انسانوں کا شکار کرتے تھے۔ عورتوں کی آہیں، زخمیوں کی فریاد، بوڑھوں کے نالے ان کے دل پر ذرا اثر نہیں کرتے تھے۔ یہ ان چیزوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ انسان کی بے بسی پر، اس کی تباہی پر، اس کے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر خوش ہوتے تھے اور بڑے ذوق و شوق سے یہ تماشا دیکھتے تھے۔

اس ناٹک کے یہ ایکٹر بھی تھے اور ڈائرکٹر بھی۔

انہوں نے شہروں کو فتح کیا، لوٹا، پھر وہاں کی عمارتیں ڈھا دیں، مسجدیں مسمار کر دیں، قلعوں کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا۔ ایک انسان کو بھی زندہ نہ چھوڑا پھر لاشوں کو روندتے، پامال کرتے، اپنے ساتھ بے شمار مال غنیمت اور لاتعداد لونڈیوں اور غلاموں کا قافلہ لے کر آگے بڑھ گئے۔

ان کے منہ کو خون لگ گیا تھا۔ انسانی خون! جب تک یہ انسانوں کا شکار نہ کر لیں، بے گناہوں کو قتل نہ کر لیں اس وقت تک انہیں چین نہ آتا تھا، ایک خلا سا محسوس ہوتا تھا اپنی زندگی میں۔

تاتاریوں کے نام سے دنیا لرز رہی تھی ان کا وجود قہرِ خداوندی اور عذابِ الٰہی کا نمونہ تھا۔ یہ انسان تھے لیکن انسانوں کے قاتل تھے، انسانیت کے دشمن تھے جس طرح ایک شکاری ہرنوں کا غول دیکھ کر بیتاب ہو جاتا ہے اسی طرح تاتاری سورما آدمیوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتے تھے اور اس وقت تک انہیں قرار نہ آتا تھا

جب تک شکار نہ کریں۔

آدمیوں کا شکار، اپنے جیسے آدمیوں کا شکار۔

ان تاتاریوں نے بڑی بڑی حکومتوں کے تختے الٹ دیئے نامور بادشاہوں اور شہنشاہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ان گنت گھر برباد کر دیئے، ان گنت شہر ویران کر دیئے، ان کی سفاکی، درندگی اور بہیمیت کا یہ عالم تھا کہ جس شہر کو لوٹتے تھے فتح کرتے تھے، وہاں کے انسانوں کو قتل کرنے کے بعد وہاں کے جانوروں تک کو دشمن قرار دے کر ہلاک کر دیتے تھے۔ پرندوں کو بھی، مفتوح شہر کے لوگوں کو جس طرح بیدردی سے قتل کرتے تھے اسی سفاکی سے وہاں کے کتوں، بلیوں، چوہوں، کبوتروں اور دوسرے پرندوں تک کو مار ڈالتے تھے[1]۔

یہی تاتاری جو مغل بھی کہلاتے تھے اب دوسری طرف سے فارغ ہو کر ہندوستان کا رخ کر رہے تھے۔

ہندوستان ـــ سونے کا شہر ہیرے جواہر کا شہر، موتی اور چاندی کا شہر

وہ چاہتے تھے ہندوستان کی تقسیم کریں اس بڑے اور عظیم ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ اس کے شہروں کو ویران کر دیں، اس کے باشندوں کو تہ تیغ بے دریغ کر دیں، یہاں کا علم دریا برد کر دیں اس دیس کی تہذیب، تمدن معاشرت اور ثقافت کو اس طرح قتل کر دیں کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہنے پائے۔

یہی کچھ وہ دوسرے شہروں میں کرتے آئے تھے یہی کچھ اب وہ یہاں بھی کرنا چاہتے تھے، یہی ولولہ تھا جو بار بار انہیں اکساتا تھا اور وہ ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک لشکر گراں کی صورت میں اس طرف بڑھتے تھے۔

لیکن اب ہندوستان پر علاؤ الدین خلجی حکمران تھا جو اپنے وقت کا سکندر تھا جہاں بانی اور جہانداری کے فن میں جو اپنا جواب نہ رکھتا تھا جس کے نام سے بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہوتا تھا۔

---

[1] ہیرلڈ لیمب نے بڑی تفصیل سے اس طرح کے لرزہ خیز واقعات اپنی کتاب چنگیز خان میں لکھے ہیں۔

اس نے اس طوفان کو پامردی اور حوصلہ اور بہادری کے ساتھ، کچھ اپنے دست و بازو کے بل پر، کچھ بزرگوں کی دعاؤں اور کراماتوں کے باعث ایک مرتبہ جب تاتاری قتلغ خاں کی سرکردگی میں دفعتاً بے سان و گمان قضائے مبرم کی طرح دلی کی فصیلوں تلے ایک بہت عظیم الشان لشکر کی صورت میں نمودار ہوئے تو خلجی کے چھکے چھوٹ گئے۔

وہ جنگ کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ اس نے کوئی جنگی تیاری نہیں کی تھی، اسے اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ تاتاری دلی تک پہنچ جائیں گے اور اسے خبر بھی نہ ہوگی اس موقع پر اس کی ساری شجاعت، دلیری، حوصلہ مندی، اور جنگی مہارت دھری رہ گئی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی ایک نظر توجہ نے بگڑا کام بنا دیا دوسرے دن صبح اٹھ کر جو اس نے دیکھا تو تاتاریوں کا کہیں پتہ نہ تھا[1] اس کے بعد سے خلجی چوکنا ہو گیا اس نے یورش تاتار کے دفاع کی تیاریاں مکمل کر لیں اور دلی سے باہر اس ہجوم کے مقابلے کا بندوبست کر لیا، اس نے اپنے آوردے گوئندے اور جاسوس منتشر کر دیئے، رتی رتی کی اور پل پل کی خبر لاتے اور اسے فوراً معلوم ہو جاتا کہ تاتاریوں کا لشکر کب چلا؟ کہاں ہے؟ کس جگہ اس نے پڑاؤ کیا ہے؟ کون راستہ اختیار کیا ہے؟ اور پھر فوراً ان کی سرکوبی کا بندوبست کرتا۔

تاتاریوں کی سرکوبی کا فریضہ اس نے اپنے ایک منچلے بہادر اور وفادار سردار غازی ملک غیاث الدین تغلق کے سپرد کر رکھا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اس اعتماد کا اب تک ہر طرح سے اہل ثابت ہوا تھا۔ اس نے بیسیوں مرتبہ تاتاریوں کا منہ پھیر دیا اور ان کا کس بل نکال دیا یہی حال اسکے نوعمر اور ہونہار بیٹے جونا خاں کا تھا۔

جونا خاں آج تاتاریوں کے ایک بہت بڑے لشکر کو شکست دے کر اپنے شہنشاہ والا جاہ کے حضور میں حاضر ہو رہا تھا اور شہنشاہ خود اس کی پیشوائی کے لئے اپنے محل سے اپنے پایۂ تخت سے باہر آکر سراپا انتظار و اشتیاق بنا کھڑا تھا۔

جونا خاں کے آنے سے پہلے اطلاع مل گئی تھی کہ اس مرتبہ بھی اس دلیر اور جیالے سپاہی نے وہی کیا جو ہمیشہ سے کرتا آتا تھا۔ دشمن کے چھکے چھڑا دیئے اس پا پیا حملہ

---

[1] مورخین جو مذہب کے قائل نہیں اس واقعہ کی توجیہ کر نہیں پاتے سوائے اظہار حیرت کے۔

(۲)

جوناخاں

شہنشاہ علاؤالدین خلجی سراپا اشتیاق و انتظار بنا کھڑا تھا اس نے اپنے ایک مصاحب سے کہا،

جوناخاں اب تک نہیں آیا۔ کہیں کوئی حادثہ تو نہیں پیش آگیا۔

مصاحب نے شہنشاہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

جہاں پناہ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ اب آتا ہی ہوگا۔

ایک دوسرے مصاحب نے عرض کیا۔

جہاں پناہ جوناخاں کا بہت خیال کرتے ہیں۔

سلطان نے زیر لب تبسم کے ساتھ فرمایا۔

ہاں اور وہ اس کا مستحق بھی ہے اس عمر میں جس جرأت اور ہمت کے ساتھ اس نے بڑے بڑے دشمنوں کی سرکوبی کی ہے اور جس طرح بار بار اس نے تاتاریوں کے چھکے چھڑائے ہیں وہ اسی کا حصہ ہے وہ ہمارا وفادار اور جاں نثار ہے صرف وہی نہیں اس کا باپ غیاث الدین بھی ہمارا وفادار اور جاں نثار ہے ان باپ بیٹوں پر ہمیں فخر ہے،

وہی مصاحب عرض پرداز ہوا،

جہاں پناہ نے بجا ارشاد فرمایا ایسا ہونا بھی چاہیے اسے تو بارگاہِ خواجہ سے

کیا کہ وہ پیٹھ دکھانے اور بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔

اور اب اس سے نپٹ کر فاتح و غانم واپس آرہا ہے۔

اس نے تاتاریوں کے خطرے سے اپنے ملک کو اپنی قوم کو، اپنے آقا کو ایک عرصہ کے لئے مطمئن کر دیا تھا اس نے وہ کارنامہ انجام دیا تھا جس کی داد دینے جس کی ستائش کرنے اور جسے سراہنے کے لئے علاؤالدین جیسا باوقار سلطان بہ نفس نفیس استقبال کناں موجود تھا۔

یہ بہت بڑا فخر تھا۔

یہ ایسا فخر تھا جو اب تک جوناخاں کے علاوہ کسی کو حاصل نہ ہو سکا تھا۔

دنیا میں کم ایسے بیٹے ہوئے جو باپ کے لئے مایۂ فخر ہوں جو باپ سے بھی آگے بڑھ جائیں۔

دنیا میں کم ایسے باپ ہوتے ہیں جو اپنے بیٹے پر فخر کریں اور اسے اپنے سے آگے بڑھ جانے دیں۔

لیکن جوناخاں ایسا ہی بیٹا تھا۔

جو اپنے باپ کے لئے باعثِ فخر تھا۔

جس پر اس کے باپ کو فخر تھا۔

بشارت بھی مل چکی ہے۔

سلطان نے حیرت اور تعجب کے ساتھ پوچھا۔

بشارت — یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟

وہ بولا جہاں پناہ کی طرح جونا خاں بھی حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء سے بے پناہ عقیدت رکھتا ہے اکثر وہاں حاضر ہوتا رہتا ہے اور حضرت کی جوتیاں سیدھی کرتا ہے چنانچہ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت نے اس کی طرف شفقت بھری نظروں سے دیکھا اور اپنے کسی عقیدت مند سے فرمایا "می تافت ستارۂ بلندی"۔

یہ سن کر سلطان خوش ہو گیا اس نے کہا بے شک اس کا طالع یاد رہے ابھی تک اس کا ستارۂ اقبال چمک رہا ہے بے شک وہ ہر طرح کی ترقی کا سزاوار اور مستحق ہے اور جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اسے زیادہ سے زیادہ نوازیں گے۔

٭

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گرد اڑی اور جب گرد کا پردہ چاک ہوا تو ایک عظیم لشکر آتا ہوا دکھائی دیا۔

جونا خاں سب کے آگے تھا۔

سلطان کو دیکھ کر گھوڑے سے کود پڑا اور قدم بوس ہوا۔ سلطان نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اسکی پیشانی چومی اور اس یادگار فتح پر اسے مبارکباد دی۔

جونا خاں کو اپنے ساتھ لے کر سلطان شہر میں داخل ہوا۔ اہالیان شہر نے بھی اس نوعمر فاتح کا جوش و خروش کے ساتھ استقبال کیا۔

فوراً ہی دربار منعقد ہوا۔ دربار میں جونا خاں نے وہ مال غنیمت پیش کیا جو حاصل کیا تھا۔

اور اس مال غنیمت کے علاوہ کٹے ہوئے سروں کا ایک بہت بڑا ڈھیر بھی۔

یہ تاتاریوں کے سر تھے۔

یہ ان لوگوں کے کٹے ہوئے سر تھے جنہیں دوسروں کے سر کاٹنے میں مزہ آتا

تھا جو بھیڑ بکریوں کی طرح انسانوں کے سر کاٹنے اور پھر ان کے کٹے ہوئے سروں کا مینار بنانے کے عادی تھے۔

ان سروں کا ڈھیر دیکھ کر سلطان بہت خوش ہوا اس نے جونا خاں کو ایک مرتبہ پھر گلے لگا لیا اور فرمایا۔

یہ انسانوں کے سر نہیں وحشی درندوں کے سر ہیں۔ انسانیت کے قاتلوں کے سر ہیں یہ ان لوگوں کے سر ہیں جن کے نزدیک انسانی زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

اس موقع پر سلطان والا شان نے جونا خاں کو جو آگے چل کر تغلق کے نام سے مشہور ہوا — اس کے سابق انعامات میں اس کے منصب میں ترقی کی اور اسے وہ خطاب عطا فرمایا جو اب تک کسی کو نہیں دیا تھا۔

"غازیٔ دوراں"

اور غازی ملک غیاث الدین تغلق کا بیٹا غازیٔ دوراں یعنی جونا خاں۔

اس نوعمر اور نوجوان پر جس طرح شہنشاہ کو فخر تھا اسی طرح اس نامور و بہادر باپ کو بھی فخر تھا۔

وہ مطمئن تھا کہ جونا خاں اس کی جگہ سنبھال سکتا ہے اس سے زیادہ شاندار اور یادگار کارنامے انجام دے سکتا ہے۔

اور قضا و قدر کے فرشتے اس خیال کی تائید کر رہے تھے۔

ہاں قضا و قدر کے فرشتے اس کی تائید کر رہے تھے۔

لیکن خود یہ بھی اپنے متعلق جد و حیات وہ کارنامے، وہ لازوال کارنامے انجام دینے والا تھا جو رہتی دنیا تک اس کا نام تک زندہ رکھنے کے لئے کافی تھے۔

اس نے جو کارنامے انجام دیے تھے اور جو عنقریب دینے والا تھا قدرت کی طرف سے بہت جلد اس کا انعام ملنے والا تھا۔

٭

(۳)

فرش سے عرش تک

جس سال جونا خاں کی ولادت ہوئی اسی سال بلبن کی بھی وفات ہوئی، اس وقت سے لے کر علاؤالدین خلجی کی تخت نشینی تک جو دس سال گزرے ان میں تغلق کوئی شخصیت نہ تھی، نہ سلطان معزالدین کیقباد کے عہد میں تغلق کا ذکر ملتا ہے اور سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے دور میں۔ سلطان علاؤالدین خلجی کا زمانہ شروع ہوا تو جونا خاں کی عمر دس سال تھی انہی دنوں اس کی رسائی بادشاہ کے بھائی الغ خاں حاکم سندھ کے دربار تک ہوگئی۔ تغلق الغ خاں کے خدمتگاروں میں داخل ہوگیا۔ پہلے پیادوں میں بھرتی ہوا پھر ترقی کرکے اپنے مالک کا منظورِ نظر بن گیا۔ الغ خاں کے حکم سے تغلق کا نام سواروں کے رسالے میں لکھ لیا گیا۔ سواروں کے درمیان وہ مثل آفتاب کے چمکنے لگا۔ الغ خاں نے اس کو سواروں کا افسر مقرر کردیا۔ پھر شاہی اصطبل کا داروغہ[1] بنادیا کچھ عرصہ بعد مرتبہ

[1] شاہی اصطبل کا داروغہ اس زمانہ میں میر آخور کہلاتا تھا اور یہ ایک بڑا عہدہ تھا۔

اور بڑھا اور تغلق الغ خاں کے خاص مصاحبوں اور امیروں میں داخل ہوگیا۔ پھر تو برابر بڑھتا ہی چلا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کہیں سے کہیں جا پہنچا۔ پیادوں میں داخل ہوا تھا مگر جلد سے جلد سواروں میں پہنچ گیا، تنگ اور چست پوشاک پہن، نیزہ ہاتھ میں لئے، کلغی دار ٹوپی سر پر رکھ، تیز اور قوی گھوڑے پر سوار ہو، اپنی شجاعت اور مردانگی کے جوہر دکھانے لگا۔ لڑائی کے میدان میں آن کی آن میں حریفوں کو مغلوب کرتا، دشمنوں کے منہ پھیر دیتا، صفوں کو چیرتا، فوجوں میں ہلچل ڈال دیتا۔ حملہ آور مغلوں[1] پر وار کرتا آخر فتح کا سہرا اسی کے سر رہتا۔ تغلق کی شہرت رفتہ رفتہ سلطان علاؤالدین خلجی کے دربار تک جا پہنچی۔ سلطان نے تغلق کو بلایا اور بڑی قدر کی اور غازی ملک کا خطاب عطا کیا۔ غازی ملک کا خطاب معمولی نہ تھا اور کسی معمولی شخص کو دیا بھی نہ جاتا تھا۔ یہ کچھ ایسا خطاب تھا جسے حاصل کرنے کی غرض سے ہر جنگجو سردار یا سپاہی لڑائیوں کی بھڑکتی ہوئی آگ میں گھس جایا کرتا تھا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر جب کامیاب ہوتا تو کہیں جاکر اس کو یہ خطاب نصیب ہوتا۔ خطاب تو ہزاروں تھے جن کو بادشاہ اپنی خوشی سے دے دیا کرتا تھا جس کو چاہتا مؤیدالملک بنا دیتا، صدرجہاں بنا دیتا، خان خاناں بنا دیتا علاؤالملک بنا دیتا۔ مگر غازی کا خطاب ایسا ستانہ تھا اس کے لئے تو بادشاہ خود ترستا تھا اور جب تک دنیا غازی نہ کہہ دیتی اس وقت تک بادشاہ نہ خود کو غازی کہہ سکتا نہ دوسرے کو یہ خطاب دے سکتا۔ اسی خطاب کی خاطر سلطان محمود غزنوی برسوں لڑا، تیمور عمر بھر ماوراالنہر، ترکستان، ایران اور ایشیائے کوچک میں لڑتا پھرا اور غازی بننے کے لالچ میں آخر ہندوستان آیا۔ یہاں بھی جان توڑ کر لڑا لیکن غازی نہ کہلاتا تھا نہ کہلایا۔ یہ حسرت دل ہی میں لے گیا۔ بابر تیس برس تک ماوراالنہر، افغانستان اور ہندوستان میں لڑتا رہا، مگر غازی نہ کہلایا جب بڑی بڑی قربانیاں کرکے کنواہا کی جنگ فتح کی تو دنیا کو اپنا انتہائی وقار دکھانے کی امنگ دل میں پیدا ہوئی اس وقت بابر کی نگاہ میں سوائے غازی کے کوئی خطاب نہ جچا۔ خود ہی غازی کا خطاب

اختیار کرلیا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ یہ خطاب کسی کے دینے دلانے سے نہیں ملتا۔ جنگجو میں کوئی خاص جوہر ہوتا تھا جسے دیکھ کر ہر شخص پکار اٹھتا تھا کہ یہ غازی ہے اور جب زمانہ تسلیم کر لیتا تھا تو اس وقت کا بادشاہ یا خلیفہ خاص طور پر اس شخص کو غازی کے لقب سے نامزد کر دیا کرتا تھا۔

اسی خطاب کے ملنے کا حال ملتان کی ایک مسجد پر تغلق نے خود لکھوایا تھا کہ میں نے اُنتیس مرتبہ مغلوں سے لڑ کر ان کو شکست دی، اس لئے ملک غازی کا خطاب حاصل کیا۔[1]

ابن بطوطہ نے اس کتبے کو پڑھا تھا اور اپنے سفرنامہ میں بھی لکھا ہے[2]

جوناخاں کی طبیعت قدرتاً تیز تھی، تحصیل علم کا بھی بےحد شوق تھا بغیر استاد کے بھی بہت کچھ نکال لیتا۔ استادوں کی مدد سے تو تھوڑے عرصہ میں کہیں کا کہیں پہنچ گیا۔ اٹھائیس یا انتیس برس کے سن میں جوناخاں فارغ التحصیل ہو گیا تھا۔ دنیا کا کوئی علم ایسا باقی نہ رہا تھا جس سے اس کو بخوبی واقفیت حاصل نہ ہو گئی ہو۔ وہ علم دین میں بھی ماہر تھا اور علم حدیث میں بھی، علم کلام میں بھی، علم طب میں بھی اور علم ریاضی میں بھی اور علم تاریخ میں بھی اور علم نجوم میں بھی، معقول میں بھی منقول میں بھی اس کی عقل تیز تھی اور حافظہ غضب کا تھا[3]

دقیق سے دقیق بات اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملہ جھٹ پٹ سمجھ لیتا۔ ایک دفعہ کسی واقعہ کو پڑھ لیتا یا سن لیتا تو پھر برسوں نہ بھولتا اور اس کی تاریخ اور تفصیل بھی اس کے ذہن سے نہ نکلتی۔ وہ زیادہ تر عالموں اور فلاسفروں کی صحبت میں بیٹھا کرتا اور شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ رکن الدین ملتانی جیسے مشائخ سے عقیدت رکھتا مشائخ کی صحبت میں اسے حقائق نظر آنے لگے اور وہ تصوف کے مزے لینے لگا۔

---

[1] [2] ضیاء الدین برنی نے اس کتبے کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ اگر اس نے خسرو خاں اور غازی ملک کی لڑائی کے دوران میں لکھا ہے کہ غازی ملک نے تیس مرتبہ مغلوں کے لشکر کو شکست دے کر تہ و بالا کر دیا تھا۔ [3] تاریخ فیروز شاہی۔

تیراندازی، نیزہ بازی، شمشیرزنی اور شہسواری میں بھی جوناخاں نے خوب مہارت پیدا کرلی۔ نشانے پر تیر لگانے اور بڑھ بڑھ کر نیزہ مارنے اور تلوار چلانے میں اس نے کمال حاصل کر لیا۔ اس پر بس نہیں وہ ایک فصیح البیان مقرر (لیکچرر) بھی تھا۔ اس کی تقریر میں بلا کی روانی اور شیرینی تھی، نہ وہ رنگارنگ مضامین کے بیان کرنے سے تھکتا اور نہ اس کا کلام سننے سے سننے والے اکتاتے۔ ایسا شیریں زبان اور خوش بیان بادشاہ ہندوستان میں اب تک نہ ہوا تھا۔ آج اس کی تقریر لوگ گھنٹوں سنتے لیکن سیری نہ ہوتی۔ وہ علم مجلس سے بھی خوب واقف تھا۔ ہر قسم کے آدمیوں سے ملتا اور ہر قوم و قبیلے کی محفل و مجلس میں بیٹھتا۔ ہر ایک سے گفتگو کرتا اور تبادلۂ خیالات کرتا رہتا۔ اسی طرح اس کی واقفیت بہت بڑھ گئی تھی۔ تنگ نظری دور ہو گئی اور فراخ دلی پیدا ہو گئی۔ تعصب اسے چھو بھی نہ گیا تھا۔[1]

ایسا شخص ترقی اور عروج سے محروم نہیں رہ سکتا تھا۔

آج جو خطاب اسے ملا تھا وہ ترقی اور عروج کا پہلا زینہ تھا۔ یہ زینہ چڑھنے کے بعد پھر وہ برابر آگے ہی بڑھتا رہا۔ پھر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے قدم پیچھے نہیں ہٹے وہ بڑھتا رہا۔ بڑھتا رہا۔ یہاں تک ایک روز اس منزل پر پہنچ گیا جو انسانی آرزو کی انتہا ہے۔

دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو سہارا لے کر آگے بڑھتے ہیں، سعی و سفارش سے ترقی کرتے ہیں۔ خاندانی وجاہت یا حکام و امراء کی پشت پناہی انہیں بام عروج پر پہنچا دیتی ہے، لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ جنہیں کوئی سہارا حاصل نہ ہو، جن کی سفارش کرنے والا کوئی نہ ہو، جو خاندانی وجاہت اور امراء و حکام کی پشت پناہی سے محروم ہوں۔ جوناخاں انہی لوگوں میں تھا۔

---

[1] یہ ضیاء برنی کے الفاظ ہیں۔

[2] سلطان المنذ محمد شاہ تغلق (از ڈاکٹر مہدی حسن)

بے شک اس کا باپ زندہ تھا اور بہت بڑے منصب پر فائز تھا بادشاہ کی نظر میں اس کی وقعت بھی تھی۔ اس نے ناقابل فراموش کارنامے یورش تاتار کے سلسلے میں انجام دیئے تھے لیکن جوناخاں کا اعزاز اس لئے نہیں تھا کہ وہ غیاث و زیر عقل کا بیٹا تھا اس لئے تھا کہ اس نے اپنے دست و بازو کے زور پر ہر مقام حاصل کیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ عام و خاص ہر حلقے میں وہ غیر معمولی احترام کی نظر سے اس نوعمری میں دیکھا جانے لگا تھا۔

اس نے اپنا مقام رعایت سے حاصل نہیں کیا تھا حق اور استحقاق کے بل پر پایا تھا۔

ایسے لوگ جو صرف اپنے کس بل پر آگے بڑھیں اور چھا جائیں بہت کم ہوتے ہیں اور بلاشبہ جوناخاں کا شمار انہیں لوگوں میں تھا۔

لیکن یہ تو ابتدا تھی ــــ انجام کا آغاز۔

یہ شاندار ابتدا ایک نہایت شاندار انجام کا پیش خیمہ ثابت ہونے والی تھی۔

دنیا کی تاریخ میں بہت سی ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جو کچھ نہ تھیں لیکن سب کچھ بن گئیں جنکی زندگی آغاز خلافت سے ہوا تھا اور انجام امارت پر جنہوں نے ایک سپاہی کی حیثیت سے زندگی شروع کی اور ایک بادشاہ کی حیثیت سے ختم کی۔

لیکن یہ شخص؟

یہ آمروں بادشاہوں اور فرماں رواؤں کی صف سے بھی آگے نکل جانے والا تھا۔

لیکن ابھی نہیں۔

(۴)

نیا بادشاہ

علاؤالدین خلجی مر گیا۔

وہ بادشاہ مر گیا جس کی شمشیر خارا شگاف سے دنیا کانپتی تھی جس کا نام سن کر بڑے بڑے شیر دل بید لرزاں کی طرح کانپتے تھے، جس کے دبدبے و طنطنہ کا یہ عالم تھا کہ شاہان وقت جھک کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے جس کی شوکت و حشمت کا یہ حال تھا کہ ہندوستان سے باہر کے ممالک میں بھی اس کا نام شہرت کا نشان تھا، تاجداران باوقار، شہریاران روزگار اس کا نام سن کر سہم جاتے تھے وہ بلا کا منچلا تھا۔ کڑہ (الہ آباد) سے اپنی شاہزادگی کے عالم میں یک بیک اٹھا دریاؤں میدانوں، کوہستانوں کو پھلانگتا اور روندتا، اپنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ جنوبی ہند کی ایک عظیم مملکت دیوگیری میں پہنچا اور آن کی آن میں شہر بھی فتح کر لیا اور قلعہ بھی وہ اس غضب کا حوصلہ مند تھا کہ نہ پہاڑ اس کی راہ کا پتھر بن سکتا تھا نہ دریائے بے کراں، اس کے پاؤں کی زنجیر۔ وہ نڈر تھا بے خوف تھا، جیالا تھا۔ اس نے رنتھمبور کا ناقابل تسخیر قلعہ فتح کیا۔ اس نے بڑے بڑے نوابوں، راجوں اور مہاراجوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، وہ پہلا ہندوستانی تھا، جس نے متحدہ ہندوستان کا خواب دیکھا اور اسے عملی جامہ بھی پہنا دیا۔ اس کی حکومت دہلی سے لے کر راس کماری تک پھیلی ہوئی تھی۔

علاؤالدین مرگیا — موت کا بے رحم ہاتھ جب بڑھتا ہے تو کوئی رعایت نہیں کرتا۔

علاؤالدین بھی مرگیا — اور اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

علاؤالدین کے بعد تخت حکومت پر اس کا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ متمکن ہوا۔

قطب الدین مبارک شاہ — بڑے باپ کا نکما بیٹا، اولوالعزم باپ کا نالائق فرزند۔

قطب الدین مبارک شاہ سریرآرائے مملکت ہوا اور جس دن اس نے جامۂ شہریاری زیب تن کیا اسی دن سے مسلمان زبوں حالی کا شکار ہونے لگے دلی پر ویرانی برسنے لگی اور خود اپنے لئے بھی اس نے بدنامی، رسوائی اور ذلت کے اسباب فراہم کرلئے۔

تاریخ کسی کے ساتھ دوستی کا پیمان باندھتی ہے، نہ دشمنی کا عہد کرتی ہے وہ نہ کسی کی دوست ہے نہ دشمن، وہ ایک آئینہ ہے۔ روئے خوب اور چہرہ زشت کو بے کم و کاست نظر کے سامنے کر دیتی ہے جو اچھا ہے، وہ اچھا ہے جو بُرا ہے وہ برا ہے برا اچھا نہیں ہو سکتا۔ اچھا برا نہیں ہوسکتا وہ تو ایک کیمرہ ہے جو خط و خال کی رعنائی جس طرح اجاگر کرتا ہے اسی طرح اس کی بدنمائی بھی آشکارا کر دیتا ہے۔

تاریخ کا فیصلہ یہ ہے کہ قطب الدین مبارک شاہ نا اہل بادشاہ تھا اسے وراثت میں جو کچھ ملا تھا اگر وہ اس پر قائم رہتا، خوبی اور سلیقہ کے ساتھ اس سے استفادہ کرتا تو ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر سکتا تھا۔ لیکن اس عظیم ورثہ کو اس نے ضائع کر دیا۔ خود بھی سلامت نہ رہا اپنی قوم کو بھی مبتلائے مصیبت کر گیا اور وہ ملک کو تباہی و بربادی کے دہانہ پر کھڑا کر گیا۔

لیکن جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

قطب الدین مبارک شاہ جلوہ آرائے تخت خسروی ہوا۔ لیکن اس تخت نے اسے پھینک دیا، تاج اس کے سر سے گر پڑا، حکومت اسکے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ انتہائی بے بسی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی وہ گل کھلائے کہ ان کا آج تک شور مچا ہوا ہے سترہ برس کی عمر اٹھتی ہوئی جوانی، سلطنت کی باگ ہاتھ میں آئی تو دماغ میں دولت کا نشہ چڑھ گیا اور عیش و نشاط کا بازار گرم ہوگیا ایک ہندو بچے کو خسرو خاں کا خطاب دے کر سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا وہ گجرات کا رہنے والا تھا، بچہ سا شاہی دربار میں آیا اور کسی ادنیٰ خدمت پر مامور ہو گیا[۱] یہ علاؤالدین خلجی کے زمانے میں مع اپنے بھائی کے غلام بنا کر بچپن میں لایا گیا تھا جب سلطان قطب الدین مبارک شاہ کا دور شروع ہوا تو اس کے دن پھرے وہ بادشاہ کا منظور نظر ہو کر خسرو خاں[۲] کہلایا، یہ پرواری ہندو تھا بعد میں اس کا نام حسن رکھا گیا اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے اسے اپنے امیروں میں داخل کرلیا اور بڑھا چڑھا کر وزارت کا عہدہ دیدیا اور خسرو خاں کا خطاب عطا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ خسرو خاں اصل میں ہندو تھا چنانچہ ہندوؤں کی طرفداری کرتا رہتا تھا بادشاہ کا استاد قاضی خاں اسی سبب سے خسرو خاں سے نفرت کرتا تھا[۳]

اور چونکہ وہ بادشاہ وقت کا محبوب و مطلوب تھا اسلئے وہ بے پروا تھا، بے خوف تھا۔ کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی وہ من مانی کرنے میں بالکل آزاد تھا۔

۱؎ خلاصۃ التواریخ

۲؎ تاریخ مبارک شاہی

۳؎ برنی، فرشتہ، بخشی، بدایونی سب اسی پر متفق ہیں۔

۴؎ سفرنامہ ابن بطوطہ (بحوالہ محمد بن تغلق)

(۵) خسرو خاں

خسرو خاں اپنی دل ربا اداؤں سے بادشاہ پر چھا گیا تھا جو چاہتا وہی ہوتا یہ ایک بے پڑھا لکھا جاہل شخص تھا لیکن اس کے سامنے بڑوں بڑوں کے سر جھکتے اس میں اتنی قوت تھی کہ جسے چاہے عرش سے فرش پر اور فرش سے عرش پر پہنچا دے بڑے بڑے امراء اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے دنیا پرست عالم اس کے سامنے سر جھکا کر حاضر ہوتے تھے فوج کے سردار اپنی ترقی کے لئے اس کا منہ تکتے تھے، ارباب نشاط کے قافلے اس کی دریا دلی اور فیاضی سے مالا مال تھے ڈوم اور ڈھاری گوئیے اور نچئے، طوائفیں اور رقاصائیں اس کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوتی تھیں اور دامن آرزو گوہر مراد سے بھر کر واپس جاتی تھیں، یہ بادشاہ کی آنکھ بن گیا تھا وہ اس آنکھ سے دیکھتا تھا، یہ بادشاہ کا کان بن گیا تھا وہ اس کان سے سنتا تھا، یہ بادشاہ کا دماغ بن گیا تھا، وہ اس دماغ سے سوچتا تھا۔

کسی کی مجال نہ تھی کہ خسرو خاں کے خلاف لب کشائی کر سکے، کسی میں حوصلہ نہ تھا کہ خسرو خاں کی مخالفت میں بادشاہ کے سامنے زبان کھول سکے، کسی میں یارا نہ تھا کہ خسرو خاں کی مرضی میں مزاحم ہو سکے اب — وہ مسلمان تھا یا ہندو، وفادار تھا یا غدار، شریف تھا یا رذیل، جو کچھ بھی تھا بہت بڑی قوت تھا اتنی بڑی قوت کہ خود بادشاہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

خسرو خاں ابھی حال میں ہی دلی واپس آیا تھا اور جب سے آیا تھا اور زیادہ کھیل کھیلا تھا دلی سے باہر رہ کر اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ بادشاہ اس پر ہزار جان سے فریفتہ ہے بغیر اس کے زندہ نہیں رہ سکتا اسکے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتا اس کی کسی غلطی پر باز پرس نہیں کر سکتا، اس کی بڑی سے بڑی غلطی بھی اس کا کچھ نہیں

بگاڑ سکتی جو اسکے منہ سے نکل جائے وہی صحیح ہے خواہ وہ کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو، جو کچھ وہ چاہے اسے ہونا چاہئے خواہ وہ خواہش کتنی ہی لغو اور مہمل کیوں نہ ہو۔

قطب الدین نے تخت نشین ہو کر جب عہدے اور منصب تقسیم کئے۔ تو خسرو خاں کو ایک ایسا منصب سونپا جو زرپاش بھی تھا اور جس پر فائز رہ کر غیر معمولی اختیارات کا مالک بھی بن گیا تھا۔ یہ اختیارات جو اسے حاصل تھے ان سے کبھی اس نے کوئی نیک کام نہیں کیا۔ ہمیشہ ان کا غلط استعمال کرتا رہا۔

قطب الدین دلی میں تھا اور خسرو خاں دکن میں بیٹھا شہنشاہ ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔

خسرو خاں نے دکن میں اپنی خود مختاری کا منصوبہ مستحکم کر کے بندرگاہوں کے مسلمان سوداگروں کے اموال چھینے اور ان کو قتل کرنے میں کوئی باک نہیں کیا اور اس بات کے درپے ہوا کہ شاہی سرداروں کو جو اس کے ہمراہ تھے قتل کر کے علم آزادی بلند کرے ان حالات کا علم حیدری کے عامل ملک تیمور اور ملک گل افغان اور ملک تلیغہ حاکم گوا کو جو بطور نگی مامور تھے ہو گیا۔ انہوں نے خسرو خاں کو لکھا کہ ہم کو تمہاری نیت درست نہیں معلوم ہوتی اور ہمارے پاس ایسی شہادتیں موجود ہیں جن کی تردید نہیں کی جا سکتی۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ تم معبر و ملیبار کی جانب سے فوراً دیوگیر پہنچو اور تمام ہاتھی اور خزانہ جو تمہارے پاس جمع ہے دہلی کی جانب روانہ کرو۔ خسرو خاں نے اس میں لیت و لعل کیا مگر ان ہر سہ امراء نے نہایت مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ خسرو خاں کو مجبور کیا کہ وہ ہاتھ پاؤں نکالنے سے پیشتر دیوگیر واپس آئے ادھر بادشاہ کو اطلاع دی کہ ہم نے خسرو خاں کے فاسد ارادوں سے مطلع ہو کر اسے دیوگیر میں مجبور کر کے بٹھا دیا ہے۔ شاہی فرمان پہنچا کہ اس کو جس قدر جلد ممکن ہو بہ حفاظت ہمارے پاس پہنچا دو۔ چنانچہ پالکی میں سوار کر کے دیوگیر سے دہلی تک صرف آٹھ دن کے عرصے میں خسرو خاں کو پہنچا دیا گیا۔ خسرو خاں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر نمک حلال سرداروں کی شکایتیں کیں اور کہا کہ انہوں نے حسد اور رشک کی راہ سے مجھکو بغاوت

کے جرم میں متہم کیا ہے ملک تمور و ملک تلبغہ بھی بعد میں دہلی پہنچے اور تمام واقعات بادشاہ کو سنائے ان کو امید تھی کہ بادشاہ اس حسن خدمت کے عوض کہ ہم نے فتنہ کو سر اٹھانے سے پہلے ہی دبا دیا ہے ہمارا رتبہ بڑھائے گا مگر بادشاہ نے خسرو خاں کی پُرفریب باتوں کو صحیح سمجھ کر ان امیروں کو مجرم قرار دیا۔ ملک تمور کو چندیری کی حکومت سے معزول کر کے یہ علاقہ خسرو خاں کی جاگیر میں شامل کیا اور امیر تلبغہ کو بندر گوا کی حکومت سے معزول کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ دوسرے سرداروں کو بھی جنہوں نے خسرو خاں کے خلاف گواہیاں دی تھیں سزائیں دی گئیں اس طرز عمل کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد کسی کو بھی خسرو خاں یا اسکے بھائی کے خلاف کوئی لفظ زبان تک لانے کی جراٴت نہ رہی خسرو خاں کی جگہ دکن میں دوسرے سردار مامور کر دیئے گئے اور خسرو خاں بادشاہ کی خدمت میں رہ کر وزیر اعظم اور مدار المہام سلطنت کی حیثیت سے کاروبار سلطنت انجام دینے لگا۔

اور اب کس کی مجال تھی کہ وزیر اعظم اور مدار المہام کے سامنے جنبش لب بھی کر سکے؟ جس کا ہر اشارہ چشم فرمان کی حیثیت رکھتا ہو اسے ٹوکنے اور روکنے کی ہمت کون کر سکتا ہے۔

خسرو خاں گو بہت بڑا آدمی تھا لیکن نہایت ذہین اور ہوشیار بھی تھا اس نے ایک طرف تو بادشاہ کو اپنی مٹھی میں رکھا دوسری طرف بڑی ہوشیاری اور دانائی سے ان تمام لوگوں کو بلطائف الحیل راستے سے ہٹانا شروع کر دیا جو مخالف تھے یا جن سے مخالفت کا اندیشہ تھا اور چن چن کر ایسے لوگوں کو اونچے اور کلیدی عہدوں پر فائز کیا جو اس کے پروردہ تھے اور کسی حال میں بھی اس کے خلاف نہیں جا سکتے تھے جو بڑی سے بڑی غلطی اور غداری کے موقع پر بھی آنکھ بند کر کے اسکا ساتھ دے سکتے تھے اور کسی قیمت پر بھی نہ اس کے خلاف جا سکتے تھے نہ اس کے منصوبوں میں رکاوٹ ڈال سکتے تھے یہ وہ لوگ تھے جو اگرچہ مسلمان تھے لیکن انہوں نے اپنا دین، ایمان، ضمیر ہر چیز خسرو خاں کے ہاتھ فروخت کر دی تھی اور بہت خوش تھے ـــــ کارے کردیم۔

... محمد تغلق

(۶)

قاضی خاں کا قتل

خسرو خاں وزیر اعظم اور مدار المہام بن کر کچھ سے کچھ بن گیا، کل تک وہ کچھ نہ تھا اور آج وہ سب سے بڑا آدمی تھا۔ خزانہ اس کے تصرف میں تھا۔ پولس اسکے ماتحت تھی فوج پر اس کا اقتدار تھا۔ امراء اس کے ساتھ تھے، مکتبوں اور مدرسوں پر اس کی حکومت تھی، خانقاہوں اور زاویوں میں اس کا چرچا تھا، تقریباً سلطنت یعنی کو تخت سلطانی میں اس کا سکہ چلتا تھا اب اسے کوئی فکر نہ تھی، کوئی اندیشہ نہیں تھا، جس بات کو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا وہ پوری ہو گئی تھی، جس منصب تک پہنچنے کا اس نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا تھا آج وہ اس منصب بلند پر فائز تھا جس اقتدار و اختیار، جاہ و منزلت اور سطوت و شوکت کو وہ صرف بادشاہوں اور شہنشاہوں کے لئے مخصوص سمجھتا تھا آج وہ اسے حاصل تھی، کل تک وہ دوسروں پر رشک کرتا تھا آج دوسرے اس پر رشک کرتے تھے۔ پہلے وہ معمولی امیروں اور رئیسوں کی محفل میں بار نہیں پا سکتا تھا، اب مانے ہوئے امیر کبیر اور نواب اور وزیر اس کے دربار میں ڈرتے ہوئے اور سہمے ہوئے حاضر ہوتے تھے۔ پہلے وہ اپنے آقا کے اشارہ چشم و ابرو پر نقد جان قربان کرتا تھا اب دوسرے والا مرتبت اور فلک شکوہ اس کے اشارہ چشم و ابرو پر رقص کرتے تھے۔

اب خسرو خاں کو احساس ہوا کہ دکن یا گجرات سے بڑھ کر مجھ کو دہلی میں سلطنت اسلامیہ کے برباد کر دینے کا موقع میسر آسکتا ہے چنانچہ اس نے سلطان کو بالکل اپنے ہاتھ میں لینے کی بیش از بیش کوششیں کیں، ملک کافور کے مشیر و ہوا خواہ ہندو سب اس کے متوسلین میں شامل ہو گئے تھے ملک کافور اس کی قوم اور اس کے وطن کا آدمی تھا، ملک کافور کی ناکامی اور بربادی کی تمام کیفیت وہ دیکھ چکا تھا، روزانہ ملک کافور کے مکان میں جو آج کل خسرو خاں کا مکان تھا ہندو رات کے وقت جمع ہوتے اور مشورے کرتے تھے خسرو خاں نے بڑی احتیاط اور نہایت چالاکی کے ساتھ تمام ان لوگوں کو جو اس کے حصول مقصد میں سدراہ نظر آتے تھے۔ ایک ایک کرکے دہلی سے جدا کر دیا۔ کسی کو قید کسی کو قتل کرایا کسی کو دور دراز کے صوبوں میں بھیج دیا۔ پرانے زمانے کے ان امیروں کو جن کو کسی نہ کسی وجہ سے سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی سے عناد تھا دہلی میں بلا کر عہدے سپرد کئے گئے۔ جن لوگوں پر سلطان قطب الدین نے ظلم کئے تھے ان پر احسان و اکرام کی بارشیں کر کے اپنا ہمدرد اور بعض کو اپنا رازدار بھی بنا لیا۔

اس خفیہ انتظام کے بعد خسرو خاں نے ایک روز بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ پر حضور کی انتہا سے زیادہ مہربانیاں مبذول ہیں اور حضور کی نظر التفات کا نتیجہ ہے کہ میں ایک ادنیٰ درجہ کے ترقی کرکے وزارت عظمیٰ اور مدار المہام کے بلند ترین مرتبہ تک فائز ہو گیا ہوں، تاہم قدیمی امراء مجھ کو خاطر میں نہیں لاتے کیونکہ جس طرح اور قدیمی امرا کے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں اور ہم قوموں کی جمعیتیں شہر میں موجود ہیں، میرے ہم قوموں اور رشتہ داروں کی کوئی جمعیت نہیں ہے اگر بادشاہ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں بھی اپنے رشتہ داروں کو شاہی انعام و اکرام اور منصب و جاگیر کی توقع دلا کر اپنے وطن سے بلواؤں اور اس طرح میرا اثر و اقتدار بھی میرے عہدہ کے موافق شہر میں قائم ہو جائے اور بادشاہ جب مجھ کو کسی مہم پر مامور کریں تو میں اپنے ہم قوم لشکر کی مدد سے پوری آزادی

اور اطمینان کے ساتھ اس مہم کو سرانجام دے سکوں۔ بادشاہ نے خسرو خاں کی اس درخواست کو بلا تامل بخوشی منظور کر لیا اور اس نے اپنے چچا رندھول اور جاہر دیو وغیرہ کو گجرات بھیج کر بیس ہزار گجراتیوں کو دہلی بلوا کر اپنی خاص فوج میں بھرتی کیا اور اسی قدر نواح دہلی سے ہندوؤں کو اپنی جمعیت میں شامل کر کے چالیس ہزار کا لشکر نہایت خوشی کے ساتھ مرتب کیا۔

دہلی میں خود مختار اسلامی سلطنت قائم ہونے کے بعد یہ پہلا ہی موقع تھا کہ براعظم ہندوستان کے شہنشاہ کی اجازت سے چالیس ہزار سواروں کی ہندو فوج جمع ہوئی ملک بہاؤالدین دبیر سے بادشاہ ناراض تھا اور اس کو قتل کرنا چاہتا تھا خسرو خاں نے اس کی سفارش کرکے اس کو قتل ہونے سے بچا لیا اور اس احسان کے بعد اس پر اور بھی احسانات کرکے اپنا ہوا خواہ بنا لیا اس طرح کئی مسلمان نالائقوں کو اپنے ظل حمایت میں لے کر سلطان کے خلاف سازشوں میں شریک کار بنایا۔ دہلی کے بااثر امراء میں صرف ایک قاضی ضیاء الدین ایسا شخص تھا جو سلطان سے آزادانہ گفتگو کر سکتا تھا اور سلطان کا سچا ہمدرد تھا قاضی ضیاء الدین بادشاہ کا استاد اور قاضی خاں کے نام سے مشہور تھا۔ کوشک سلطانی یعنی قصر ہزار ستون کے دروازوں کی حفاظت بھی اسی کے سپرد تھی دہلی کے مسلمان ہندوؤں کے اقتدار اور ان کی قوت و شوکت اور فاسد ارادوں سے واقف تھے مگر کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ سلطان کی خدمت میں خسرو خاں کے خلاف ایک لفظ بھی زبان پر لائے۔ انہی ایام میں سلطان بغرض شکار دہلی سے سرسادہ کی طرف گیا وہاں خسرو خاں اور دوسرے ہندوؤں نے ارادہ کیا کہ سلطان کو شکار کھیلتے ہوئے جنگل میں قتل کر دیا جائے مگر خسرو خاں کے بعض ہمدردوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ کام ہم کو قصر سلطانی میں انجام دینا چاہئے، تاکہ دہلی پر قبضہ رہے اگر یہاں قتل کیا گیا تو ممکن ہے دہلی پر قبضہ دشوار ہو اور مسلمان سردار ہمارے تخت سلطانی تک پہنچنے سے پہلے مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں، سلطان سرسادہ سے دہلی

آیا اور قاضی نے شہر کی عام افواہوں سے متاثر ہو کر سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہندو فوج کی کثرت خطرہ سے خالی نہیں ہے میں نے سنا ہے کہ روزانہ خسرو خاں کے مکان میں ہندو جمع ہو کر مشورے کرتے ہیں اور خسرو خاں کا ارادہ ہے کہ سلطان کو قتل کر کے خود بادشاہ بن جائے آپ کم از کم اتنا تو کریں کہ خسرو خاں کی فوج کے بعض گجراتی ہندوؤں کو اپنے پاس تنہائی میں بلا کر ان سے اس معاملہ کی نسبت استفسار فرمائیں۔ ممکن ہے کہ وہ رعب سلطانی سے پوست کندہ حالات بیان کر دیں اور کوئی فتنہ برپا ہونے والا ہے تو اس سے آپ اپنی حفاظت کر سکیں۔ اگر خسرو خاں بے گناہ ثابت ہو تو پھر سلطان کو موقع حاصل ہے کہ ازراہِ قدردانی اس کی عزت و مرتبہ میں اضافہ فرمائیں۔ ابھی قاضی خاں اپنی بات ختم کرنے نہ پایا تھا کہ خسرو خاں بھی حاضر ہو گیا۔ سلطان نے قاضی خاں کے سامنے ہی خسرو خاں کو مخاطب کر کے کہا کہ تیری نسبت قاضی خاں ایسا کہہ رہا ہے۔ یہ سن کر خسرو خاں مکار نے فوری رونا شروع کر دیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ یہ تمام مسلمان سردار اس لئے میرے دشمن ہو گئے ہیں کہ حضور نے مجھ کو سب سے بلند مرتبہ عطا کر دیا ہے۔ یہ ضرور مجھ کو حضور کے ہاتھ سے قتل کروا کر رہیں گے اور جب تک مجھ کو آپ کے ہاتھ سے قتل نہ کروا لیں گے کبھی چین سے نہ بیٹھیں گے، یہ کہہ کر اور بھی زار و قطار رونے لگا اس کو اس طرح روتا ہوا دیکھ کر بادشاہ کا دل بھی بھر آیا اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا کہ تیری نسبت اور تیری قوم کی نسبت میں کسی کی شکایت کو ہرگز ہرگز صحیح نہیں سمجھ سکتا، تجھ کو بالکل مطمئن رہنا چاہئے، یہ رنگ دیکھ کر قاضی صاحب بادشاہ کی حماقت پر افسوس کرتے ہوئے اپنا سا منہ لے کر چلے آئے اور ان کو بھی خسرو خاں یا دوسرے ہندوؤں کی نسبت بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرأت نہ رہی۔[1]

اس طرح خسرو خاں کے راستہ کا آخری کانٹا بھی ہٹ گیا۔

قاضی صاحب سے بڑا اور بااثر آدمی ساری مملکت میں کوئی نہیں تھا ان

کا علم، تدبر، وفاداری، معاملہ فہمی ہر چیز شک و شبہ سے بالا تھی بادشاہ کی خودسری نخوت و سفاکی اگر کسی کے سامنے سر جھکاتی تھی تو وہ قاضی صاحب کی ذات گرامی تھی لیکن آج قاضی کو جس حقارت، مصیبت اور جس طرح ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا تھا اس کے بعد میدان صاف تھا۔ نہ دشمن کی پروا نہ موت سے اندیشہ۔

اس کامیابی کے بعد خسرو خاں نے ایک اور قدم بڑھایا۔

ایک رات موقع پا کر خسرو خاں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی میں خداوند کے پاس سے اندھیرے اندھیرے اٹھ کر نیچے چلا جاتا ہوں، مگر اس وقت دروازہ بند ہوتا ہے، وہاں انتظار کرنا پڑتا ہے اگر میرے آدمی یہیں قلعہ کے اندر پہنچے موجود رہیں تو مجھے تکلیف نہ ہو، چاہتا ہوں کہ خاص دروازہ کی کنجی قاضی صاحب سے لے کر مجھے دیدی جائے۔" بادشاہ نے منظور کر لیا۔ منظور کرنا تھا کہ پرواریوں کا عمل دخل ہو گیا۔ ہتھیار لگائے قلعہ کے اندر آنے لگے اور نیچے کوٹھریوں میں راتوں کو رہنے لگے اور بے باک ہو کر بادشاہ کے قتل کی باتیں کرنے لگے۔ یہ باتیں قاضی خاں سنا کرتا تھا اور سن کر خون کے گھونٹ پیا کرتا۔[2]

اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔

لیکن قاضی خاں کا دل مہر و وفا کا گنجینہ تھا اس نے قطب الدین کی تربیت کی تھی اس کی نشو و نما میں حصہ لیا تھا اسے پڑھایا تھا اس کی ذہنی اور دماغی تکمیل کے پروان چڑھانے میں اپنی بہترین ذہنی اور دماغی صلاحیتیں صرف کر دی

مضمون صفحہ ۳۱

[1] فرشتہ کہتا ہے کہ:

بادشاہ را از گریۂ او دل بدرد آمدہ او را در کنار
گرفت و بوسہ بر رخسارہ اش دادہ گفت کہ خاطر جمع دار

[2] سلطان محمد تغلق۔ از مہدی حسن

تھیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے قطب الدین کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اور پھر ایک بات اور بھی تو تھی۔

قطب الدین لاکھ عیاش، بے پروا اور نا اہل ہو لیکن اس کے دم سے مسلمانوں کا بھرم تو قائم تھا۔ مسلمان ایک مرکز پر تو جمع تھے۔ ان کی سطوت و صولت کا ڈنکا تو بج رہا تھا کم از کم انتشار اور پراگندگی سے تو محفوظ تھے خانہ جنگی اور پیکار باہمی میں تو مبتلا نہیں تھے۔ لیکن اگر قطب الدین ختم ہوا اگر اسکی جان چلی گئی اگر وہ مارا گیا تو مسلمانوں کی مرکزیت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ ان کا اتحاد و اتفاق ختم ہو جائے گا۔ ان کی صولت و حشمت ختم ہو جائے گی اور یہ خسرو خاں جو بظاہر مسلمان ہے لیکن درحقیقت اسلام سے اور مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے جو اپنے آقا کی وفاداری کا دم بھرتا ہے لیکن حقیقت میں اسکے قتل کا درپے ہے جو دہلی کی سلطنت اسلامیہ کا بدترین دشمن ہے اور اس حکومت کا تختہ الٹنے کی تدبیریں کر رہا ہے اگر مالک تخت و تاج بن گیا تو کیا ہو گا؟

کیا یہ سلطنت جسے مسلمانوں نے خون پانی ایک کر کے قائم کیا ہے پارہ پارہ نہ ہو جائے گی؟"

پھر اب کیا کیا جائے؟ کیا کیا جائے؟

خسرو خاں کی موجودگی میں اس کی جو ذلت ہو چکی تھی اسکے بعد اب اس کے لئے مجال دم زدن نہ تھی۔ ایک مرتبہ اس نے ہمت کر کے اس غدار اور دشمن غلام کی بدنفسی اور خباثت کی ساری داستان بیان کر دی تھی مگر اس کا صلہ کیا ملا؟ نتیجہ کیا نکلا؟

یہی تاکہ اسے ذلیل ہونا پڑا اور خسرو خاں کے مدائح میں اعزا میں اور اقتدار اور اختیار میں اور زیادہ بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔

اب اگر ایک مرتبہ پھر ہمت کر کے بادشاہ کو پوست کندہ حالات سے باخبر کیا جائے تو کیا ہو گا؟

کیا وہ سن لے گا؟

کیا وہ مان لے گا؟

کیا وہ اپنے طرزِ عمل میں اصلاح کر لے گا؟

سنے یا نہ سنے، مانے یا نہ مانے، اصلاح کرے یا نہ کرے، مجھے بہرحال اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔ کم از کم میں اپنے فرض سے تو سبکدوش ہو جاؤں۔

یہ سوچ کر قاضی خاں نے فیصلہ کر لیا کہ آج ہی بادشاہ کو اس عظیم خطرہ کی طرف سے ایک مرتبہ پھر متوجہ کرے گا، جو اس کے سر پہ تیر فضا بن کر منڈلا رہا ہے، نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔

اور ادھر جب قاضی خاں خسرو خاں کے خلاف یہ منصوبہ سوچ رہا تھا خود خسرو خاں بھی غافل نہ تھا وہ سمجھ رہا تھا ایک مرتبہ میری محبت کے جوش میں بادشاہ نے قاضی خاں کو نظر انداز کر دیا، میری دل دہی کر دی، میرے آنسو اپنے دامن سے پونچھ دیئے۔

لیکن ہر مرتبہ تو ایسا نہیں ہو سکتا۔

ہمیشہ تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔

پانی پتھر پر گرتا ہے اور اپنا اثر چھوڑ جاتا ہے رفتہ رفتہ اسے گھس دیتا ہے آج بادشاہ میرے خلاف کسی کی حتی کہ قاضی خاں کی بھی کوئی بات نہیں سنتا لیکن یہ فضا ہمیشہ تو نہیں قائم رہے گی۔

خسرو خاں اسی سوچ میں مستغرق تھا کہ اس کا ماموں رندھول آیا، اس نے خسرو خاں کو فکرمند دیکھا تو کہا۔

کیا سوچ رہے ہو بیٹے؟ کچھ مضطرب اور پریشان نظر آ رہے ہو اس وقت خیر تو ہے؟

خسرو خاں نے کہا ماموں جان کیا عرض کروں ایسا معلوم ہوتا ہے ہمارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ ہمارا حکومت کا تختہ نہیں الٹ

سکیں گے، ہم اس بادشاہ کو قتل نہیں کر سکیں گے، ہم ہندو حکومت نہیں قائم
کر سکیں گے ـــ کیا واقعی ایسا ہو گا؟
رندھول نے بگڑے ہوئے تیور سے کہا۔
ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ـــ ہم نے جو کچھ سوچا ہے وہ ہو کر رہے گا۔
" لیکن کس طرح ؟
" صرف وقت کا انتظار ہے "
" اور وہ وقت کب آئے گا ؟ "
" جب قاضی خاں اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا "
" اور وہ اس دنیا سے کب رخصت ہو گا ؟ "
" جب تم فیصلہ کر لو ـــ یاد رکھو جب تک وہ زندہ ہے واقعی ہم اپنے
ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ نہ جانے کس وقت دراندازی کر بیٹھے
اس سے کچھ بھی بعید نہیں ہے اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو جانتے
ہو کیا ہو گا ؟ "
" کیا ہو گا ؟ ـــ بتایئے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں "
" پھر تم قتل کر دیئے جاؤ گے۔ میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ تمہارے وہ ہم قوم
اور ہم مذہب قتل کر دیئے جائیں گے۔ جنہیں بڑی حکمت عملی اور دور اندیشی
سے کام لے کر تم نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے اردگرد اور قصر ہزار ستون
کی چار دیواری میں جمع کر لیا ہے "
" (گھبرا کر) کیا یہ سب ہو گا ؟ "
" نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے ہمیں اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہونا چاہیئے "
" تو پھر قاضی خاں کو راستہ سے ہٹاؤ، یہی تدبیر ہے۔ مقصد میں کامیاب
ہونے کی "
" لیکن قاضی خاں کی جان لینا آسان تو نہیں ہے "

" بہت آسان ہے بیٹے، بے حد آسان ہے ـــ یہ کام چٹکی بجاتے
میں ہو سکتا ہے۔
" ماموں وہ کس طرح ؟ "
" ابھی لوہا گرم ہے اس وقت بادشاہ تمہاری محبت میں اندھا ہو رہا
ہے اب اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ اس نے تمہاری موجودگی میں اپنے استاد
اور شہر کے بہت بڑے شخص قاضی خاں کو ذلیل و رسوا کر کے چلتا کر دیا اس
وقت کسی نہ کسی بہانہ سے اس کی جان بھی لی جا سکتی ہے اسے قتل کیا جا سکتا ہے
لیکن جتنا جتنا وقت گزرتا جائے گا جتنی جتنی دیر ہوتی جائے گی حالات ہمارے
خلاف اور اس کے موافق ہوتے جائیں گے اس لئے کہ ہمارا دشمن صرف قاضی
خاں نہیں ہے یہاں کے بہت سے لوگ ہیں جن کی زبانیں خاموش ہیں لیکن
دل ہمارے خلاف سلگ رہے ہیں۔
" لیکن ایسے لوگوں کا تو میں تیا پانچہ کر رہا ہوں ان لوگوں کی ایک طویل
فہرست مرتب ہو سکتی ہے جنہیں میں نے جلا وطن کر دیا، جن کی جاگیریں چھین
لیں جنہیں دوسرے مقامات پر بھیج دیا جنہیں موت کے گھاٹ اتار دیا اب کون
ہے جس سے خطرہ ہے "
" میرے بچے تم بہت بھولے ہو، نادان اور بے وقوف بھی "
" کیا غلطی ہوئی مجھ سے ! "
" اس سے بڑی غلطی کیا ہو گی کہ اپنی جگہ تم مطمئن ہو "
" مطمئن تو نہیں ہوں لیکن اندیشہ مند بھی نہیں "
" حالانکہ جب تک قطب الدین قتل نہ ہو جائے اور تم بادشاہ نہ بن جاؤ
ہرگز مطمئن نہ ہونا چاہئے۔ دلی کا ذرہ ذرہ ہمارا دشمن ہے ہر وہ شخص ہمارا دشمن
دشمن جان و ایمان ہے جو اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے خواہ وہ اس ملک کا رہنے
والا ہو یا بدیسی ہو ـــ وقت آنے پر ان سب کا ہمیں قلع قمع کرنا ہے "

"وہ تو ہوگا ضرور ہوگا۔"

"ہاں — لیکن قاضی خاں کے قتل سے پہلے نہیں۔"

"تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"بادشاہ کے پاس جاؤ۔ قاضی خاں کے خلاف اسکے کان بھر دو اسے غدار، نمک حرام، وطن دشمن، ملت فروش، سازشی اور بادشاہ کا سب سے بڑا دشمن ثابت کر دو اس کے محضر قتل پر اس کے دستخط لے لو۔"

"آپ کہتے ہیں تو ایسا ہی کروں گا۔"

"کب — کب ایسا ہی کرو گے؟"

"موقع دیکھتے ہی یہ کام شروع کر دوں گا۔"

"پھر وہی بحث وہی نادانی — نیک کام میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے اٹھو جاؤ ابھی جاؤ، اسی وقت جاؤ اور اپنا کام شروع کر دو۔ تم چلو تمہارے پیچھے پیچھے میں بھی آتا ہوں۔"

خسرو خاں نے کوئی جواب نہ دیا اور اٹھ کر سیدھا بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہو گیا اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج سے قاضی خاں کے خلاف کارروائی شروع کر دینی چاہیئے۔

اور جس وقت ماموں بھانجے میں یہ باتیں ہو رہی تھیں ٹھیک اسی وقت قطب الدین نشۂ شراب میں بدمست اپنے ساقی گلفام سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا۔

"دنیا کے کسی عیش میں اس وقت تک لذت نہیں مل سکتی جب تک خسرو خاں پاس نہ ہو — اسے بلاؤ۔"

یکایک اطلاع ملی کہ قاضی خاں شرف باریابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

قاضی خاں کا نام سن کر بادشاہ کی تیوری چڑھ گئی۔

"ہم نہیں مل سکتے اس وقت۔"

جملہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ قاضی خاں اندر آ گئے۔

قاضی خاں کو دیکھ کر قطب الدین مبارک شاہ کا نشہ ہرن ہو گیا۔

قاضی خاں کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ تشریف لے آئیے — آئیے آئیے۔"

"قاضی خاں اس وقت بہت سنجیدہ نظر آ رہے تھے وہ آئے اور بیٹھ گئے انہوں نے کہا۔

"میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"قطب الدین سمجھ گیا قاضی صاحب کیا کہیں گے وہ دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ خسرو خاں جلد از جلد آئے تا کہ یہ بلا ٹلے۔ لیکن بظاہر خوش خلقی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"شوق سے فرمائیے ہم سنیں گے اور توجہ سے سنیں گے۔"

قاضی صاحب نے خسرو کی عیاریوں اور غداریوں کی ساری داستان ایک مرتبہ پھر دہرا دی۔

اتنے میں خسرو خاں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ کی جان میں جان آئی۔ اس نے حسب سابق پھر دونوں کا سامنا کرا دیا۔

خسرو خاں نے محسوس کیا کہ میرا سارا بھرم قاضی خاں نے بادشاہ کے سامنے کھول دیا ہے تو وہ بادشاہ کے سامنے جھوٹ موٹ رونے لگا اور رو رو کر کہنے لگا کہ مجھ پر سب کا دانت اس لئے ہے کہ جہاں پناہ مجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ ابھی خسرو خاں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ خسرو خاں کے ماموں رندھول نے جو ہتھیار لگائے اور اپنے ساتھیوں کو لئے گھات میں چھپا بیٹھا تھا۔ قاضی خاں کو آن گھیرا۔ دوسری طرف سے جاہریا نکل کھڑا ہوا اور قاضی خاں کے سینے پر تیر کھینچ کے مارا تیر کھاتے ہی وہ بیچارا تڑپ کر مر گیا اس کے مرتے ہی محل میں چاروں طرف پرواری پھیل گئے اور ایک شور مچ گیا[1]

---

[1] محمد بن تغلق (ڈاکٹر مہدی حسین)

قاضی خاں کی موت ایک شخص کی موت نہ تھی،

یہ ایک بادشاہت کی موت تھی۔

ایک ملک، ایک قوم ایک ملت کی موت تھی۔

اس وقت تو ان شیروں نے صرف ایک شخص کو ہلاک کیا تھا،

لیکن یہ ہلاکت بہت جلد بارود کا ہولناک اور ہیبت ناک شعلہ بن کر رونما ہونے والی تھی جو مسلمان قوم کی تباہی، بربادی اور ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہونے والی تھی۔

آج علاؤالدین خلجی کی روح عرش بریں پر مصروف گریہ و بکا تھی یہ ملک کتنی مصیبتوں اور تکلیفوں کے برداشت کرنے کے بعد اس کے قبضہ آیا تھا۔ اس ملک کو قبضہ میں رکھنے کے لئے اس نے کیا کیا جتن نہ کئے تھے!

لیکن آج اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی تیاری ہو رہی تھی،

—— اور علاؤالدین کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ بے بس تھا۔

کتنی محنت سے، کتنی مشقت سے، کتنی سختیاں جھیل کر اس ملک کو اس نے مستحکم کیا تھا۔ اس حکومت کو اس نے وسعت دی تھی۔

اور آج ——

اور آج اس کا نالائق، ملکہ ناخلف بیٹا باپ کی بنائی ہوئی عظیم و جلیل حکومت کو خود اپنے ہاتھ سے ڈھا رہا تھا۔

دلی کے لوگ حیرت سے یہ تماشا دیکھتے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے!

کیا کرتے ان کے بس میں کیا تھا؟

✤

احسان فراموش نومسلم

قاضی خاں کا قتل بظاہر ایک معمولی سا حادثہ تھا لیکن درحقیقت یہ ایک ہولناک مستقبل کا پیش خیمہ تھا۔

قاضی خاں نہیں قتل ہوا، مسلم حکومت قتل ہو گئی، مسلمانوں کی سطوت و شوکت قتل ہو گئی، حکومت اسلامیہ کا دم خم قتل ہو گیا۔ اس قتل سے تاریخ کا وہ تاریک ترین دور شروع ہوا کہ اگر وہ باقی رہ جاتا تو ہندوستان سے مسلمان ختم ہو جاتے، ان کے آثار و نقوش مٹ جاتے، ان کے روایات فرمانروائی و کشورکشائی کا خاتمہ ہو جاتا وہ غلام بنا لئے جاتے اور ہمیشہ کے لئے ذلت و گمنامی کے گڑھے میں جا گرتے!

خسرو خاں کے راستے کا سب سے بڑا پتھر قاضی خاں تھا۔ یہ پتھر ہٹ گیا اب راستہ صاف تھا۔ اب کسی طرح کا اندیشہ نہیں تھا، قطب الدین اس کے بس میں تھا اور بیک اشارۂ چشم اس کا رشتہ جسم و جان منقطع کیا جا سکتا تھا، اور اس کے بعد نہایت ٹھاٹھ اور شان سے ہندو حکومت قائم کی جا سکتی تھی چنانچہ قاضی خاں کے حادثۂ قتل کے صرف دوسرے روز خسرو خاں نے فیصلہ کر لیا کہ اب تامل و تذبذب سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ سلطان قطب الدین خلجی کو قتل کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا،

"رات کے وقت نماز عشا کے بعد حسب معمول ہزار ستون کے بالاخانے پر سلطان کی خدمت میں حسب معمول حاضر ہوا۔ نیچے دروازوں کی نگرانی اور پہرہ بدلوانے کے لئے جو لوگ موجود تھے انہیں جاہر دیو نے رندھول کے ساتھ تھا خنجر بھونک کر بڑی پھرتی سے قتل کر دیا۔

مسلح ہندوؤں کی ایک جمعیت نے کر فوراً پہرہ والوں کو قتل کرنا شروع کیا جب شور و غوغا صحن میں بلند ہوا تو سلطان نے خسرو خاں سے پوچھا یہ

کیا شور ہے۔ خسرو خاں فوراً اٹھ کر لب بام آیا اور تھوڑی دیر تامل کر کے سلطان کے پاس واپس آگیا اور کہا کہ سلطانی اصطبل کے چند گھوڑے کھل گئے ہیں وہ صحن میں بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں اور لوگ انکو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے شور مچ رہا ہے۔ سلطان یہ سن کر مطمئن ہو گیا اور خسرو خاں سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا اسی وقت جاہر دیو اور دوسرے ہندو جو اسی کام پر مامور تھے۔ بالاخانے پر چڑھنے لگے۔ زینہ کے دروازے پر ابراہیم اور اسحاق نامی پہرہ دار موجود تھے انہوں نے ان کو روکنا چاہا لہذا دونوں مارے گئے اور قاتلوں کی یہ جماعت اوپر چڑھ آئی ابراہیم اور اسحاق کے مزاحمت کرنے اور قتل ہونے کا شور چونکہ قریب ہی تھا، سلطان کو کچھ شک پیدا ہوا۔ قاتلوں کی اس جماعت کو بے محابا شمشیر بدست آتے ہوئے دیکھ کر سلطان فوراً اٹھا اور محل سرائے کی طرف بھاگنے لگا۔ خسرو خاں نے سمجھا کہ اگر سلطان محل سرائے کے اندر داخل ہو گیا تو پھر اس کے پکڑنے اور قتل کرنے میں دقت ہو گی لہذا وہ فوراً سلطان کے پیچھے بھاگا اور محل سرائے کے دروازہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی سلطان کو جا لپٹا، سلطان اپنے سر پر لمبے لمبے بال رکھتا تھا۔ خسرو خاں کے ہاتھ میں سلطان کے بال آگئے سلطان طاقتور تھا اس نے فوراً خسرو خاں کو زمین پر پٹک دیا۔ مگر خسرو خاں نے سلطان کے بال نہ چھوڑے خسرو خاں نیچے پڑا تھا اور سلطان اس کے اوپر تھا۔ مگر بالوں کی وجہ سے اٹھ کر بھاگ نہ سکتا تھا اسی حالت میں جاہر دیو پہنچ گیا اور دونوں کو گتھم گتھا دیکھ کر رات کی تاریکی کے سبب متامل ہوا کہ کہیں میرے ہاتھ سے خسرو خاں زخمی نہ ہو جائے۔ خسرو خاں نے پکارا کہ میں نیچے پڑا ہوں میرے اوپر سلطان ہے جلدی اپنا کام کرو ورنہ میرا کام تمام ہو جائے گا۔ جاہر دیو نے سلطان کے پہلو میں خنجر بھونک دیا اور پھر اس کا سر کاٹ کر نیچے قصر ہزار ستون کے محل میں اوپر سے پھینک دیا اس کے بعد خسرو خاں رندھول اور دوسرے ہندو محل

سرائے سلطانی میں داخل ہوئے وہاں سلطان علاؤالدین خلجی کی بیوی اور دوسری بے گناہ عورتوں کو قتل کر کے فرید خاں و منگو خاں، و عمر خاں پسران سلطان علاؤالدین کو قتل کیا اور خاندان علائی کے کسی متنفس کو زندہ نہ چھوڑا اسیوقت جب کہ آدھی رات ہو چکی تھی تمام امراء کو قصر ہزار ستون میں بلا توقف حاضر ہونے کا حکم بھجوایا جب تمام امراء جمع ہو گئے تو ان سب کو گرفتار و نظر بند کر لیا صبح ہوئی تو خسرو خاں نے تاج شاہی سر پر رکھ کر تخت سلطنت پر جلوس کیا امرا نے اطاعت قبول کی جن کی نسبت کچھ شبہ تھا۔ ان کو قتل کرا دیا، سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی پنجم ربیع الاول ۷۲۱ھ کو ہندوؤں کے ہاتھ سے شہید ہوا چار سال اور چند ماہ سلطنت کی[1]

خسرو خاں گو نمک حرام تھا کور چشم تھا، احسان فراموش تھا، دون فطرت تھا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں غیر معمولی طور پر سیاست اور تدبیر کے فن میں ماہر تھا، وہ پہلے ہی اہتمام کر چکا تھا کہ۔

جو صوبہ دار دروازہ کے صوبوں میں مامور تھے ان کے اکثر عزیز و اقارب دہلی میں موجود تھے ان سب کی نگرانی اور دیکھ بھال کا بندوبست کیا گیا تا کہ یہ لوگ دہلی سے فرار نہ ہو سکیں اور وہ صوبہ دار اپنے ان عزیزوں کی وجہ سے سرکشی پر آمادہ نہ ہو سکیں جن لوگوں کے اہل و عیال دہلی میں نہ تھے ان کے بیٹوں یا بھائیوں کو خسرو خاں نے پہلے ہی سلطان قطب الدین کے حکم سے بطور یرغمال دہلی بلوا لیا تھا۔ لہذا اس زبردست بغاوت کا اندیشہ نہ تھا۔ تمام صوبہ داروں میں جس شخص کا سب سے زیادہ خیال تھا وہ غازی ملک تغلق صوبہ دار دیبالپور جو سلطان علاؤالدین کے زمانے سے مغل انگنی کے سبب

[1] ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ میں اس حادثہ الم انگیز کو درج کرتے ہوئے جو الفاظ استعمال کرتا ہے وہ انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کا ترجمہ نہیں کیا جا سکا۔

بڑی شہرت اور اثر رکھتا تھا۔ غازی ملک تغلق کا بیٹا ملک فخر الدین جونا خان یعنی محمد تغلق دہلی میں موجود تھا۔ خسرو خاں نے تخت نشین ہوتے ہی ملک جونا خاں کو امیر اخور کا عہدہ عطا کیا اور اس کی سب سے زیادہ دلدہی اور خاطر مدارات کرنے لگا تاکہ اس کا باپ غازی ملک مخالفت پر آمادہ نہ ہو سکے۔ جاہر دیو کو جو قاضی خاں اور سلطان قطب الدین خلجی کا قاتل تھا زر و جواہر سے تلوایا گیا۔ رندھول کو رائے رایاں کا خطاب ملا۔ اپنے بھائی حسام الدین کو خانخاناں کا خطاب دیا۔ قصر ہزار ستون اور محل سرائے میں ہندو ہی ہندو نظر آنے لگے دہلی میں پہلے ہی سے چالیس ہزار ہندوؤں کی مسلح فوج موجود تھی مسلمانوں کی کوئی طاقت دہلی میں باقی نہیں رکھی گئی تھی جو مسلمان موجود تھے ان کو خسرو خاں نے اپنا ہم نوالہ بنا لیا تھا۔ اب بادشاہ ہو کر اس نے ہندوؤں کی بھرتی شروع کر دی ہندوؤں میں جابجا خوشیاں منائی گئیں کہ دہلی پھر ہندوؤں کے قبضہ میں آ گئی۔

خسرو خاں کو اسلام سے پہلے ہی کوئی تعلق نہ تھا۔ اب بادشاہ بننے کے بعد اس نے اپنے نام کا تبدیل کرنا اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ ملک میں بہت سے ایسے مسلمان سردار موجود تھے جن کو وہ فریب دے کر اپنی مخالفت سے باز رکھنے کا خواہاں اور بتدریج اسلامی سلطنت کو خالص ہندو سلطنت بنانا چاہتا تھا باوجود ان تمام احتیاطوں کے خسرو اور حامیان خسرو کی لبت فطرتی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ دہلی کی مسجدوں کو ہندوؤں نے مسلمانوں سے چھین لیا، مسجدوں کی محرابوں میں بت رکھے گئے اور مسجدوں کو مندر بنا کر ان میں گھنٹے بجنے اور بت پجنے لگے۔ اذان کی آوازیں بلند ہونی موقوف ہوئیں۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ حرکت ہوئی کہ مسلمانوں سے قرآن شریف زبردستی چھین چھین کر جمع کئے گئے ان قرآن شریفوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر خسرو خاں کے دربار میں چھوٹے چھوٹے چبوترے بنا لئے گئے اور ان پر ہندو درباری بیٹھے۔

ذاتی اور قومی طور پر مسلمانوں کی بے آبروئی اور رسوائی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رہا۔ مولویوں کی توہین کی جاتی، صوفیوں کے ساتھ تذلیل کا برتاؤ کیا جاتا، امراء و روساء کو غلاموں سے بڑھ کر حقیر سمجھا جاتا فوج اور پولیس سے مسلمان عہدیدار بغیر کسی خطا اور قصور کے برطرف کئے جاتے تھے اور ان کی جگہ ہندوؤں کی بھرتی ہونے لگی۔

مسلمان یہ سارے جگر پاش اور دلدوز واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور خاموش تھے اتنا بڑا ہولناک اور تباہ کن انقلاب اتنی سرعت سے آ جائے گا اس کا انہیں وہم و گمان تک نہ تھا۔

کل تک کہ قطب الدین خلجی زندہ تھا وہ حکمران قوم تھے ان کا سکہ چلتا تھا۔ ان کی سطوت شاہی سے زمین و آسمان کانپتے تھے اور قطب الدین کے دھوکے سے قتل ہوتے ہی وہ ایک بیک محکوم اور غلام قوم بن گئے پہلے ان کی نگاہ لطف و کرم لوگوں کو فرش سے عرش پر پہنچا دیتی تھی۔ اب وہ اس شخص کے رحم و کرم کے محتاج تھے جو ان کا غلام رہ چکا تھا جس پر ان کے بہت سے احسانات تھے۔

جس چالاکی اور ہوشیاری سے خسرو خاں نے تدبیر کا پانسہ پھینکا تھا وہ اس کی ذہانت اور فراست کا شاہکار تھا اس نے اپنے منصوبے کو آخر وقت تک پوشیدہ رکھا لیکن اس کا ایک ایک جزئیہ طے کر لیا تھا اور جیسے قطب الدین کی گردن کٹی، پورے طور پر اس کا منصوبہ اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ بروئے کار آ گیا۔ کوئی بات بھی تو ایسی نہیں ہوئی جس سے کسی طرح کا خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا۔

مسلمان یہ منظر دیکھ رہے تھے اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے تھے۔
نگریستن بسوئے فلک یا گریستن! بس یہی ان کا شغل رہ گیا تھا اس کے سوا وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔

غازی ملک اور جونا خاں

قطب الدین خلجی کے دل میں غازی ملک (غیاث الدین تغلق) اور جونا خاں (محمد تغلق) کی بہت زیادہ قدر و منزلت اور وقعت تھی خزو خاں ان دونوں کا بھی بدترین دشمن تھا وہ بار بار بادشاہ کے کان ان دونوں کے خلاف بھرتا رہتا تھا لیکن ہر مرتبہ ہر سازش اور عنیت کے موقع پر ان دونوں کے زبردست ناقابلِ فراموش اور معرکہ آرا کارنامے شفیع بن کر سامنے آجاتے تھے یا تو بادشاہ خاموش ہو جاتا تھا یا کوئی دوسری بات چھیڑ دیتا تھا۔ اور ایک مرتبہ تو اس نے اپنے قتل کے چند دن پہلے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

"خزو خاں تم مجھے بہت عزیز ہو جو کچھ کہو ماننے کو تیار ہوں مجھے تم سے محبت ہے اور محبت اندھی ہوتی ہے وہ نفع و زیان کو نہیں دیکھتی تم نے جو چاہا ہوا جو چاہو گے وہ ہو گا تم نے جو کہا وہ فرمان بن گیا جو کہو گے وہ فرمان بن جائے گا لیکن خبردار کبھی بھولے سے بھی آئندہ غازی ملک یا جونا خاں کے خلاف ایک لفظ نہ کہنا میں سب کچھ سن سکتا ہوں ان دونوں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا یہ دونوں میرے

ختم ہو چکی ہوتی۔ ممکن ہے میں بھی ختم ہو چکا ہوتا۔ غازی ملک دیپالپور میں اپنی فوج کے ساتھ مقیم ہے۔ لیکن کیوں؟

"کیا شکار کھیلنے کے لئے؟"

"کیا لطف و تفریح کے لئے؟"

"کیا عیش و عشرت کی لذتیں حاصل کرنے کے لئے؟"

"نہیں!

اس لئے کہ مغلوں (یعنی تاتاریوں) کے فتنے کو روکے یہ مغل (تاتاری) وہ ہیں کہ دنیا ان سے کانپ رہی ہے۔ یہ انسان نہیں وحشی اور درندے ہیں بلکہ درندے بھی ان سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہ شہروں کو ویران کر دیتے ہیں عالی شان عمارتوں کو خاک کا ڈھیر بنا دیتے ہیں انسانوں کے بڑے سے بڑے مجمع کو تہ تیغ کر دیتے ہیں، یہ جہاں جاتے ہیں کامیاب ہوتے ہیں۔ انہیں چنگیز کے وقت سے آج تک شکست نہیں ہوئی، دنیا کی بڑی اور مہذب قومیں انہیں قہرِ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں ہندوستان پر بھی بار بار انہوں نے چڑھائی کی ابھی کچھ دن پہلے ہی ایک لشکر پورا اور انتہائی خطرناک حملہ کر چکے ہیں مگر جانتے ہیں اس سیلِ رواں کو کس نے روکا۔

تغلق نے۔

غازی ملک اور اس کے بیٹے جونا خاں نے۔

آج بھی غازی ملک دیپالپور میں اپنی فوج کے ساتھ اس لئے پڑا ہے کہ جب ضرورت ہو جاں نثاری اور فداکاری کا حق ادا کرے جونا خاں ہمارے پاس ہے اور جو ذمہ داریاں ہم نے اسے سونپ رکھی ہیں۔ بڑی خوبی دیانت اور سچائی کے ساتھ انہیں انجام دیتا ہے کیونکر ممکن ہے کہ ایسے وفاداروں کے خلاف ہم ایک حرف بھی سن سکیں۔

خزو خاں نے فوراً اپنے کان پکڑے پھر بادشاہ کے قدموں پر گر گیا

اور توبہ کرتے ہوئے کہا،

"معاف کر دیجئے آئندہ ایسی غلطی غلام سے نہیں ہوگی۔"

قطب الدین نے خسرو خاں کو گلے سے لگا لیا اور کہا،

"ہمیں تم سے اسی سلامت روی کی امید تھی ـــ چھوڑو یہ ذکر کچھ اور باتیں کرو۔"

اور پھر وہی عیش و عشرت کی باتیں شروع ہو گئیں۔

قطب الدین کے قتل کے بعد بے شک خسرو خاں بادشاہ بن گیا۔ اور اتنی ہوشیاری سے اپنا دام بچھایا کہ کوئی بھی اس سے نہ نکل سکا۔

لیکن ایک شخص تھا جو اس کی زد سے باہر تھا۔

یہ غازی ملک تھا۔

غازی ملک ایک بہت بڑی طاقت تھا۔

وہ خود بھی بہادر اور شجاع تھا۔ دلیری اور جرات میں اپنی نظیر آپ یکتا بے ہمتا پھر تنہا نہیں ایک فوج گراں بھی تابع فرمان موجود۔

لیکن غازی ملک کی قوت و طاقت اور حشمت و جلالت کا توڑ خسرو خاں کے پاس موجود تھا۔

جونا خاں

جونا خاں خسرو خاں کے قبضے میں تھا اور جب تک جونا خاں اس کے پاس تھا وہ اس سے ڈھال کا کام لے سکتا تھا غازی ملک اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

دنیا میں ہر باپ کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے،

لیکن جونا خاں کا باپ غازی ملک تو فدا تھا اس پر اور سچی بات یہ ہے کہ اس میں خوبیاں بھی ایسی ہی تھیں یہی وجہ تھی کہ جو غازی ملک کی کمزوری اگر کوئی چیز تھی تو جونا خاں۔

بارگاہِ خواجہ میں

خسرو خاں نے جونا خاں کے ظاہری اعزاز و اکرام میں کوئی فرق نہیں آنے دیا اسے اس کے منصب پر قائم اور برقرار رکھا بس یہ بات ضرور تھی کہ وہ ہر طرح کی عزت و حشمت کے باوجود بے بس تھا، جانتا تھا میری حیثیت ایک قیدی کی ہے۔

جہاں تک اپنی بے بسی کا تعلق تھا اسے کوئی فکر نہ تھی کوئی صدمہ نہ تھا کسی طرح کا غم نہ تھا۔

لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ تغیر و انقلاب مسلمان قوم کو اسکی انفرادیت کو اس کے جاہ و حشم کو اس کے دبدبے اور سطوت کو ختم کئے دے رہا ہے اور یہ چیز ایسی نہ تھی جسے وہ آسانی سے برداشت کر لیتا۔

کئی مرتبہ اس کا جی چاہا کہ تلوار لے کر اٹھے اور خسرو خاں کی گردن اڑا دے لیکن وہ جانتا تھا کہ تلوار میان سے نکلنے کے بعد خسرو خاں کے بجائے خود اسی کے حلقوم پر پھیر دی جائے گی۔

ایک روز اس فکر میں بیٹھا تھا چہرے پر اضطراب اور تشویش کے آثار نمایاں تھے نئی نئی تدبیریں اور اسکیمیں سوچتا تھا لیکن سب پیٹ پڑتی نظر

آرہی تھیں۔

آخر کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر وہ اٹھا اور عرب سراہوتا ہوا سیدھا خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت کی خدمت میں امیر خسرو بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"دیکھنا بادشاہ آرہا ہے۔"

امیر خسرو نے نظر اٹھائی تو دیکھا جونا خاں چلا آرہا ہے انہوں نے عرض کیا۔

"حضرت یہ تو جونا خاں ہے غازی ملک کا لڑکا۔"

حضرت نے تبسم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"ہاں آج جونا خاں ہے کل بادشاہ ہوگا۔"

اتنے میں جونا خاں بالکل قریب پہنچ گیا اور بڑے ادب سے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا، امیر خسرو نے کہا۔

"مبارک ہو جونا خاں، حضرت نے تمہیں تاج خسروی بخش دیا ہے۔"

جونا خاں حیرت سے کبھی حضرت کو تکنے لگتا۔ کبھی امیر خسرو کو آخر حضرت نے تشفی اور دلدہی کے لہجے میں فرمایا۔

"کیا بات ہے کیوں اتنے پریشان اور دلگیر نظر آتے ہو؟"

جونا خاں نے دل کھول کر سامنے رکھ دیا اور اپنے معروضات پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہوا۔

"یا حضرت جی چاہتا ہے اگر خسرو خاں کو نہیں قتل کر سکتا تو اپنے گلے پر چھری پھیر لوں۔"

حضرت نے ارشاد فرمایا "اگر ایسا کرو گے تو غلطی کرو گے۔"

وہ کہنے لگا "مجھ سے مسلمانوں کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔"

حضرت نے جواب میں فرمایا "وہ وقت جلد آنے والا ہے کہ حالات ایک مرتبہ پھر پلٹا کھائیں گے۔"

جونا خاں حضرت کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔ آپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

"قطب الدین کا قتل افسوسناک ضرور ہے لیکن کیا درحقیقت وہ خود اپنے ہاتھوں قتل نہیں ہوا۔ اس نے کیوں ایک کافر کو اپنا محبوب بنایا، اس نے کیوں اپنے وفاداروں کا دل توڑا، اس نے کیوں قاضی خاں جیسے ذرا کار پرداز اور جاں نثار کی بات نہیں سنی اور اگر سنی تو سنی ان سنی کر دی لازمی طور پر اس کا یہی انجام ہونا چاہئے تھا جو ہوا۔

ذرا دیر حضرت خاموش رہے پھر فرمایا۔

"اس کے انجام کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا، وہ بھی تباہ ہوئے، رسوا ہوئے ذلیل ہوئے، ان کے شعائر مذہبی کو مجروح کیا گیا، ان کی مسجدوں اور خانقاہوں کو مسمار بنایا گیا۔ لیکن یہ قدرت کا تازیانہ تھا۔ یقیناً اس حادثہ نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں۔"

جونا خاں بول پڑا۔ "یا حضرت مسلمانوں کو کافی سزا مل چکی۔"

حضرت نے ارشاد فرمایا۔ ہاں! اور اب انجام کا وقت آرہا ہے حکومت جو فریب، دغا جھوٹ پر قائم ہے۔ فنا ہو جائے گی، اسے اتنی زندگی بھی نہیں ملے گی، جتنی قطب الدین کی حکومت کو ملی تھی۔ اس کے بعد اچھے ایماندار اور مسلمان ہاتھوں میں حکومت آئے گی۔ ہماری آنکھیں تمہارے سر پہ تاج شہریاری دیکھ رہی ہیں، اب دیکھنا ہے برسر اقتدار آکر تم کیا کرتے ہو؟"

یہ عجیب اور حیرت انگیز باتیں سن کر جونا خاں کے بدن میں جھرجھری سی پیدا ہو گئی وہ حضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔

"میں بادشاہ بننا نہیں چاہتا تھا، میری خواہش صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کا آفتاب اقبال گہن سے نکل جائے۔"

حضرت نے پرسکون لہجے میں فرمایا "ایسا ہی ہوگا۔"

غازی ملک کے تیور

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی بارگاہ سے جونا خاں واپس آیا اس کا دل مطمئن تھا، جو بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا کئی دن سے اب کہیں اس کا پتہ نہ تھا۔

لیکن یہ اطمینان بے وجہ نہ تھا۔

قدرت نے اپنا کام شروع کر دیا تھا، حالات کا رخ بدلنے لگا تھا خزو خاں نے سلطان ناصر الدین کا لقب اختیار کیا اور ربیع الاول ۷۲۱ھ میں تخت نشینی ہوا[1] تخت نشین ہوتے ہی اس نے راتوں رات جملہ عمائد سلطنت امرائے حکومت اور سرداران شہر کو طلب کیا اور حلف وفاداری لیا یہ لوگ آنکھیں ملتے ہوئے آئے اور تخت سلطنت پر خزو خاں کو متمکن دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اطاعت کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہ تھا[2] ایک طرف چمکتی ہوئی

---

[1] اپریل ۱۳۲۱ء

[2] سفرنامہ ابن بطوطہ

تلوار تھی جو شہ رگ کے بالکل قریب چمک رہی تھی دوسری طرف سیم و زر سے بھری ہوئی تھیلیاں تھیں جو دست آرزو سے بالکل قریب تھیں۔ ان لوگوں نے تلوار کا قرب پسند نہ کیا۔ البتہ سیم و زر کی تھیلیوں پر ہاتھ ڈالا اور انہیں رکھ لیا۔

شہر کا مرحلہ اس طرح طے ہو گیا کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی اور خزو خاں کی بادشاہت کے سامنے سب نے سر جھکا دیا۔ رئیسوں، امیروں اور سرداروں کو اطاعت کا پروانہ اور ساتھ ہی ساتھ بیش قرار انعامات اور خلعتوں کا پشتارہ روانہ کیا گیا۔ اطاعت کی صورت میں انعام مزید کا وعدہ انکار کی صورت میں عتاب کی دھمکی۔

"سب نے خزو خاں کی اطاعت منظور کر لی۔ لیکن دیپالپور کے حاکم غازی ملک کی تیوری پر شروع ہی سے بل تھے، جب اس کے پاس خزو کا خلعت پہنچا تو ایک کہی نہ دو، خلعت کو اٹھا کر پھینک دیا۔ اور خزو خاں کی تحقیر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ بات یہ تھی کہ غازی ملک سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو اپنا آقا اور مالک جانتا تھا اور اس کا بڑا احترام کرتا تھا۔ جس دن اس نے سلطان کے قتل کی خبر سنی تھی۔ اسی دن سے بدلہ لینے کی ٹھان لی تھی لیکن کر کچھ نہ سکتا تھا اس کا بیٹا جونا خاں دربار میں ملازم تھا اور خزو خاں کے بس میں تھا غازی ملک بڑے قبیلہ والا اور غیرت دار سردار تھا۔ خزو خاں کے ظلم و ستم کا حال سن سن کر اس کو طیش آتا اور جب یہ سنتا کہ خزو خاں نے علائی اور قطبی غلاموں کو چن چن کر قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو ہندوؤں کے حوالے کر دیا اور جس جس سے خطرہ نظر آیا اسے بے دریغ تہ تیغ کر دیا۔ یہاں تک کہ سلطان علاؤ الدین کے کھانچے ملک نصرت کو بھی جو عرصہ سے دنیا کو چھوڑ کر فقیر ہو گیا تھا نہ چھوڑا اور قتل کر ڈالا، شاہی حرم پر بھی ہاتھ صاف کیا، سلطان علاؤ الدین کی بیٹی اپنے بھائی کو دیدی اور سلطان قطب الدین کی ملکہ کو خود

بٹھا لیا اور بادشاہ کے استاد قاضی خاں کے قتل جاہریا کو موتیوں کے ہار پہنائے اور اپنے ماموں رندھول کو سرفراز کر کے رائے رایاں کا خطاب دیا اور قاضی خاں کا سارا گھر بار اسے بخش دیا اور بت پرستی شروع کرا دی اور قرآن کو ذلیل کر دیا۔ تو تغلق کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ دل ہی دل میں کہتا الٰہی! کیوں کر اپنے آقا کے خون کا بدلہ لوں۔ چاروں طرف پروازیوں کا غلبہ تھا ایسا نہ ہو کہ میں ادھر ان کے مقابلہ پر اکھڑوں اور ادھر یہ میرے بیٹے اور کلیجے کے ٹکڑے جو نا پر ہاتھ صاف کر دیں۔ آخر غازی ملک تغلق نے ملتان کے حاکم کشلو خاں کو لکھا "خان! خسرو خاں نے جتنی زیادتیاں کیں جتنے بھی ستم کئے اور جو ظلم ڈھائے وہ تم نے دیکھ ہی لئے ہیں بھی دیکھتا رہا۔ لیکن اب ضبط نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس ظالم کا تختہ الٹ دینے کی ٹھان لی ہے۔ تم کو بھی چاہئے کہ میرا ساتھ دو اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو خون کا بدلہ لینے میں میری مدد کرو۔ کشلو خاں نے جواب دیا۔ غازی ملک تغلق کو معلوم ہو کہ مجھے تم سے پورا اتفاق ہے لیکن جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا نہیں جاتا اگر میرا بیٹا خسرو خاں کے پاس نہ ہوتا تو میں بے شک تمہاری مدد کرتا۔ اسپر غازی ملک نے اپنے بیٹے جونا خاں کو ایک خط لکھا جس کا مطلب یہ تھا پیارے بیٹے جب سے بدبخت خسرو خاں ہمارے آقا اور محسن سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کر کے دہلی کے تخت پر بیٹھا ہے میری آنکھوں میں خون اتر رہا ہے اس کے ہاتھوں اسلام کی بے حرمتی دیکھ دیکھ کر اور شاہی حرم کی مصیبتیں سن سن کر مجھ میں ضبط کا یارا نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنا خون بھی شہیدوں کے خون میں ملا دوں اور اس ظالم کو اس کے ظلم کا مزا چکھا دوں۔ مگر بیٹا تم مجھ سے دور اور خونخوار بدکردار کے حضور میں ہو۔ تمہارے بغیر اگر میں نے کچھ کیا بھی تو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ بدانجام تم کو زک پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے گا خیر اب میں تم ہی سے مشورہ لیتا ہوں کیا کروں؟ اور کیوں کر کروں؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم

اس ظالم کے پنجے سے نکل آؤ اور ساتھ ہی کشلو خاں کے بیٹے کو بھی لیتے آؤ وہ بھی تمہاری طرح خسرو خاں کے دربار میں ہے۔ باپ کا یہ خط بیٹے کو ملا تو اس نے فوراً یہ جواب لکھا۔

"بابا جان! آپ کا خط ملا آپ کا حکم دل سے بجا لاؤں گا۔ عنقریب میں خود بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور اپنے ساتھ کشلو خاں کے لڑکے کو بھی لاتا ہوں۔ ادھر یہ خط بھیجا ادھر جونا خاں اپنی دہائی کی تدبیر کرنے لگا۔ خسرو خاں جونا خاں کا بہت خیال رکھتا تھا چاہتا تھا کہ جونا خاں ہی کے ذریعہ اس کے باپ پر داؤں چل جائے اس غرض سے اس نے جونا خاں کو آخور بیگی کے عہدہ پر برقرار رکھا تھا اور اسے مالا مال کر کے دربار میں اس کا وقار بڑھا دیا تھا اور اس کو شاہی اصطبل کا داروغہ بھی بنا دیا تھا۔ بادشاہ کے سب گھوڑوں کی دیکھ بھال اسی کے سپرد تھی ایک روز خسرو خاں نے اس سے کہا کہ گھوڑے موٹے ہو گئے ہیں اور بدن ڈالتے چلے جاتے ہیں تم ان سے محنت لو۔" جونا خاں کو موقع مل گیا۔ وہ روز گھوڑے لے کر پھرنے لگا۔ کبھی ایک گھنٹے میں واپس آجاتا۔ کبھی دو گھنٹوں میں آتا۔ ایک روز دوپہر ڈھل گئی اور جونا خاں واپس نہ آیا۔ بادشاہ نے سواروں کو حکم دیا کہ خبر لائیں۔ سواروں نے چاروں طرف تلاش کیا۔ کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر واپس آ کر کہا ان داتا! جونا خاں کا کہیں پتہ نہیں لگتا۔ خسرو خاں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کے پاس دیبالپور بھاگ گیا اور اس کے ساتھ کشلو خاں کا بیٹا بھی چلا گیا۔

جونا خاں ابھی ملتان میں تھا کہ سرستی کے مقام پر محمد سرقابہ سے ملاقات ہوئی۔ محمد سرقابہ غازی ملک کی فوج کا سردار تھا اس کو غازی ملک نے دو سو سواروں کے ساتھ دیبالپور سے بھیج دیا تھا اس غرض سے کہ بڑھ کر دیکھے جونا خاں آتا ہو تو اس سے جا ملے اور حفاظت سے اس کو دیبالپور تک پہنچا دے سرقابہ دیبالپور سے چل کر سرستی میں آیا۔ پہلے تو سرستی کے قلعہ پر قبضہ کر لیا

اور بڑھ کر جوناخاں سے ملا اور وہاں سے جوناخاں کے ساتھ ہو لیا اور اسے دیالپور جا پہنچایا۔ باپ کی محبت بھری نگاہیں بیٹے پر پڑیں بیٹے کو صحیح سالم دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا خدا کا شکر ادا کیا۔ خیر خیرات کی۔ اب غازی ملک نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کشلو خاں اپنی فوج لے کر آ موجود ہوا اور بھی بہت سے امیر اچھ سے سیوستان سے ملتان سے، سامانہ سے اپنے اپنے دستہ لے کر آ گئے۔ غرض ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا، جسے لے کر غازی ملک سرستی کی طرف روانہ ہوا۔

غیاث الدین تغلق ایماندار، وفادار، جاں نثار شخص تھا، وہ اپنی جان دے کر بھی اپنے ملک کو بچانا چاہتا تھا۔

لیکن وہ تن تنہا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اسے ضرورت تھی رفیقوں اور ساتھیوں کی اور وہ خود غرضی کی اس دنیا میں ناپید تھے۔

اور اب کس جا کر کشلو خاں اس کے ہاتھ آیا تھا۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا وہ اس سہارے پر آگے بڑھنے لگا۔

امید و بیم کی حالت میں۔

ایک سپاہی ایک بادشاہ سے لڑنے جا رہا تھا۔

ایک چھوٹی سی ٹولی شہنشاہ کو شکست دینے باہر نکلی تھی ـــــ اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے۔

جو دوست تھے فکرمند تھے کہ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے جو دشمن تھے وہ خوش تھے کہ راستہ کا کانٹا ہٹ رہا ہے۔

اور تغلق ان سب سے بے پروا آگے بڑھا چلا جا رہا تھا۔

دورِ سرمستی

اب تو آرام سے گزرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے!

(۱)

قصرِ ہزار ستون

تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی خضر خاں کھل کھیلا اور نفس ہوس کے مشغلے میں منہمک ہو گیا۔

جتنی ہوشیاری اور فراست سے کام لے کر وہ حکومت کرتا تو شاید قبضہ کیا تھا۔ اگر اتنی ہی فراست سے کام لے کر اس نے حکومت کرتا تو شاید مسلمانوں کے دورِ فرماں روائی کی تاریخ ہی بدل جاتی اور ہندوستان سے مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے دخل کر دیئے جاتے لیکن حذا کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔

قاضی خاں کو انتہائی عجلت پسندی سے کام لے کر قتل کر کے اس سے زیادہ سرعت کے ساتھ قطب الدین کی گردن کاٹ کر اور پھر راتوں رات سوتے ہوئے امیروں رئیسوں، منصب داروں اور وزیروں کو بلا کر حلف اطاعت لے کر اور پھر جو امیر اور سردار دلی سے باہر تھے۔ ان کے لواحقین اور متعلقین کو دہلی میں نظر بند کر کے اس نے سحر کار کامیابی کا عدیم النظیر نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

لیکن ــــ

لیکن ظرف چھوٹا تھا اس کامیابی کو برداشت نہ کر سکا۔

تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی اس نے ایسی حرکتیں شروع کر دیں جنہوں نے عوام اور خواص سب کو اس سے متنفر اور بیزار کر دیا۔

صرف روپیہ ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا اس نے بے تحاشہ انعامات دیئے اور بڑی فیاضی کے ساتھ دیئے، خلعتیں عطا کیں اور نہ جانے کتنوں کو مالا مال کر دیا، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ بھی کیا کہ جو اونچے تھے انہیں پست کر دیا جو پست تھے انہیں بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ شرفا کو ذلیل کیا اور ذلیلوں کو شرفا کی مسند پر بٹھا دیا۔ عالموں کو ان کے حجروں سے باہر نکال دیا جاہلوں کو ان کا منصب سونپ دیا، جن کی انتظامی قابلیت مسلّم تھی جو پشت ہا پشت سے بڑے بڑے مناصب پر فائز چلے آ رہے تھے۔ جنہوں نے تخت اور حکومت کے گراں بہا خدمت انجام دیئے تھے انہیں چن کر نکالا گیا اور جو چھٹے ہوئے غنڈے اور بدمعاش تھے جن کا وجود امن اور شہر کی سلامتی کے لئے ایک مستقل خطرہ بنا رہتا تھا انہیں بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز کیا گیا۔

اگر اس پر اکتفا کیا جاتا تو شاید معاملات زیادہ نازک صورت نہ اختیار کرتے۔ دلی کے باشندے اس نئے حکمران کو برداشت کر لیتے یہ دیکھ کر باہر کے لوگ بھی خاموشی سے سرِ تسلیم خم کر دیتے، لیکن غضب یہ ہوا کہ خضر خاں اپنی ہندو دوست کو چھپا نہ سکا اتنے عرصہ تک بھی نہ چھپا سکا کہ اس کی حکومت محکم اور مستحکم ہو جاتی۔ اس نے اور اس کے نئے حکام و عمال نے جو سب کے سب ہندو تھے مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنا شروع کر دیا۔ مسجدوں سے مؤذن اور امام نکال دیئے گئے، صدائے تکبیر و تہلیل بند کر دی گئی اذان کی ممانعت کر دی گئی۔ بہت سی مسجدوں میں مورتیاں لا کر نصب کر دی گئیں۔ گھنٹے بجنے لگے۔ بھجن ہونے لگے اور انہیں شوالوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

ہر نیا بادشاہ پرانے بادشاہ کے ارکان خاندان کا احترام کرتا ہے ان کے لئے یہی سزا کافی سمجھی جاتی ہے کہ قدرت نے اُن سے حکومت چھین لی، اقتدار سے محروم کر دیا۔ لیکن خزو خاں نے اس پر بھی بس نہ کیا۔ اس نے اس خاندان کے تمام مردوں کو قتل کر دیا بچوں تک کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کیا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عورتوں کی بے حرمتی کی اور جنہیں نگاہ انتخاب نے تاکا انہیں اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ کل تک جن کا چہرہ چشم فلک بھی نہ دیکھ سکتی تھی آج وہ لونڈی اور باندی کی طرح اپنے سابقہ غلام کے محل میں اس کے رحم و کرم کی منتظر تھیں۔

یہ کتنا بڑا انقلاب تھا۔

یہ کتنی جگر نگار حقیقت تھی۔

لیکن حقیقت اٹل ہوتی ہے اس سے انکار کیا جا سکتا ہے لیکن اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

یہ وہی قصر ہزار ستون تھا جس میں علاؤ الدین خلجی کبھی قیام کرتا تھا اور اس کے دم سے یہ محل ساری دنیا کے لئے جذب آتش کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہاں بڑی بڑی حکومتوں کے نمائندے اور سفیر آتے تھے اور سر جھکا کر بادشاہ کی خدمت میں اسناد سفارت پیش کرتے تھے یہاں — بڑے بڑے علماء فضلا اور یگانہ روزگار فن کار آتے تھے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر جاتے تھے یہاں دور دیس کے تاجر اور سوداگر آتے تھے اور منہ مانگی قیمت پر اپنی چیزیں فروخت کر کے واپس جاتے تھے۔ یہاں سلطان کی میزان عدل قائم ہوتی تھی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا جاتا تھا۔ یہاں سے کوئی فریادی ناکام نہیں جاتا تھا۔ یہاں کی دار و رسی سعی و سفارش سے بے نیاز تھی بے گناہ ہنستا کھیلتا جاتا تھا اور گنہگار عبرت انگیز سزا کا حکم سن کر کانپ جاتا تھا۔

علاؤ الدین خلجی کے نام سے شاہان عالم کانپتے تھے۔

اس دیس کا وہ پہلا اولوالعزم فرماں روا تھا جس کی دھاک ملک کے

چپہ چپہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جس نے نہایت سختی کے ساتھ عوام کی راحت اور آسائش کا ہر حالت میں خیال رکھا تھا۔ جس نے ضروریات زندگی سے متعلق تمام چیزیں سستی کر رکھی تھیں اور مجال نہیں کہ ایک پائی بھی کوئی زیادہ وصول کر سکے جس نے مسافروں کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کنوئیں کھدوا لئے تھے۔ کارواں سرائیں تعمیر کرائی تھیں جن میں ان کی راحت و آسائش کا بندوبست کیا گیا تھا جو اپنی ہندو اور مسلم رعایا کو ایک آنکھ سے دیکھتا تھا اور اس میں کسی طرح کی تفریق روا نہیں رکھتا تھا۔ جس نے کبھی ہندو کو اس لئے ذلیل نہیں کیا کہ وہ ہندو تھا اور مسلمان کو اس لئے سربلند نہیں کیا کہ وہ مسلمان تھا۔ اس نے دونوں کو ترقی، عروج اور فروغ کے یکساں مواقع مہیا کئے اور جو اہلیت قابلیت اور استحقاق کی بنا پر بازی لے گیا اس کی حوصلہ افزائی کی اسے نوازا اور ہر طرح کی سہولتیں عطا فرمائیں۔

پھر علاؤ الدین نے جب اس دنیا سے کنارا کیا تو اس کا بیٹا قطب الدین سریر آرائے مملکت ہوا۔

قطب الدین اخلاق و عادات کے لحاظ سے جیسا کچھ بھی تھا، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اپنی ہندو مسلم رعایا کے ساتھ یکساں اور سا دیانہ سلوک کیا۔ بلکہ حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر ہندوؤں کو ترجیح دی اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے خزو خاں کو جو ایک ہندو تھا۔ وہ عروج وہ فروغ بخشا جو بڑے بڑے امراء کو حاصل نہیں تھا۔

اور آج وہی خزو خاں اپنی مربی شفیق اور محسن آقا کو قتل کر کے اس قصر ہزار ستون میں رونق افروز تھا محل کی شہزادیاں، سابق بادشاہ کی بیویاں، لونڈیاں، باندیاں ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑی تھیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کی منتظر تھیں کہ دیکھئے آج زمانہ کیا رنگ دکھاتا ہے اور قسمت کیا فیصلہ کرتی ہے؟"

خود آج جن کی قسمت کا مالک بنا ہوا تھا، کل انہی کے سامنے وہ دست سوال دراز کیا کرتا تھا۔

آج جن مردوں کے گلے کاٹ رہا تھا کل انہی کے اشارۂ چشم پر اس کی زندگی موقوف تھی۔

آج جو عورتیں اس کے حرم میں جبراً داخل کی گئی تھیں کل یہی تھیں جن کے سامنے جانے کی وہ جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن اب وہ سلطان تھا۔

اب وہ اپنا ماضی فراموش کر چکا تھا۔ اب نہ اسے کسی کی پرواہ تھی نہ فکر نہ کسی سے اندیشہ تھا نہ خطرہ۔

وہ مطلق العنان بادشاہ تھا۔

جو چاہتا کر سکتا تھا اور جو چاہتا تھا کرتا تھا!

زمانہ اسی کا نام ہے۔

اسی طرح ملکوں، قوموں، اور شخصوں کی قسمتیں بدلتی رہتی ہیں زمانے کا چکر اسی طرح جاری رہتا ہے جو کچھ نہ تھے سب کچھ بن جاتے ہیں جو سب کچھ تھے وہ کچھ نہیں رہ جاتے۔

کل تک قطب الدین شاہ مبارک سب کچھ تھا۔

مگر آج؟ — گوشۂ قبر کا مکیں تھا۔

کل تک خسرو خاں کی زندگی دوسروں کے رحم و کرم پر تھی۔

مگر آج؟ — دوسرے اس کے رحم و کرم پر تھے۔

جاسوس

چند لمحوں کے اندر خسرو خاں نے زمانے کی ستائی ہوئی ان عورتوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ بعض سے شادی کر لی۔ بعض کو لونڈی اور بلندی کی کی حیثیت سے برقرار رکھا اور باقی کو اپنے ہندو مدیحوں، مصاحبوں اور دوستوں میں تقسیم کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ قصر ہزار ستون کی اس بارہ دری میں آ کر بیٹھ گیا جہاں کبھی قطب الدین خلجی کا دربار خاص لگا کرتا تھا اور شغل مے نوشی شروع کر دیا۔ دماغ جب بادۂ ناب سے گرم ہوا تو اپنے ایک وزیر اعظم ہیرا چند سے پوچھا۔

"بتاؤ شہر کا کیا حال ہے؟"

وزیر اعظم نے پایۂ ادب کو بوسہ دیا اور عرض کیا۔ "سب خیریت ہے ان داتا! رعایا کی زبان پر آپ ہی کا نام ہے کون ہے جو دل سے دعا نہ کرتی و اقبال نہ دے رہا ہو۔"

خسرو خاں کے یہ الفاظ سن کر خوش ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔

"اور وہ امرا اور رؤسا جو دلی سے باہر ہیں۔ ان کا کیا حال ہے؟ وہ اطاعت پر آمادہ ہیں یا جنگ پر؟ سر جھکائیں گے یا سرکشی کریں گے؟ گردن کٹائیں گے یا انعام لیں گے؟"

ہاسیر الچینذ نے گردن جھکا کر ادب سے عرض کیا۔

"جہاں جہاں ہمارے نامہ بر گئے ہیں اچھی خبریں لائے ہیں۔ لوگ خلعتیں قبول کر رہے ہیں اور عہدوں کو استوار کر رہے ہیں لیکن!...."

خسرو خاں نے اشتمالت اور تلطف کے ساتھ پوچھا "لیکن کہہ کر تم خاموش کیوں ہو گئے؟"

اس نے دست بستہ عرض کیا لیکن غازی ملک کی گردن اکڑی ہوئی ہے اس نے جہاں پناہ کے بھیجے ہوئے خلعت کی توہین کی۔

"توہین کی ہمارے بھیجے ہوئے خلعت کی؟"

"جی اسے...."

"غدار، نمک حرام، طوطا چشم۔"

"وہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے جہاں پناہ اس نے خلعت پھاڑ کر پھینک دیا۔ اس نے سیم وزر سے بھری تھیلیاں جو حکم شاہی سے بھیجی گئی تھیں خیرات کر دیں، اس نے جہاں پناہ کے بارے میں غیر مہذب اور نالائم الفاظ استعمال کئے۔"

"ہمارے لئے غیر مہذب اور نا ملائم الفاظ استعمال کئے؟"

"جہاں پناہ!"

"کیا کہا اس نے؟"

"غلام کی اتنی ہمت کہاں کہ وہ الفاظ دہرا سکے۔"

"ہوں، تو قضا اس کے سر پر کھیل رہی ہے وہ مرنا چاہتا ہے۔"

"بے شک یہی بات ہے، سلطان والا شان۔"

"جونا خاں بھی بھاگ گیا۔"

"جی ہاں وہ بھی بھاگ گیا۔"

"اب غازی ملک پر ہمارا کوئی دباؤ بھی نہیں رہ گیا۔"

"بے شک یہی بات ہے۔"

پہلے ہمارا خیال یہ تھا وہ نظر بندی کی پابندیوں سے تنگ آ کر بھاگا ہے، لیکن اب ہمارا خیال ہے کہ وہ ایک سازش سے ایک منصوبے کے ماتحت بھاگا ہے۔"

"بے شک یہی بات ہے جہاں پناہ!"

"اسکے معنی یہ ہیں کہ غازی ملک اور جونا خاں ہم سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں ہمارا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اپنی شجاعت اور دلیری کا سکہ بٹھانا چاہتے ہیں۔"

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے جہاں پناہ۔ لیکن منہ کی کھائیں گے وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے اگر کریں گے تو شکست فاش ان کے حصہ میں آئے گی۔"

"یقین تو ہمیں بھی ہے لیکن — کیا دلی کے مسلمان ان کا ساتھ دیں گے؟"

"ضرور دیں گے — لیکن اس کا توڑ ہمارے پاس موجود ہے۔"

"توڑ؟ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"جی ہاں ہمارے پاس اسکا توڑ موجود ہے تیس ہزار ہندو ہماری فوج میں بھرتی ہو چکے ہیں اتنے ہی چند دن میں اور بھرتی ہو جائیں گے۔ دلی کے مسلمانوں نے اگر سر اٹھایا تو وہ کچل دیئے جائیں گے۔"

"لیکن اس کا انتظار کیوں کیا جائے کہ جب وہ سر اٹھائیں تب کچلے جائیں ابھی کیوں نہ کچل دیئے جائیں۔"

"ایسا بھی ہو سکتا ہے — بلکہ مناسب بھی ہے۔"

"بس تو فوراً کارروائی شروع کر دو اپنے جاسوس کا جال پھیلا دو جس مسلمان کے متعلق یہ شبہ بھی ہو کہ وہ دشمن کا ساتھ دے سکتا ہے اسے موت کے

گھاٹ اتار دو۔"

"ایسا ہی ہوگا جہاں پناہ۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ چند فوجی، ایک نوجوان مسلمان کو رسیوں میں جکڑے ہوئے لائے اور خاموشی کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ حزو خاں نے ایک نظر اس قیدی پر ڈالی اور پوچھا۔

"یہ کون ہے؟ اسے کیوں پکڑ لائے تم۔"

"ایک سپاہی آگے بڑھا اس نے کہا۔

"یہ غدار ہے، یہ دشمن اور جاسوس ہے۔"

حزو خاں نے ایک مرتبہ پھر مڑ کر اس شخص کو دیکھا اور سوال کیا۔

"یہ؟ — یہ شخص؟"

"وہ عرض پرداز ہوا "جہاں پناہ یہ ہی شخص!"

"لیکن کیا کیا اس نے؟"

"ہم نے اپنے کانوں سے اسے جامع مسجد میں تقریر کرتے سنا ہے۔"

"کیا تقریر کر رہا تھا یہ؟"

"اس نے ایک پرجوش تقریر کی اور مسلمانوں سے کہا، "تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ حرکت میں نہیں آتی؟ تمہاری شجاعت اور دلیری کہاں سو رہی ہے؟ تمہاری حرارت دینی، غیرت ملی اور حمیت قومی کو موت نے کیوں ڈس لیا ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی حادثہ ہو سکتا ہے کہ ایک نمک حرام، غدار، غاصب اور بے دین شخص تمہارا حکمران، زمان روا اور بادشاہ بن بیٹھا ہے اور تم نے بے چون و چرا اس کی سلطانی تسلیم کر لی ہے؟ تمہاری تلواریں کند کیوں ہو گئی ہیں؟ تمہارے تیر بیکار کیوں ہو گئے ہیں؟ تمہارے نیزوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تم کیوں نہیں کفن سر سے باندھ کر اٹھتے اور اس غاصب اور بے دین کی گردن قلم کر دیتے؟

حزو خاں کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگے اس نے نہایت برہمی اور اشتعال کے عالم میں پوچھا۔

"اس نے یہ کہا؟"

وہ فوجی بولا "جہاں پناہ اس نے اس سے بھی بہت زیادہ کہا، لیکن وہ الفاظ دہرانے میں مناسب نہیں سمجھتا۔"

حزو خاں نے پوچھا "اور مسلمانوں نے کیا اثر لیا اس کی تقریر کا؟"

وہ گویا ہوا اور اس کی تقریر نے آگ لگا دی، مسلمان جوش سے بے قابو ہو گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی غدر ہو جائے گا۔ شہر میں بغاوت ہو جائے گی حملہ حاضرین مرنے اور مارنے کو تیار ہو گئے۔"

(مسکراتے ہوئے) تو کہاں ہے وہ؟ — کیا وہ مردان غازی اپنے شکار کو نشانہ کئے بغیر چھوڑ دیں گے؟"

"نہیں جہاں پناہ انہیں مہلت نہیں دی جائے گی شورش کا فوراً قلع قمع کر دیا جائے گا، لیکن اس نے خود ہی ان لوگوں کو روک دیا بغاوت کرنے سے۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟ — اس نے عوام کو مشتعل بھی کیا اور پر سکون بھی کر دیا؟ اس نے بغاوت کی چنگاری روشن بھی کی اور بجھا بھی دی؟ اس نے شورش کی تلقین بھی کی اور امن کا بھی سبق دیا؟ — کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟"

"جہاں پناہ" اس نے حاضرین سے کہا، "میں تمہارے اس جوش اور جذبے کی قدر کرتا ہوں لیکن چند صبر کرو ابھی میدان عمل میں اترنے کا وقت نہیں آیا ہے۔"

(ہنستے ہوئے) ابھی میدان عمل میں اترنے کا وقت نہیں آیا ہے۔" — کیا آسمان سے فرشتوں کے نازل ہونے کا انتظار ہو رہا ہے؟"

"اس نے کہا، خاندان شاہی کے سب سے زیادہ جاں نثار اور فداکار وہی شخص ہیں غازی ملک اور جوناخاں اور یہ دونوں باپ بیٹے بہت

جلد ایک فوج گراں لے کر پہنچنا چاہتے ہیں جب ان کی فوجیں اس غاصب اور نمک حرام اور بے دین خسرو خاں پر دھاوا کر دیں تم اس وقت تم میدان میں اترنا اور اس کے نظام حکومت کو معطل کر دینا۔ یہ دہری مار نہیں کھا سکے گا۔"

خسرو خاں بیٹھے بیٹھے ایک دم کھڑا ہو گیا اس نے کہا کیا دلی میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں؟ ایسے جاسوس، بغلی گھونسے؟"

اور پھر وہ اس قیدی سے مخاطب ہوا۔

"کیا نام ہے تیرا؟"

قیدی نے کسی جھجک اور اضطراب کے بغیر جواب دیا۔

"میرا نام حسام الدین ہے۔"

خسرو خاں نے برہمی کے ساتھ گرج کر کہا۔

"تو حسام الدین ہے؟"

اس نے کہا: "حسام تلوار کو کہتے ہیں اور میری خدا سے دعا ہے کہ وہ مجھے دین کی تلوار بننے کی توفیق مرحمت فرمائے۔"

خسرو خاں نے اور زیادہ مشتعل اور غضب ناک ہو کر کہا "تیری یہ آرزو پوری نہیں ہو گی ہماری تلوار ہی تیری زندگی کا فیصلہ کر دے گی۔"

حسام الدین نے رسیوں میں جکڑے ہوئے کہا: "ہاں تیری تلوار میری گردن قلم کر سکتی ہے تیرا ایک قلم میری زندگی کا خاتمہ کر سکتا ہے لیکن میری موت مسلمانان ہند کی حیات نو کا پیش خیمہ ثابت ہو گی تو قسمت کی زد میں آ چکا ہے تجھے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی کان کھول کر سن لے غازی آ رہا ہے اور بہت جلد تیرے سر پر پہنچ جائے گا وہ پیام قضا بن کر آئے گا تو اس کے سامنے سے بھاگنا چاہے گا لیکن بھاگ نہیں سکے گا۔"

نے کہا:

"کیا تجھے پیغمبری کا دعویٰ ہے؟ کیا تو پیشین گوئی کرتا ہے؟"

وہ بولا: "استغفراللہ یہ جسارت مجھ سے نہیں سرزد ہو سکتی، میں تو ایک معمولی انسان ہوں۔"

"پھر تو نے اتنے عزم و یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کیسے کر دیا؟"

"میرے اس دعوے کا تعلق مشاہدات سے ہے میں جانتا ہوں غازی ملک آ رہا ہے اور تو اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا بھلا آج تک شیر کے سامنے بکری ٹھہر سکی ہے؟ میں جانتا ہوں غازی ملک اور جونا خاں کس غضب کے سورما ہیں تو اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا بھلا پہاڑ سے ریت کی دیوار ٹکرا سکتی ہے؟ میں جانتا ہوں غازی ملک کی فوج کار آزمودہ، سرد و گرم چشیدہ، تجربہ کار اور فنون سپہ گری میں ماہر ہے اور تو نے جن آفاقی ہندوؤں کو بھیڑ بکری کی طرح اپنی فوج میں بھرتی کر لیا ہے اور جن امراء کی کثرت پر اترا رہا ہے یہ لوگ جم کر دو گھنٹے بھی میدان میں نہیں لڑ سکیں گے اور یہ جو کچھ تو نے سنا وہ میں ہی نہیں جانتا ہوں، ہیرا چند تیرا وزیر اعظم بھی جانتا ہے یہ فوجی دستہ ہے جو مجھے گرفتار کر کے لایا ہے یہ بھی جانتا ہے تیرا نمک حرام ماموں بھی جس نے قطب الدین کی جان لی اچھی طرح جانتا ہے۔ اس شہر کا ہر ہندو اور مسلمان جانتا ہے، میرے اس دعویٰ کا تعلق الہام سے نہیں ہے مشاہدات سے ہے جس شخص میں ذرا بھی علم و دانش ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا جس پر میں پہنچا ہوں۔"

"تجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ غازی ملک آ رہا ہے؟"

"اس لئے کہ میں جانتا ہوں وہ حق شناس، ذمہ دار، وفادار اور خاندان شاہی کا جاں نثار رہا ہے دلی کو بچانے کے لئے اگر وہ دیپال پور میں دنیا کی سب سے اجڈ، وحشی اور درندہ صفت قوم یعنی تاتاریوں سے لڑ سکنے

کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑا ہے اور کئی مرتبہ ان کو ذلت بخش شکست بھی دے چکا ہے تو یہ کیونکر وہ گوارا کرے گا کہ دلی کی حکومت تجھ جیسے محسن کش اور نمک حرام شخص کے ہاتھ میں آجائے؟ وہ تاتاریوں سے لڑ سکتا ہے، تجھ سے نہیں لڑ سکتا؟ وہ تاتاریوں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکتا ہے اور تیرے سامنے سر جھکا دے گا؟ — کیا ایسی اَن ہونی بات ہو سکتی ہے؟ مجھ سے نہ پوچھ، ہیرا چند سے نہ پوچھ، کسی سے نہ پوچھ اپنے گریبان میں منہ ڈال اور خود اپنے آپ سے پوچھ۔"

ہیرا چند نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو نہیں جانتا بادشاہوں سے کس طرح گفتگو کی جاتی ہے؟" — ہے شرط ہے کہ ابھی اور اسی وقت تیری گردن اڑا دی جائے۔"

حسام الدین نے حقارت کی ایک نظر پہلے ہیرا چند پر پھر خسرو خاں پر ڈالی اور کہا۔

"بادشاہ؟ — کون ہے بادشاہ؟"

"ہیرا چند نے خسرو خاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تو اندھا ہے؟"

حسام الدین ہنس پڑا اور گویا ہوا۔

"یہ بادشاہ ہے۔"

ہیرا چند نے زور سے سر ہلایا اور کہا

"ہاں — یہی اب ہندوستان کے نئے بادشاہ!"

حسام الدین نے انکار میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، یہ بادشاہ نہیں ہے، یہ لٹیرا ہے، یہ چور ہے، یہ ڈاکو ہے۔"

خسرو خاں کا سارا بدن کانپنے لگا، وہ زور سے چیخا۔

"خاموش بے ادب۔"

ہیرا چند نے تلوار میان سے نکالی اور حملہ کرنے کے لئے لپکا لیکن

خسرو خاں نے روکا۔

"تم جاؤ ہیرا چند — یہ شخص ضرور قتل ہوگا۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ لیکن ابھی نہیں۔ یہ ایک بہت بڑی شہادت ہے اسے ضائع نہ کرنا چاہئے۔

ہیرا چند کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

خسرو خاں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"یقیناً یہ شخص غازی ملک اور جونا خاں کا جاسوس ہے اس سے بہت اہم باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔

پھر وہ حسام الدین سے مخاطب ہوا۔

"کیا تو جونا خاں کو جانتا ہے؟" وہ نہایت اطمینان سے گویا ہوا۔

"بہت اچھی طرح — وہ میرا دوست ہے ہم دونوں نے ایک ہی مکتب میں ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کی ہے، کھیلے ہیں، پروان چڑھے ہیں فنونِ سپہ گری سیکھے ہیں۔"

"کیا تو اس سے نظر بندی کے زمانے میں ملا کرتا تھا؟"

"ہر روز — اور کبھی کبھی دن میں کئی مرتبہ۔"

(دانت پیستے ہوئے) تیری اور جونا خاں کی ملاقات کہاں ہوا کرتی تھی؟"

"یہ نہیں بتاؤں گا۔"

"یہ بتانا پڑے گا تجھے۔"

"تو پوچھ لے پھر۔"

کچھ دیر تک سناٹا سا چھایا رہا پھر خسرو خاں نے ہیرا چند سے کہا۔

"لے جاؤ اپنے گھر میں قید رکھو اور جتنے راز اگلوا سکتے ہو اگلوا لو۔ تشدد اور سختی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرنا!"

ترکی بہ ترکی

حسام الدین کو ہیرا چند اپنے گھر لے آیا، یہ ایک بہت بڑے جاگیر دار نواب مظفر علی کی شاندار حویلی تھی جسے خضر خاں نے ضبط کر لیا تھا اور ہیرا چند کو ازراہِ بندہ نوازی عطا فرما دیا تھا۔

اور یہ ہیرا چند وزیر اعظم بننے کے بعد اس حویلی پر قابض تھا، سارا اقتدار و اختیار اس کے ہاتھ میں تھا خضر خاں کو اس نے مٹھی میں لے رکھا تھا اور جو چاہتا تھا کرتا تھا، ذاتی طور پر یہ خود بھی اول درجہ کا متعصب اور مسلم آزار تھا، قطب الدین خلجی کے زمانے میں یہ پولیس کا بہت بڑا عہدیدار تھا، خضر خاں نے اسے وزیر اعظم بنا دیا۔ ہر دور میں اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہی رہی کہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے اور ان کا دبدبہ و طنطنہ ختم کر دیا جائے۔

خضر خاں کے سامنے تو ہیرا چند صرف تلوار سونت کر رہ گیا تھا، لیکن اب اپنی حویلی میں وہ حسام الدین کی زندگی کا مالک تھا اور اس

نے طے کر لیا تھا کہ مجرم نے افشائے راز نہ کیا تو اسے ہلاک کر دے گا۔

حویلی میں آنے کے بعد وہ اپنے خاص کمرے میں پہنچا، حسام الدین بھی رسیوں میں جکڑا ہوا ساتھ ساتھ حاضر کیا گیا۔

ہیرا چند نے ان سپاہیوں کو جو اسے ساتھ لائے تھے رخصت کر دیا، اور تنہا کمرے میں اس سے گفتگو شروع کر دی اس نے پوچھا۔

"تمہیں زندگی مطلوب ہے یا موت؟ عزت کے خواہاں ہو یا ذلت کے؟ امارت چاہتے ہو یا غربت؟"

حسام الدین نے جواب دیا "میں کچھ نہیں چاہتا اور اگر چاہتا بھی ہوں تو آپ سے نہیں چاہتا۔"

ہیرا چند کو غصہ آ گیا۔ پوچھا "پھر کس سے چاہتے ہو؟"

وہ بولا "اپنے خدا سے۔"

ہیرا چند نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔

"اپنے خدا کو بھول جاؤ اس لئے کہ وہ تمہیں فراموش کر چکا ہے۔"

وہ کہنے لگا "نہ میں خدا کو بھول سکتا ہوں، نہ میرا خدا مجھے فراموش کر سکتا ہے۔"

ہیرا چند کہنے لگا "اگر تمہارے خدا نے تمہیں فراموش نہیں کر دیا ہے تو اتنا بڑا انقلاب کیسے آ گیا؟ مسلم حکومت کیوں ختم ہو گئی؟ آج مسلمانوں کی شیخی کہاں ہے؟ — میں بھی دیکھوں کتنے ذہین ہو تم؟"

وہ گویا ہوا "یہ انقلاب اس لئے نہیں آیا ہے کہ ہم غلام بن گئے اور تمہارے حصہ میں آقائی آ گئی۔"

"پھر کس لئے آیا ہے؟"

"یہ قدرت کی طرف سے تازیانۂ عبرت ہے ہمارے لئے، ہمارا خمیر مردہ ہو گیا تھا ہمارے اخلاق برباد ہو گئے تھے ہم نے اسلام کو عملی طور پر چھوڑ دیا تھا ہم

نے اسلام کی تعلیمات کو فراموش کر دیا تھا ہم نے اقتدارِ اسلامی کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا اس کی سزا ملنی ہی چاہئے تھی۔"

"اور وہ مل گئی؟"

"ہاں — لیکن عارضی طور پر صرف چند دن کے لئے۔"

"یہ اندازہ تم نے کیسے لگایا؟"

"اس طرح کہ مسلمان قوم غلامی کے لئے نہیں بنی ہے۔"

"اچھا تو اب بھی آپ آزادی کے خواب دیکھ رہے ہیں اب بھی آپ کو امید ہے کہ مسلمان پھر حکومت پر قابض ہو جائیں گے؟ — نہیں یہ نہیں ہو سکتا خیال است و محال است و جنوں، منہ دھو رکھو۔"

"بارہا ایسا ہوا ہے اور اب بھی ہو سکتا ہے اور میرا خیال ہے ضرور ہو گا۔"

"شاید تم غازی ملک اور جونا خاں پر نازاں ہو۔ لیکن بہت جلد وہ بھی اس جگہ اس طرح رسیوں سے جکڑے نظر آئیں گے جیسے اس وقت تم کھڑے ہو۔"

"لیکن میری آنکھیں تو اس جگہ جہاں میں کھڑا ہوں آپ کو دیکھ رہی ہیں۔"

"بہت زیادہ مشتعل ہو کر: کیا کہا؟ بدبخت تو نے کیا بکا؟"

"میری آنکھیں تو اس جگہ پر جہاں میں کھڑا ہوں آپ کو دیکھ رہی ہیں۔ صرف آپ ہی کو نہیں خسرو خاں کو بھی اور اس کے ساتھیوں کو بھی۔"

"اور اس کرسی پر جس پر بیٹھا ہوں تجھے کون نظر آ رہا ہے؟"

"کیا وہ نام غازی ملک کے علاوہ بھی کسی کا ہو سکتا ہے؟"

"ہیرا چند میں تابِ ضبط نہ باقی رہی۔ وہ جیناتی اور بے قراری کے ساتھ اٹھا اور کوڑا لے کر حسام الدین کی طرف بڑھا اور بالکل اس کے پاس جا کر پوچھا۔

"کیا کہا تو نے؟"

حسام الدین نے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر جواب دیا "کیا آپ کچھ اونچا سنتے ہیں؟"

ہیرا چند نے کوڑا فضا میں بلند کیا اور سڑا سڑ حسام الدین پر برسانا شروع کر دیا۔

وہ رسیوں میں جکڑا ہوا تھا، خاموشی کے ساتھ مار کھاتا رہا۔

اور پھر دفعتاً نہ جانے اس میں کس بلا کی طاقت آ گئی اس نے ایک مرتبہ اپنے بدن کو جنبش دی اور بندھے ہوئے ہاتھ رسی کے پھندے سے آزاد کرئے اور پھر بجلی کی سی تیزی سے لپک کر اس نے کوڑا ہیرا چند سے چھین لیا اور بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔

حسام الدین کے بدن پر پوری قوت سے ہیرا چند نے دس پندرہ کوڑے لگائے تھے مگر اس نے اف بھی نہیں کی تھی اور ہیرا چند حسام الدین کے ہاتھ سے دو کوڑے کھانے کے بعد ہی اونٹ کی طرح بلبلانے لگا۔ چیخ چیخ کر اس نے حویلی سر پر اٹھا لی۔ سب سے پہلے دھم دھم کرتی دو عورتیں آئیں ان میں ایک ہیرا چند کی بیوی تھی رادھا اور دوسری اس کی بہن تھی شیاما ان دونوں نے شوہر اور بھائی کی ایک اجنبی کے ہاتھوں جو یہ درگت دیکھی تو واویلا شروع کر دیا۔

چند ہی لمحوں کے اندر حویلی کے مسلح ملازم دوڑ پڑے اور انہوں نے حسام الدین کو بزورِ قوت ایک مرتبہ پھر گرفتار کر کے رسیوں میں جکڑ دیا اس کشمکش میں ہیرا چند بھی زخمی ہوا اور حسام الدین بھی۔ ہیرا چند معمولی طور پر، حسام الدین اس سے کہیں زیادہ۔

ہیرا چند نے شرر فشاں اور خون بار نظروں سے حسام الدین کو دیکھا اور نہایت حقارت کے ساتھ سوال کیا۔

"تیری یہ ہمت؟ تیری یہ مجال؟"

حسام الدین کے سر، ماتھے اور رخسار سے خون اب تک بہہ رہا تھا اس نے آستین سے خون پونچھا اور جواب دیا۔

"میری ہمت اور مجال تو دیکھ چکا اور اب بھی اگر ہوس باقی ہے تو

تیار ہوں اگر میرے ہاتھ کھل جائیں اور میری تلوار مجھے دے دی تو تم سب نمک حراموں سے مقابلہ کرسکتا ہوں۔"

ہیرا چند کا غصہ اور بڑھ گیا اس نے کہا۔ "تو ہمارے شہنشاہ کا غدار ہے۔"

حسام الدین نے اسکے الفاظ دہرا دیئے۔ "تو ہمارے شہنشاہ کا غدار ہے۔"

ہیرا چند زہر خند کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "تیرا بادشاہ قبر کی گود میں سو رہا ہے۔"

حسام الدین نے جواب میں کہا۔ "وہ وقت جلد آنے والا ہے جب تیرے بادشاہ کو قبر کا کونہ بھی نصیب نہ ہوگا۔"

وہ مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا بولا۔ "ان باتوں سے کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا قطب الدین خلجی مار ڈالا گیا۔ اس کی حکومت ختم ہو گئی۔ سلطان خسرو خاں اب ایک زندہ حقیقت ہے اس کی حکومت قائم ہو چکی ہے، سارے ملک نے اسے تسلیم کر لیا ہے، تم چند سرپھرے لوگ اس کا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ سرکشی سے باز آجاؤ ہمارے خداوند بہادروں کے قدرداں ہیں، شریفوں کے سرپرست ہیں۔ ان کی بارگاہ سے منہ مانگا انعام ملے گا۔ عہدہ پاؤ گے منصب ملے گا، جاگیر بخشی جائے گی، جو چاہو گے وہ ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ وفاداری کا اقرار کرلو اور جونا خاں کے بارے میں جو کچھ جانتے ہو بتا دو۔"

حسام الدین نے ایک مرتبہ پھر آستین سے اپنا بہتا ہوا خون پونچھا اور کہا،

"مجھے انعام نہیں چاہئے میں عہدے اور منصب کا بھوکا نہیں ہوں جاگیر کی تمنا بھی نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود جونا خاں کے بارے میں جو کچھ آپ پوچھیں گے بتا دوں گا کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔"

ہیرا چند کا چہرہ دمک اٹھا اس نے پوچھا۔ "سچ کہتے ہو؟"

بڑے تیور کے ساتھ حسام الدین نے جواب دیا۔ "بالکل سچ۔"

ہیرا چند نے جوش مسرت سے بے قابو ہو کر کہا۔ "تو پھر جو کچھ جانتے ہو سب بتا دو۔"

حسام الدین نے سوال کیا۔ "سب بتا دوں؟ — ایک ایک بات؟"

ہیرا چند نے شیاما سے کہا۔ "شربت لاؤ۔"

جو سپاہی اسے اب تک گھیرے کھڑے تھے انہیں حکم دیا۔ "اسے کھول دو۔"

پھر اس سے مخاطب ہوا "آؤ یہاں ہمارے پاس بیٹھ جاؤ ہمیں تم پر اعتماد ہے ہم جانتے ہیں بہادر آدمی دغا نہیں کرتے۔ یقیناً ہماری دی ہوئی آزادی سے تم ناجائز فائدہ نہیں اٹھاؤ گے۔"

حسام الدین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ نے بالکل صحیح اندازہ لگایا ہے۔"

ہیرا چند نے حسام الدین کو اپنے پاس بٹھا لیا اور جو سپاہی اور ملازم موجود تھے انہیں باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ آن کی آن میں کمرہ خالی ہو گیا داودھا بھی مطمئن ہو کر چلی گئی۔

جب سب چلے گئے تو ہیرا چند نے زیادہ سے زیادہ اپنائیت کے ساتھ سوال کیا۔

"اب بتاؤ، جو کچھ جانتے ہو سب بتا دو۔"

حسام الدین نے اس طرح جیسے وہ ہیرا چند کے دام میں اسیر ہو چکا ہو کہا،

"وہ سلطان خسرو خاں کا مخالف ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"اس کی اسکیم یہ ہے کہ اپنے باپ غازی ملک یعنی غیاث الدین تغلق کو آمادہ کرے کہ وہ اپنا لشکر گراں لے کر دہلی پر چڑھ آئے۔"

"یہ بھی مجھے معلوم ہے۔"

"اس نے اپنے مخصوص دوستوں اور ساتھیوں کو اس کام پر مامور کیا ہے کہ وہ دہلی کے مسلمان باشندوں میں سلطان خسرو خاں کے خلاف اشتعال پیدا کریں، نفرت کے جذبات پیدا کریں، انہیں جہاد، قتال، اور کشت و خون پر آمادہ

کریں اور جب غازی ملک اور جونا ملک ——— اپنی فوج لے کر دہلی پر حملہ آور ہوں تو وہ ان کا ساتھ دیں سارے شہر میں افراتفری مچادیں۔ آگ لگادیں ہنگامہ کھڑا کردیں۔ بغاوت، شورش، سرکشی اور غدر برپا کردیں خسرو خاں اس دو طرفہ حملے کی تاب نہ لاسکے گا۔ ہار جائے گا۔"

"(کچھ سوچتے ہوئے) اچھا تو یہ ہے اسکیم۔"

"جی ہاں یہی اسکیم ہے۔"

"کوئی شبہ نہیں یہ ایک ذہین دماغ کی اختراع ہے۔"

"بے شک ——— جونا خاں کے ذہین ہونے میں تو اس کے بدترین دشمن بھی شبہ نہیں کرتے۔"

"اچھا ایک بات تو تم نے بتائی نہیں وہی سب سے زیادہ ضروری ہے۔"

"وہ کون سی بات ہے جو آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں اور میں نے نہیں بتائی۔"

"جونا خاں کے وہ دوست، ساتھی اور ہمدرد کون ہیں جن کے ذمہ اس نے یہ تخریبی کام سونپا ہے؟"

"ان کا لیڈر میں ہوں۔"

"تم ——— حسام الدین تم؟"

حسام الدین نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ ایک چاندی کی تھالی میں شربت سے بھرا ہوا سونے کا گلاس لے کر شیاما، نسیم بہار کی طرح آئی اور حسام الدین کے سامنے رکھ دیا۔ حسام الدین نے ایک نظر شیاما پر ڈالی پھر آہستہ سے کہا "شکریہ ——— میں نہیں پیوں گا۔"

ہیرا چند نے اصرار کیا "کیسے نہیں پیو گے، پی لو!"

شیاما بولی "اطمینان رکھیے یہ زہر نہیں ہے۔"

پھر ہیرا چند نے ایک [illegible] قہقہہ لگایا اور پھر شیاما کا تعارف کرتے

ہوئے فرمایا "بڑی چنچل لڑکی ہے۔" حسام الدین سے کہا "چند گھونٹ پی لینے میں کیا حرج ہے؟"

حسام الدین نے انکار نہیں کیا پی لیا۔ جب وہ شربت پی چکا، تو ہیرا چند نے پھر پوچھا۔

"تو جونا خاں کی نمائندگی تم کر رہے ہو۔"

حسام الدین نے بے جھجک کہہ دیا "جی ہاں یہ کام مجھے سونپا گیا ہے اور جامع مسجد میں جو تقریر میں نے کی تھی وہ میرے دعوے کا دوسرا ثبوت ہے اگر میں اس حکومت کا وفادار ہوتا تو ایسی تقریر کس طرح کر سکتا تھا۔"

ہیرا چند نے سوال کیا "لیکن تم نے یہ بھی سوچا کہ ان باتوں کا انجام کیا ہوگا؟"

حسام الدین نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا "جو ہونا ہے وہی ہوگا یا ہم خسرو خاں کا تختہ الٹ دیں گے یا وہ ہمیں ختم کر دے گا اب تو یہ جنگ شروع ہو چکی صلح پر اس کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔"

ہیرا چند سمجھاتا ہوا گویا ہوا "تم ابھی نوجوان ہو، جوان ہی نہیں جوان رعنا خوبصورت ہو، خوبرو ہو، تمہارے حسنِ مردانہ کو دیکھ کر رشک آتا ہے مجھے یہ دن مرنے کے نہیں ہیں کیوں ہاتھ دھو کر اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ کے ان ہمدردانہ اور مخلصانہ الفاظ کا شکریہ لیکن موت نہ جوان کو دیکھتی ہے نہ بوڑھے کو نہ بچے کو نہ خوبصورت کو نہ بدصورت کو اسے جب آنا ہوتا ہے آجاتی ہے اور جب وہ آتی ہے تو پھر اسے کوئی واپس نہیں کر سکتا۔ جب تک میری موت نہیں آتی مجھے کوئی نہیں مار سکتا اور جب وہ آجائے گی تو دنیا کی کوئی طاقت اس سے بچا نہیں سکتی۔"

ہیرا چند لاجواب ہو گیا لیکن پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن خود سے موت کو دعوت دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔"

"بجا فرمایا آپ نے یقیناً خودکشی نہیں کرنی چاہئے لیکن یہ زندگی خدا کی دی

ہوئی امانت ہے۔ انسان کو زندگی اس لئے نہیں عطا کی گئی ہے کہ کھائے پئے مزے کرے اور جب موت آئے مر رہے۔"

"پھر کس لئے دی گئی ہے یہ بھی بتا دو۔"

"اس لئے دی گئی ہے کہ انسان عزت کی زندگی بسر کرے اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر موت ایسی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔"

"بالکل درست کہا تم نے لیکن تمہاری عزت کو کیا خطرہ ہے؟"

"کل تک ہم حکمران تھے اس دیس کے مالک تھے اس شہر پر حکومت کرتے تھے ہمارا سکہ چلتا تھا ہمارے احکام نافذ ہوتے تھے ہمارے ایک اشارے پہ نظام مملکت درہم برہم ہو جاتا تھا آج ہم کیا ہیں؟ — غلام غلامی کی زندگی پر قناعت کرنا انسانیت کی توہین ہے اور میں اس جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔"

"کون کہتا ہے کہ تم غلام ہو۔"

میری غلامی کے آپ گواہ ہیں اس کمرے کے در و دیوار شاہد ہیں ابھی ذرا دیر پہلے رسیوں میں جکڑا ہوا میں یہاں کھڑا تھا اور اب آپ کے حکم سے آزاد کیا گیا ہوں اور ابھی اگر آپ ارشاد فرمائیں تو پھر گرفتار کر لیا جاؤں گا آپ حکم دیں گے تو میری گردن قلم کر دی جائے گی محض اس لئے کہ میں غلام ہوں ورنہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے کسی کی جیب نہیں کاٹی ہے، کہیں ڈاکہ نہیں ڈالا ہے قزاقی نہیں کی ہے۔"

حسام الدین ہمارے دل میں تمہاری عزت پیدا ہو گئی ہے تمہاری باتوں سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ یہ باتیں اس کے منہ سے نکل سکتی ہیں جو بہادر ہو نیک ہو، شریف ہو اور اونچا انسان ہو تم میں یہ سب خوبیاں پائی جاتی ہیں آؤ ہم تم صلح کر لیں، دوست بن جائیں، عہد کریں کہ زندگی کی آخری سانس تک حق وفا نبھائیں گے۔"

"یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب آپ بھی ہماری جماعت میں شریک

ہو جائیں۔"

(سراپا حیرت بن کر) کیا کہا میں تمہاری جماعت میں شریک ہو جاؤں۔"

"ہاں میرا مطلب یہی تھا جو آپ نے فرمایا۔"

"میں سلطان خسرو خاں کا دشمن بن جاؤں؟ ان کے خلاف بغاوت کروں؟ ان کے دشمن کا ساتھ دوں — یہ چاہتے ہو تم؟"

(بے پروائی سے) جی ہاں، میں یہی چاہتا ہوں۔"

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"تو پھر ہماری صلح بھی نہیں ہو سکتی، ہمارے درمیان دوستی کا رشتہ بھی نہیں قائم ہو سکتا۔"

"کتنی ان ہونی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو؟"

"غور کیجئے تو اس سے بڑھ کر معقول اور قابلِ قبول کوئی بات نہیں ہو سکتی۔"

"میں نہیں مان سکتا۔"

"میں منوا بھی نہیں سکتا، لیکن آپ خود سوچئے کیا خسرو خاں بادشاہت کی اہلیت رکھتا ہے؟ کیا ایک بادشاہ کو اپنی رعیت کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہئے، جو وہ کر رہا ہے؟ کیا کسی بدعہد، نمک حرام اور بے وفا شخص پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟"

"یہ تم خسرو خاں کو کہہ رہے ہو؟"

"جی ہاں — قطب الدین خلجی نے جو احسانات خسرو خاں پر کئے تھے وہ اگر سانپ پر کئے ہوتے تو ڈسنا بھول جاتا، لیکن اس نے اسی کی گردن کاٹی، جب یہ قطب الدین کا نہیں ہوا تو اور کسی کا ہو سکتا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

مطلب بالکل واضح ہے یہ صرف ان لوگوں کا دوست ہے جن سے اس کی غرض وابستہ ہے غرض نکل جانے بعد ہرگز یہ کسی کا دوست نہیں ہے۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو تم؟"

"میں غلط نہیں کہتا۔ — آج یہ آپ پر مہربان ہے، اس نے آپ کو آلۂ کار بنا رکھا ہے۔ لیکن کیا دل پر ہاتھ رکھ کر آپ ایمانداری سے کہہ سکتے ہیں کہ کل جب اسے آپ کی ضرورت نہیں رہے گی یہ آپ کا ایسا ہی دوست رہے گا؟ سچ سچ بتائیے آپ کو مسلمانوں کے دورِ حکومت میں زیادہ سکونِ قلب حاصل تھا جب آپ وزیر اعظم نہیں تھے، یا اب ہے جب وزارتِ عظمیٰ کا منصب آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

ہیراچند کے ذہن و دماغ میں ایک طرح کا خلجان پیدا ہو گیا اس کی بہت سی باتیں سچ نظر آئیں وہ اپنے پاؤں تلے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس کرنے لگا اس نے شیاما سے کہا۔

"یہ ہمارے مہمان ہیں، میزبانی کے فرائض تم ادا کرو گی۔"

پھر حسام الدین سے کہا "تمہاری باتوں نے مجھے اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے سوچ لوں، غور کر لوں، پھر اطمینان سے گفتگو کروں گا۔"

سنگ مرمر کی بارہ دری

خسرو خاں تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی حواس کھو بیٹھا جب تک حصولِ تاج و تخت کے لئے وہ سازش میں مصروف تھا، اس کا ذہن کام کر رہا تھا اس کے دماغ میں کئی کئی اسکیمیں آ رہی تھیں۔ تدبر، معاملہ فہمی، فکر و نظر کسی چیز سے وہ محروم نہیں تھا۔ لیکن قصر ہزار ستون میں داخل ہوتے ہی اور تختِ حکومت پر قبضہ کرتے ہی وہ جامے سے باہر ہو گیا اس نے ایک طرف تو ہزاروں ہندوؤں کو بڑے بڑے مناصب تفویض کئے۔ یہ دیکھے بغیر کہ ان عہدوں کی ان میں اہلیت اور صلاحیت ہے کہ نہیں؟ دوسری طرف شہر کے ہندوؤں کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ جی بھر کے مسلمانوں کو ستائیں، مسجدوں کی توہین کریں اور متبرک مقامات کو ناپاک کریں اور خود نظامِ حکومت اور انتظامِ مملکت سے بے پروا ہو کر عیاشی میں مبتلا ہو گیا۔ اتنے انہماک کے ساتھ کہ گویا اس کی زندگی کا مقصد یہی تھا۔

قطب الدین خلجی کی بیوی سے اس نے شادی کر لی تھی، دوسرے امراء اور روساء کی بہنوں

اور مینوں کو اپنے حبالۂ عقد میں لے آیا تھا، بہت سے موقع پرست، خود غرض اور لالچی لوگ ایسے تھے جنہوں نے خود ہی نذرانہ کے طور پر اپنے خاندان کی عزیز ترین لڑکیاں پیش کر دی تھیں۔ ان سب سے وہ دادِ عیش دے رہا تھا۔ لیکن سرمستی اور عیش پرستی کا جذبہ کم ہونے کی بجائے اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ خوب سے خوب تر کی جستجو میں وہ لگا ہوا تھا۔ ہر روز اس کے کاشانے میں ایک [illegible] سیمیں بدن کی تلاش رہتی تھی اور جو دن خالی جاتا تھا، وہ عالی جاہ سلطان خسرو خاں کے لئے انتہا کی تکلیف و اذیت کا دن ہوتا تھا۔

آج نہ جانے کیا سوجھی کہ سلطان خسرو خاں اپنے ہم مشرب ندیموں اور مصاحبوں کے ساتھ شکار کو نکلا۔ صبح سے چلتے چلتے دوپہر ہو گئی۔ مگر کوئی جانور نہ ملا۔ گرمی کا موسم، چلچلاتی ہوئی دھوپ، بھوک کا زور، پیاس کی شدت اور پھر ستم یہ کہ راستہ بھول گیا۔ صرف دو مصاحب ساتھ رہ گئے، باقی ساتھی، اور محافظ سپاہی پیچھے رہ گئے اور ایسے پیچھے رہے کہ تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکے۔

خسرو خاں نے پپڑی لگے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے ایک ندیم گوپال سے کہا۔

"بہت پیاس لگ رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں۔"

گوپال نے ہمت دلاتے ہوئے کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر میں رستہ مل جائے گا اور ہم شہر پہنچ جائیں گے۔"

خسرو خاں نے بے کلی کے ساتھ کہا "نہیں گوپال۔ ہم شہر نہیں پہنچ سکتے۔"

گوپال نے ادب کے ساتھ دست بستہ کہا "ایسی بدشگونی کی بات کیوں منہ سے نکالتے ہیں سلطان والا شان۔"

خسرو خاں نے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں کہا، "دیکھ رہے ہو کیا حالت ہو رہی ہے ہماری! اگر تھوڑی دیر تک اور پانی نہ ملا اور ذرا دیر آرام کرنے کو کوئی جگہ

عا ملاحظہ ہو اکبر شاہ خاں کی کتاب "آئینۂ حقیقت نما"

دستیاب نہ ہوئی تو گوپال تم خسرو خاں کی لاش لے کر جاؤ گے شہر میں۔"

گوپال کے چہرے پر اضطراب اور تشویش کے آثار طاری ہو گئے اس نے کہا۔

"اگر غلام کے خون سے سرکار کی پیاس بجھ سکتی ہے تو وہ حاضر ہے۔ لیکن کیا کروں، زمین سخت ہے، آسمان دور ہے۔"

اور پھر دفعتہً چلا اٹھا "دیکھئے جہاں پناہ وہ دیکھئے!"

جہاں پناہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک باغ نظر آیا جس میں سنگ مرمر کی بارہ دری بھی موجود تھی اور زندگی کی رونق بھی نظر آ رہی تھی۔ چہل پہل گہما گہمی۔

گوپال نے کہا "ضرور یہاں پانی مل جائے گا۔"

خسرو خاں نے مضمحل اور افسردہ الفاظ میں تائید کی "امید تو ہے!"

گوپال نے تسلی اور دلاسا دیتے ہوئے کہا "یہاں کچھ دیر آرام بھی کریں گے آپ!"

خسرو خاں نے شک و بے اطمینانی اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا "نہ معلوم یہ کس کا باغ ہے، کس کی بارہ دری ہے، دوست ہے یا دشمن کون جانے، کیا معلوم! دلی کا ذرہ ذرہ میرا دشمن ہو رہا ہے۔ میں نہیں جاؤں گا۔ تم بھیک کی طرح چند قطرے پانی کے مانگ لاؤ۔"

گوپال نے ہمت بندھاتے ہوئے کہا، "جہاں پناہ اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، باغ دوست کا ہو یا دشمن کا ہم وہاں پانی پئیں گے، آرام کریں گے، اور اگر کسی نے مزاحمت کی تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔"

خسرو خاں نے اور زیادہ درماندگی کے عالم میں کہا "نہیں بھائی یہ لڑائی بھڑائی کا موقع نہیں ہے۔"

گوپال کو ایک نئی بات سوجھ گئی اس نے کہا "یہ کیا ضرور ہے کہ یہاں کے لوگ جہاں پناہ کو پہچان لیں؟ اور پھر اس وقت ہماری جو حالت ہو رہی ہے اسے دیکھ کر تو کوئی گمان نہیں کر سکتا کہ آپ بادشاہ ذی جاہ ہیں اور یہ

زیب تن ہیں۔"

بات خسرو خاں کی سمجھ میں آگئی۔ مسکراتا ہوا بولا۔" ہاں ٹھیک کہتے ہو جاوٗ۔ کہہ دینا مسافر ہیں، راستے سے بھٹک کر ادھر آگئے۔"

گوپال نے تائید کی، غلام کے ذہن میں بھی یہی ترکیب آئی تھی!

اس مختصر سی گفتگو کے بعد دونوں آہستہ آہستہ باغ کی طرف بڑھے اور ذرا سی دیر میں پہنچ گئے۔ یہ ایک وسیع اور کشادہ باغ تھا، معلوم ہوتا تھا کسی امیر کبیر کا ہے۔ بارہ دری بھی سنگ مرمر کی تھی اور نہایت شاندار باغ میں سناٹا چھایا ہوا تھا کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ خسرو خاں نے کہا:

"ابھی وہاں سے جب ہم نے دیکھا تھا تو یہاں چہل پہل نظر آرہی تھی اور اب تو کوئی نظر نہیں آتا، یہ کیا ماجرا ہے؟"

گوپال نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ فضا میں چند نقرئی قہقہے گونجے دونوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک شوخ و شنگ نازنین اپنی چند سہیلیوں کے جھرمٹ میں کھڑی نگاہ حیرت سے ان نوواردوں کو دیکھ رہی تھی۔

نازنین کی سہیلیوں میں سے ایک آگے بڑھی اور اس نے مصنوعی غصّے سے ان لوگوں کو گھورتے ہوئے پوچھا!

"گستاخ لوگ، تم کون ہو؟"

گوپال نے جواب دیا "بچاری"

اس جواب پر بعض سہیلیاں مسکرا دیں، بعض کھلکھلا کر ہنس پڑیں لیکن اس نے کڑوے تیور کے ساتھ کہا۔

تم گستاخ بھی ہو اور دریدہ دہن بھی!"

یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی اور تالی بجاتے ہی باغ کے مختلف گوشوں سے کئی آدمی نمودار ہوئے۔ جو تلواروں سے مسلح تھے، اس نے ان آدمیوں سے کہا، یہ ٹھگ معلوم ہوتے ہیں، نہ جانے کس طرح آگئے یہاں تک انہیں گرفتار

کرلو۔ اور ایسی سخت اور اذیت ناک سزائیں دو کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔"

گوپال کا اور اس سے زیادہ خسرو کا خون خشک ہو گیا، اس نے سوچا یہ تو برے پھنسے۔ اگر ان پر اس حقیقت کا انکشاف کر دیا کہ ان کا مخاطب بادشاہ دہلی ہے تو کون یہ حال زار دیکھتے ہوئے اس دعوے پر یقین کر سکے گا اور ہنسی اڑے گی اور زیادہ تکلیف دی جائے گی آخر اس نے گوپال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"واقعی یہ گستاخ اور دریدہ دہن ہے اسے جو سزا چاہیں دیجئے لیکن میرا تو کوئی قصور نہیں۔"

یہ کہہ کر پھر اس نے اپنے پپڑی جمے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری ما یہ حال دیکھ کر اس نازنین کو ترس آگیا اس نے اپنی سہیلی سے کہا۔

"یہ آدمی واقعی بہت دکھی معلوم ہوتا ہے۔ کون ہو تم؟"

خسرو خاں نے اور زیادہ بے بسی کی تصویر بن کر جواب ؛" ہم مسافر ہیں راستہ بھٹک گئے ادھر آنکلے!"

وہ سہیلی طنز کرتی بولی ادھر آنکلے۔ یہ کوئی خالہ جی کا گھر ہے؟

خسرو خاں نے ادب سے عرض کیا نہیں سرکار یہ بات تو نہیں ہے، ہم یہ آس لے کر آئے تھے کہ یہاں پانی مل جائے گا تو حلق تر کریں گے۔ کسی گوشہ میں جگہ مل جائے گی تو ذرا سستا لیں گے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اپنا راستہ لیں گے مگر اس کمبخت گوپال نے آپ کو خفا کر دیا!"

سہیلی نے نازنین سے کہا۔ سرکار یہ تو واقعی بڑا دکھی معلوم ہوتا ہے۔"

پھر وہ خسرو خاں سے بولی ہم نے تمہیں معاف کیا۔"

نازنین نے مسکراتے ہوئے سوال کیا، اور اس کے ساتھی گوپال کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے، اسے نہیں معاف کرو گی؟

وہ اکڑ کر اور تن کر بولی اسے سزا ملے گی، اس کے بدن پر کوڑے پڑیں گے اسے پانی ملے گا لیکن کھولتا ہوا۔ اسے کھانا دیا جائیگا لیکن سڑا ہوا۔ اسے پناہ کی جگہ ملے گی لیکن تہ خانے میں اور وہاں اس کے ارد گرد آگ سلگا دی جائے گی تاکہ گرمی اسے زیادہ نہ ستائے"

وہ نازنین کھلکھلا کر ہنس پڑی اس نے اسکے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"بڑی ظالم ہو سیتا، ایسا اندھیر بھی کیا"

خسرو خاں نے ایک مرتبہ پھر اپیل کی۔

"ہم معافی چاہتے ہیں"

سیتا نے گوپال کی طرف دیکھا اور اس سے سوال کیا۔

"تم۔ کیا تم بھی معافی مانگتے ہو؟"

گوپال ان باتوں سے تلملا رہا تھا لیکن خسرو خاں کی مرضی کے خلاف بھی نہیں کر سکتا تھا اور اس کا اشارہ یہ تھا کہ فوراً معافی مانگ لے، اس نے غصہ کے عالم میں دانت پیستے ہوئے کہا، "ہاں معافی مانگتا ہوں"

اس انداز کی معافی پر سب ہی کو ہنسی آگئی اور سب زور سے ہنس پڑیں۔

گوپال کھڑے کھڑے بیٹھ گیا، اس نے خسرو خاں سے کہا۔

"آپ بھی بیٹھ جائیے"!

قبل اس کے کہ خسرو خاں جواب دے سیتا بول پڑی،

"باقی آتا ہے، پیو، اور ٹھنڈے ٹھنڈے سدھار ہو"!

گوپال شرارت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا،

"چلے جائیں گے سرکار، آپ لوگ زندگی نہیں دے سکتے تو موت ہی دے دیں۔ کیا اس سے بھی انکار ہے آپ کو؟"

سیتا نے چمک کر کہا۔

"پھر آگئے تم اپنی اوقات پر، تم نہیں جانتے میرا غصہ کیسا ہے؟"

تڑپ سے گوپال نے جواب دیا۔

"وہ بھی تو خوبصورت ہوگا! حسین و جمیل"!

سیتا نے اپنی آقا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر مجھے الہامانہ دیجئے گا بس بڑی سختی سے پیش آؤنگی"!

گوپال دخل در معقولات کرتا ہوا بولا۔

"جب سر دے دینے کا فیصلہ کر لیا تو سختی سے کیا ڈر؟ ۔ جو چاہے کیجئے سر تسلیم خم ہے"!

سیتا چمک کر بولی۔

"کچھ ہوش میں ہو؟ یہاں سمجھا کیا ہے؟ اگر کہنے پر آگئی تو بولنا بھول جاؤ گے"!

گوپال نے کہا، "وہ تو تمہیں دیکھنے ہی میں بھول گیا تھا"،

سیتا الجھتی ہوئی بولی خیریت چاہتے ہو تو چپ رہو، ورنہ وہ رہا دروازہ۔

گوپال نے سراپا ادب بن کر کہا۔

"اچھا مائی باپ، چپ ہوئے جاتے ہیں اس وقت!

نیا سودا

جب تک دھوپ کی تمازت کم نہیں ہو گئی یہ لوگ وہیں بارہ دری کے ایک کمرے میں آرام سے مقیم رہے۔ نازنین کی طرف سے ان کے کھانے پینے کا بندوبست کر دیا گیا۔ سہ پہر کے قریب سیتا آئی اور اس نے گوپال کی طرف شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس اب بوریہ بستر اٹھائیے"

گوپال بھی اس کی باتوں سے لطف لینے لگا تھا۔ وہ بولا اب کہاں جاتے ہیں ہم، یہاں سے نکالے جائیں گے تو دروازے پر دھونی مار کر بیٹھ جائیں گے وہاں سے کون ہٹا سکتا ہے بھلا؟ بیٹھے ہیں رہ گذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں —؟"

سیتا بناوٹی غصے کا اظہار کرتی ہوئی بولی" واہ یہ بھی اچھی رہی۔ دامن پکڑتے پکڑتے پہنچا پکڑنے لگے، جانتے ہو یا بلاؤں پھر آدمیوں کو؟"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ نازنین اندر آ گئی، اسے دیکھ کر سیتا خاموش

ہو گئی، گوپال اور خسرو خاں کھڑے ہو گئے، نازنین نے شائستگی اور وقار کے ساتھ پوچھا؛

"آپ لوگوں کو کسی طرح کی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

خسرو خاں نے سراپا نیاز بن کر جواب دیا۔ بالکل نہیں بلکہ گھر سے زیادہ آرام ملا؛"

وہ کہنے لگی شاید اب آپ رخصت ہونا چاہتے ہوں گے؛ دن ختم ہو رہا ہے!"

خسرو خاں کا دل تو نہیں چاہتا تھا رخصت ہونے کا لیکن با دل نخواستہ کہنا پڑا۔

"آپ کی مسافر نوازی کا بہت بہت شکریہ، اب ہم اجازت چاہتے ہیں۔

"وہ گویا ہوئی کہاں جانا ہے آپ کو؟"

گوپال نے جواب دیا "دلی جو ایک شہر عالم میں انتخاب"

وہ ہنسنے لگی "بہت باذوق معلوم ہوتے ہیں — آپ لوگ راستہ بھٹک کر آ گئے تھے اس طرف شاید؟"

گوپال نے جواب دیا" جی ہاں بدقسمتی سے ہمیں راستہ نہیں یاد رہا اور خوش قسمتی سے ہم آپ کے آستانے تک باریاب ہو گئے!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی تو میں اپنا ایک آدمی آپ کے ساتھ کئے دیتی ہوں وہ اس جگہ تک آپ کو پہنچا دے گا جہاں سے سیدھا راستہ شہر کی طرف جاتا ہے"

خسرو خاں نے پھر سراپا شکر و سپاس بن کر عرض کیا "اس احسان اور کرم گستری کا شکریہ ادا کرنے کو الفاظ نہیں ملتے"

وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی "اب زیادہ باتیں نہ بنائیے"

سیتا سے خاموش نہ رہا جا سکا، بے ساختہ بول اٹھی اور ٹھنڈے ٹھنڈے تعریف

لے جایئے!"

یہ کہہ کر نازنین رخصت ہوگئی اور سیٹا بھی اس کے پیچھے پیچھے چل گئی، ذرا دیر کے بعد ایک آدمی آیا اس نے ان لوگوں سے اپنے ساتھ چلنے کو کہا، چند فرلانگ تک ٹیڑھے میڑھے راستوں سے ہوتا ہوا چلتا رہا، پھر ایک شاہراہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ راستہ سیدھا دلی جاتا ہے آنکھ بند کر کے چلے جاؤ جوانو!"

اس آدمی کو گئے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ان سپاہیوں اور سواروں کا دستہ بھی مل گیا، جو کٹ گیا تھا، خسرو خاں نے برہمی کے ساتھ پوچھا۔

"کہاں مر گئے تھے تم لوگ؟"

"گوپال جھرجھرا کتا ہوا بولا اس گرمی میں، اس دھوپ میں، اس ستان جنگل میں، بادشاہ سلامت پا پیادہ چلتے رہے بھٹکتے رہے، بھٹکتے رہے اور پریشان ہوتے رہے اور انہیں پرواہ نہیں!"

ان سب نے سر جھکا کر اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا ہم نے کونہ کونہ چھان مارا جہاں پناہ کی تلاش میں، یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اپنے آقا کو تلاش کرنے میں ہم ناکام رہے!

ذرا دیر میں یہ لوگ دلی پہنچ گئے۔ قصر ہزار ستون میں پہنچنے کے بعد خسرو خاں نے گوپال سے کہا۔

"تمہیں اس نازنین کا جلد سے جلد سراغ لگانے کا حکم دیا جاتا ہے"

گوپال مسکراتا ہوا بولا "مجھے یقین تھا کہ جہاں پناہ یہ حکم صادر فرمائیں گے"

خسرو خاں کہنے لگا "ہم نے اسے دیکھا اور دل دے بیٹھے۔ کیوں گوپال سچ کہتا ہوں کیا ایسا حسن تم نے کبھی دیکھا ہے؟ کیا وہ اس قابل نہیں ہے کہ قصر ہزار ستون کی زینت بنے؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہے جو ہمارا دل فتح کر سکے؟"

گوپال نے ادب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا کس مجال ہے کہ ایسی جرأت کرے، جہاں پناہ کا دل فتح کرنے کا حق اسی کو حق ہے جس نے ایک

نگاہ میں اسے فتح کر لیا۔

خسرو خاں خوش ہوگیا اس نے کہا سچ کہتے ہو گوپال — لیکن نہ جانے وہ کون ہے؟"

گوپال نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا "کوئی بھی ہو، جہاں پناہ کی رعایا ہے"

خسرو نے تحکمانہ انداز میں کہا بہرحال یہ تمہارا فرض ہے کہ اسے تلاش کرو اس کا سراغ لگاؤ اور اسے ہمارے حضور میں پیش کر دو"

"جہاں پناہ ایسا ہی ہوگا"

"لیکن ہم زیادہ انتظار نہیں کر سکتے"

"غلام بھی اس نیک کام کو جلد از جلد انجام دے ڈالنا چاہتا ہے"

"لیکن کس طرح سراغ لگاؤ گے تم اس کا؟"

یہ کون سا مشکل کام ہے، صبح سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ چند سپاہیوں کو لے کر اس باغ تک جاؤں گا، فوراً پتہ چل جائے گا کس کا باغ ہے کون رہتا ہے؟ اور وہ لڑکی کس کی ہے؟ کہیں شادی ہو چکی ہے کہ نہیں"

"(تیوری پر بل ڈال کر) کیا کہا تم نے شادی؟ — کیا اس کی شادی کسی اور سے بھی ہو سکتی ہے؟

"اب تو نہیں ہو سکتی ——— لیکن ممکن ہے پہلے ہو چکی ہو"

"غصہ کے عالم میں نہیں ہو سکتی ہرگز نہیں ہو سکتی!"

"(ڈر کر) جی بے شک نہیں ہو سکتی، ہرگز نہیں ہو سکتی"

"اور اگر ہو چکی ہے؟"

"اگر ہو چکی ہے تو اس کے شوہر کی گردن قلم کر دی جائے گی!"

"ہاں کم سے کم جو سزا اسے دی جا سکتی ہے وہ یہی ہے!" — ہم اسے اپنی ملکہ بنا کر رکھیں گے، لیکن اس کے شوہر کو شکاری کتوں کے سامنے چھوڑ دیں گے؟

"بیشک وہ بدبخت اسی سزا کا مستحق ہے!"

پھر ذرا دیر ٹھہر کر گوپال نے عرض کیا۔

لیکن وہ نازنین وہ رہزنِ تمکین و ہوش خود انکار کر بیٹھی تب کیا ہوگا؟ آپ اس کے شوہر کو۔ اگر کوئی ہو۔ قتل کر سکتے ہیں۔ باپ انکار کرے تو اس کی گردن اڑا سکتے ہیں۔ لیکن کیا اس نازنین پر بھی زبردستی کر سکتے ہیں؟

"لیکن گوپال ایسا نہیں ہو سکتا!"

"کیوں نہیں ہو سکتا جہاں پناہ؟"

"اس لیے کہ خسرو خاں کو نظر انداز کرنا آسان نہیں، وہ صرف بادشاہ ہی نہیں ہے اپنے وقت کا سب سے زیادہ بانکا سجیلا جوان بھی ہے!"

گوپال نے مسکراتے ہوئے کہا،

"بالکل ٹھیک، واقعی کون ہے جو آپ کو نظر انداز کر سکے؟"

"اور وہ نازنین؟"

"وہ بھی نہیں۔ بلکہ وہ تو زندگی بھر پاؤں دھو دھو کے پئے گی" جہاں پناہ کے!

قیدی

شبانا حسام الدین کو ساتھ لے کر کمرہ سے باہر نکلی اور ایک دوسرے کمرہ میں اسے لے جا کر بٹھا دیا۔ کہنے لگی۔ یہ ہے آپ کا قید خانہ تشریف رکھئے پھر جاتے جاتے بولی!

دروازہ مقفل کر دوں یا کھلا چھوڑ دوں؟"

حسام الدین نے افسردہ تبسم کے ساتھ جواب دیا ہر حالت میں میری حیثیت ایک قیدی کی ہے خواہ دروازہ پر درجنوں تالے ڈال دیجئے یا کھلا چھوڑ دیجئے"

وہیں کھڑے کھڑے ایک ادائے جاں ستاں کے ساتھ بولی کھلا چھوڑ دوں اور تم بھاگ گئے تو؟"

وہ کہنے لگا بھاگ کر کہاں جاؤں گا؟ زمیں سخت ہے آسمان دور ہے کوئی جائے پناہ مجھے نہیں مل سکتی۔ کوئی میری مدد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کوئی مجھے دشمن کے نرغے سے بچا نہیں سکتا۔ اب تو میرے اس محبوب شہر کا دروازہ میرا دشمن ہے۔ یقین کیجئے ہرگز نہیں بھاگوں گا۔

شبانا نے ہمدردی کی نظروں سے قیدی کو دیکھا اور کہا آخر تم اتنے لڑاکا کیوں ہو؟ سب کو اپنا دشمن کیوں بنا لیا ہے خواہ مخواہ؟

"اس لئے کہ اب میں کسی کا دوست نہیں ہوں شاید اپنا بھی نہیں!

"وہی تو پوچھتی ہوں کیوں؟ کس لئے؟ کیا اس دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے، جس کے لئے تمہیں جینے کی آرزو ہو؟

"زندگی کا ایک مقصد ہوتا ہے وہ مقصد انسان سے کچھ مطالبے کرتا ہے اگر کوئی شخص ان مطالبات کو پورا نہیں کرتا تو نہ اسے انسان کہلانے کا حق ہے نہ زندہ رہے گا!"

یہ تو عجیب طرح کی باتیں کرنے لگے تم۔ میری سمجھ میں تو خاک بھی نہ آیا۔ میرے سیدھے سادھے سوال کا صاف صاف جواب دو۔

"کیا آپ نے کوئی سوال بھی کیا تھا؟"

ہاں۔ "کسی سے محبت کرتے ہو یا نہیں؟"

"کرتا ہوں بہت زیادہ کرتا ہوں"

پھر اس کے لئے زندہ رہنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے اگر چاہو تو آج چھوٹ سکتے ہو۔ سارے شہر نے نئے بادشاہ کے سامنے سر جھکا لیا مگر تمہاری گردن اکڑی ہوئی ہے۔ بڑے بہادر!

"بہادر؟ — نہیں ذلیل،"

"اُفوہ کتنی باتیں بنانا آتیں ہیں تم کو؟ کس نے ذلیل کیا ہے تمہیں بھلا"

"خسرو خاں نے"

آہستہ بولو بادشاہ کا نام ادب سے لیتے ہیں، کسی نے سن لیا تو غضب ہو جائیگا۔

میں کسی سے نہیں ڈرتا، وہ میرا بادشاہ نہیں ہے"

"موت سے بھی نہیں ڈرتے"

"بالکل نہیں۔" "کون ہے جو ڈرنے کے باوجود مرنے پر ایک نہ ایک دن مجبور نہ ہو۔ پھر ڈرنے سے فائدہ کیا؟"

"اچھا بابا جو جی چاہے کرو، میں جاتی ہوں"

"میرا جی چاہتا ہے آپ کی عنایت و نوازش کا شکریہ ادا کروں"

"میں نے کوئی نوازش تم پر نہیں کی۔ پھر جھوٹ موٹ کا شکریہ کیسا؟"

"یہ میرے دل سے پوچھو"

"بتا دو کیا غضب ہو جائیگا؟"

"خسرو خاں نے میرے دل پر زخم لگائے آپ کے بھائی میر احمد نے میرے جسم کو ٹکڑے لگائے آپ کی قوم نے میری قوم کی تذلیل کی آپ کے سپاہیوں نے

میرے ساتھ وہ سلوک کیا جو لٹیروں اور قزاقوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن آپ نے —

"میں نے کیا کیا؟"

"اپنی میٹھی باتوں سے میرے جسم پر پھایا رکھ دیا۔ اپنے اخلاق کے جادو سے مجھے مسحور کر لیا۔ آپ نے میرے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو ایک انسان ایک انسان کے ساتھ کرتا ہے، جو ایک انسان کو ایک انسان سے کرنا چاہیئے جب تک زندہ ہوں آپ کے اس سبھاؤ کو آپ کے اس کرم کو یاد رکھوں گا؟"

"مجھے تم پر ترس آتا ہے قیدی"

"میں رحم کا مستحق نہیں مجھ پر ترس نہ کھایئے"

"کیسے نہ کھاؤں کتنے اچھے آدمی نظر آتے ہو تم۔ ایسا جیالا، ایسا بہادر ایسا خوبصورت کوئی آدمی میری نظر سے آج تک نہیں گذرا۔ تمہیں قید میں دیکھکر میرا دل کڑھتا ہے"

"یہ بھی آپ کی مہربانی و نوازش ہے۔ جس شخص کا سر قلم کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہوں جس کا خون بہانے کے منصوبے بنائے جا رہے ہوں، جسے تباہ و برباد کرنے کا فیصلہ کیا جا چکا ہو اس پر آپ کو ترس آ رہا ہے اس پر آپ کا دل کڑھتا ہے اس سے آپ کو ہمدردی ہے کتنی اچھی ہیں آپ! کتنے اونچے خیالات ہیں آپ کے۔ لوگ کہتے ہیں کہ حسن قاتل ہوتا ہے لیکن میرے سامنے جو حسن کھڑا ہے وہ تو مسیحا ہے — کم از کم میرے لیے"

"تم نے میری تعریف کیوں شروع کر دی؟"

"اس لیے کہ آپ تعریف کے قابل ہیں"

"نہیں میری تعریف نہ کرو مجھے برا لگتا ہے"

لوگ اپنی تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں آپ اپنی برائی سنتے پر مصر ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آئی یہ بات!"

بات یہ ہے جسے دیکھو میری تعریف کرتا رہتا ہے۔ دشمن خسرو خاں کی فوج

میں ایک بڑے منصب پر مقرر ہوا ہے اس کی زبان بھی ہر وقت میری تعریف میں تر رہتی
ہے۔ میری بہن رادھا کے شوہر میرا چند کو تم جانتے ہی ہو ان کا چھوٹا
بھائی ہے موتی لال جب دیکھو جب شیاما کی تعریف کر رہا ہے۔ جانتے ہو کیوں؟

"میں نہیں جانتا"

"اس لیے کہ یہ سب خوشامدیں کر کے ڈورے ڈالنا چاہتے ہیں مجھ پر"

"ڈورے ڈالنا چاہتے ہیں آپ پر؟"

"ہاں جیسے میں ان کی باتوں میں آ ہی جاؤں گی۔ اصل مطلب تو کچھ اور ہی ہے
ان سب کا!"

"شادی کرنا چاہتے ہوں گے آپ سے؟"

جی ہاں جیسے میں کر ہی لوں گی۔ ان سے سخت نفرت ہے مجھے۔ وہ موتی لال
جو ہے۔ بنتا بہت ہے صورت نہ شکل بہاڑ سے نکل سمجھتا ہے اپنے آپ کو کرشن
مراری"

"بہرحال وہ وزیر اعظم کا بھائی ہے اس کی رفیق حیات بن کر آپ خوش
رہیں گی"

"کیا دولت، محل، گاڑی، گھوڑے، ہاتھی ان چیزوں سے عورت خوش
ہو سکتی ہے؟"

یقیناً خوش ہونا چاہیے۔ انہیں چیزوں کے لیے مرد ایمان بیچتا ہے عورت
روپ بیچتی ہے۔ تعجب ہے آپ انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتیں؟"

"قیدی تم بڑے بے وقوف ہو۔ محل، دولت، زیور، گھوڑے، ہاتھی یہ
چیزیں دل سے باہر کی دنیا میں اپنا اثر دکھاتی ہیں"

"اور دل میں؟"

"صرف محبت کا گذر ہوتا ہے۔ کوئی غریب آدمی اگر مجھ سے سچی محبت کرے
تو میں موتی لال کے محل سے اس کی جھونپڑی میں رہ کر خوش ہوں گی۔

"تو کیا وہ آپ سے محبت نہیں کرتا؟"

"بالکل نہیں کرتا۔ وہ میرے روپ سے محبت کرتا ہے کل اگر میں بدصورت
ہو جاؤں تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے گا اس کی آنکھ میں ہوس ناچتی ہے۔
محبت کا جذبہ نظر نہیں آتا۔

"اور چھمن ــ؟"

"وہ بھی اپنی مایا کے بل پر مجھے خریدنا چاہتا ہے۔ میں بک نہیں سکتی!

زندگی میں پہلی مرتبہ ایک عورت کی زبان سے اتنے ستھرے، اتنے اونچے اور
اتنے پاکیزہ خیالات میں نے سنے ہیں۔ کانوں پر یقین نہیں آتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے
یہ خواب کی باتیں ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ قید کی حیثیت سے اس گھر میں رکھا گیا
ہوں!

اور میرا دل بھی تمہیں دیکھ کر ایسا محسوس کرتا ہے، میرا دل ایسا محسوس کرتا ہے

"کیا محسوس کرتا ہے ــ؟"

"جیسے میں نے وہ آدمی پا لیا جس کی مجھے تلاش تھی ــ یہ آدمی بادشاہ کے
سامنے ڈر سے کانپتا نہیں بلکہ اس کے منہ پر اپنے باغی ہونے کا اعلان کرتا ہے۔
وہ وزیر اعظم کے سامنے رسیوں میں جکڑا کھڑا تھا مگر اس نے ہمت نہ ہاری اور خود
وزیر اعظم پر حملہ کر بیٹھا۔ وہ بھی ایسا بھرپور کہ اگر ہم لوگ نہ پہنچ جاتے تو شاید ان
کا خاتمہ ہو جاتا۔ پھر سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا موت اس کے سامنے کھڑی تھی مگر
یہ نہ دہشت زدہ تھا نہ مرعوب۔ اب یہ قید میں ہے۔ رہائی کی کوئی امید نہیں لیکن بیقرار ہے نہ
مضطرب، خود اس کی ہر چیز لٹ گئی

مگر اسے اتنی پرواہ بھی نہیں جتنی کسی آدمی کو ایک آنہ گم ہو جانے کی ہوتی ہے اور سب
سے بڑھ کر یہ کہ ایک ایسی لڑکی کے سامنے کھڑا گفتگو میں مصروف ہے جس کے
ہم قوم اور ہم خاندان نوجوان جب بھی اس سے ملتے ہیں تو ایسی نگاہوں سے دیکھتے
ہیں جن میں ہوس رقص کرتی نظر آتی ہے جب بھی باتیں کرتے ہیں تو لگاوٹ

ہے مگر یہ شخص ؟۔ اس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو تو ہے ہوس کے کانٹے نہیں۔ اس کی آنکھوں میں شرافت ہے۔ شرارت نہیں ہے۔ کیوں قیدی میں غلط تو نہیں کہتی —؟"

"ایک مرتبہ پھر آپ کی عنایت و نوازش کا شکریہ ادا کرتا ہوں!"

"شکریہ نہ ادا کرو۔ بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتی ہوں، تمہارے کیا کام آ سکتی ہوں؟"

"ایک قیدی خدمت لینے کا حق نہیں رکھتا!"

"قیدی — ہاں تم قیدی ہو میں تمہیں رہا کر سکتی ہوں!"

"آپ! مجھے رہا کر دیں گی؟"

"ضرور کر دوں گی!"

"لیکن اس کا انجام کیا ہوگا؟"

"انجام یہ ہوگا کہ تم آزاد ہو جاؤ گے!"

"اور میری جگہ آپ قید ہو جائیں گی!"

"مجھے کوئی قید نہیں کر سکتا!"

"بے شک آپ وزیر کی بہن ہیں، لیکن اسے نہ بھولئے کہ میں بہت خطرناک قیدی ہوں۔ میری رہائی پر خسرو خاں قیامت ڈھا دے گا۔"

"ڈھا دے —"

"وہ ہرگز معاف نہیں کریگا!"

"اس سے معافی مانگنے جائیگا کون؟"

"میری رہائی اس کی موت کا پیش خیمہ ہوگی اور موت سے بچنے کے لئے وہ سارے شہر کو قتل کر دینے میں بھی وہ تامل نہیں کریگا!"

"خسرو خاں کیا کرے گا اس کی فکر آپ کو کیوں؟"

"اس لئے کہ اس کا اثر آپ کی ذات پر پڑے گا"

"میری ذات پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟"

"وہ کسی نہ کسی طرح معلوم کر لے گا، میری رہائی کس طرح عمل میں آئی ہے اور پھر بہیرا جیند کو برخاست کر دیگا۔ اس گھر پر ہل چل جائیگا، شیاما بولی۔

"اور کیا کیا ہوگا —؟"

"آپ گرفتار کر لی جائیں گی!"

"پھر کیا ہوگا؟"

"آپ پر ناقابل برداشت مظالم توڑے جائیں گے!"

"قیدی تم نے جو کچھ کہا میں نے سن لیا میرا خیال ہے کہ تمہارے اندیشے غلط اور بے بنیاد نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود میں اپنے عہد پر قائم ہوں!"

"کس عہد کا ذکر کر رہی ہیں آپ؟"

"تمہیں رہا کرنے کا!"

"کیا آپ نے مجھے اتنا خود غرض سمجھ رکھا ہے کہ اپنی رہائی کے لئے آپکی اور آپ کے خاندان کی زندگی خطرے میں ڈالدوں ایسا کبھی اور کسی قیمت پر نہیں ہو سکتا ہے!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رادھا ادھر سے گزری اس نے ایک نظر شیاما اور قیدی پر ڈالی پھر کہنے لگی۔

"اب تک یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟ چلو!"

شیاما نے دزدیدہ نگاہوں سے حسام الدین کو دیکھا اور رادھا کے ساتھ چلی گئی۔

ان دونوں کے جانے کے بعد حسام الدین نے موجودہ حالات پر غور کرنا شروع کیا۔ اس نے سوچا گو شیاما کی پیشکش قبول نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اس قید خانے سے جلد از جلد نکل جانا میرے لئے ضروری ہے۔ دلّی کے باشندوں کو غاصب خسرو خاں کے خلاف اگر جلد از جلد متحد و منظم نہ کیا گیا تو غازی ملک اور جونا خاں کی مجاہدانہ کوششیں اکارت جائیں گی اور اگر یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی تو خسرو خاں کی حکومت مستقل ہو جائے

گی اور ہندوستان سے مسلمانوں کی حکمرانی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ رہائی کس طرح حاصل کی جائے؟ شیاما کی مدد سے مستغنی ہو کر رہائی کا حاصل کرنا تو کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے؟

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ایک مسلح سپاہی پہرہ دار کی حیثیت سے دروازہ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا حسام الدین نے اس سے پوچھا کیا تمہارے ذمہ میری نگرانی کی گئی ہے؟ پہرہ دار نے مونچھوں پہ تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ ہاں مہادیو کی نگرانی سے کوئی قیدی کبھی فرار نہیں ہو سکتا۔!"

حسام الدین نے اسے بناتے ہوئے کہا تمہارا نام مہادیو ہے بھلا تمہاری گرفت سے نکل کر کون جا سکتا ہے؟

مہادیو نے اور زیادہ اکڑ کر کہا۔ اور اگر کوئی ایسی کوشش کرے تو مہادیو اس کا سر قلم کر دے گا"

حسام الدین ہنسنے لگا۔ اس نے کہا بڑے بہادر معلوم ہوتے ہو، ہونا بھی چاہیے موٹے اتنے ہو کہ، اگر کسی پر گر پڑو پس جائے بے چارا"

مہادیو کھلکھلا کر ہنس پڑا اور موٹا تو ہوں لیکن میرے بدن پر گوشت کے جو بوٹے نظر آرہے ہیں وہ پتھر کے ہیں۔

حسام الدین نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ضرور ہوں گے اسی لیے تمہیں دیکھ کر میرا دل خود بخود لرزنے لگا۔ سوچتا ہوں اگر کہیں میرا تمہارا مقابلہ ہو گیا تو بھاگ بھی نہیں سکوں گا، ڈر کے بیہوش ہو جاؤں گا۔

مہادیو نے توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے زوردار ڈکار لی اور کہا کیا سمجھتے ہو یاروں کو۔ کیوں میاں صاحب زادے کبھی تم نے بھی ریاض کیا ہے؟"

"ہاں کچھ یوں ہی سا؟"

پنجہ بھی لڑایا ہے کبھی؟"

"لڑایا تو ہے لیکن اپنے جیسوں سے تم جیسوں سے نہیں"

مہادیو نے قہقہہ لگاتے ہوئے حسام الدین کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہا لگاؤ زور لگاؤ۔

حسام الدین نے جھجک کر ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور کانوں پر ہاتھ رکھ کے کہنے لگا معاف کرو بابا۔ اپنے میں یہ دم خم کہاں؟

کچھ فخر کچھ ناز، کچھ غرور کے ساتھ مہادیو نے اصرار جاری رکھا۔ دونوں کے پنجے مل گئے۔ حسام الدین نے کہا اگر مروڑ سکتے ہو مروڑ دو۔

اب تک حسام الدین کی گفتگو میں جس انکسار فروتنی اور نیازمندی کی جھلک نظر آرہی تھی وہ دفعتاً غائب ہو گئی اور مہادیو لے ایسا محسوس کیا جیسے حسام الدین اسے چیلنج دے رہا ہے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ برہمی کے عالم میں اس نے پنجہ مروڑنا شروع کر دیا لیکن جنبش بھی نہ دے سکا کئی منٹ تک زور آزمائی کرنے کے بعد وہ پسینے پسینے ہو گیا اور تھکے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کسی استاد سے یہ ہنر سیکھا ہے"

یہ کہہ کر حسام الدین کے پنجے سے اپنا پنجہ باہر نکالنے کی کوشش کی لیکن ایسا محسوس ہوا جیسے آہنی شکنجے میں اس کی انگلیاں پھنس گئیں۔ اس نے حیرت سے اپنے دبلے پتلے کمزور و نحیف حریف کو دیکھا اور پوچھا یہ کیا؟

حسام الدین نے فاتحانہ تبسم کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ایک ہاتھ سے تالی کیسے بج سکتی ہے۔ خود تو زور کر چکے اب یاروں کا زور بھی دیکھ لو۔

یہ کہہ کر اس نے مہادیو کا پنجہ جو مروڑا تو آن کی آن میں پہنچا اتر گیا اور مہادیو اتنے زور سے چیخا کہ محل کی بہت سی باندیاں غلام نوکر چاکر جمع ہو گئے۔ مہادیو زمین پر پڑا تھا اور اس کی چیخ آسمان تک جا رہی تھی۔ ذرا دیر میں شیاما بھی آگئی۔ رادھا بھی پہنچ گئی۔ ہیرا چند بھی تشریف لے آئے۔ استفسار پر مہادیو نے اپنی داستان درد رو رو کر خود ہی سنائی۔ سب ہنسنے لگے۔ شیاما نے مسکراتے ہوئے کہا اب کوئی

دن کشتی کا بھی کر لو۔ ہیرا چند نے شیاما سے کہا۔

"کیا مہادیو کی جان لینا چاہتی ہے؟" وہ بولی اتنا موٹا آدمی بھی مار سکتا ہے۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ مہادیو ہمارے سامنے ایک دفعہ پھر پنجہ لڑاؤ۔ مہادیو نے کہا اچھا ہو لینے دو اس کی گردن نہ توڑی تو مہادیو نام نہیں۔

حسام الدین نے اکساتے ہوئے کہا۔

"تو کیا بیمار ہو تم؟ ۔ کیا مرد بھی بیمار پڑتے ہیں؟"

شیاما نے بھولے پن سے پوچھا

کیوں نہیں پڑتے؟ بیماری کسے چھوڑتی ہے؟ ایسا بڑا بول تو نہ بولو۔

حسام الدین نے جواب دیا۔

جو مرد ہوتے ہیں وہ بیماری کو موقعہ ہی نہیں دیتے، وہ بیماری کے بجائے موت کو دعوت دیتے ہیں وہ چارپائی پر ایڑیاں نہیں رگڑتے میدانِ جنگ میں سر کٹاتے ہیں۔ کیوں مہادیو؟"

مہادیو کے لئے انکار کرنا ممکن نہ تھا کہنے لگا "بے شک"!

حسام الدین نے کہا۔

"پھر تم بیمار نہیں ہو۔ آؤ میدان میں ہو جائیں دو دو ہاتھ"!

مہادیو نے میدان چھوڑتے ہوئے کہا۔

یہ قید خانہ ہے، لڑائی کا میدان نہیں"

مہادیو چلا گیا اور اس کی بزدلی پر شیاما کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مہادیو اندھوں میں کانا راجہ تھا"!

وہ اپنے سٹاپے کو قوت اور طاقت سمجھتا تھا، اس کا بھاری بھرکم جسم دیکھ کر لوگ سہم جاتے تھے، اسے اپنے بارے میں غلط فہمی ہو گئی تھی،

لیکن آج یہ غلط فہمی رفع ہو گئی۔!

ہمیشہ کے لئے"!

(۷)

"وہ کون تھی؟"

گوپال خوش خوش خسرو کے پاس واپس آیا، وہ انتہائی بے کلی اور اضطراب کے ساتھ ہمہ تن چشم شوق بنا اس کا انتظار کر رہا تھا، اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہو گیا، دو قدم آگے چل کر بالکل اس کے پاس پہنچ گیا اور والہانہ انداز میں پوچھا۔

"گوپال تم آ گئے؟۔ کہو اس غارت گر صبر و تکیب کا کچھ پتہ چلا؟"

گوپال نے پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا، "کنوئیں میں بانس ڈالے ہیں جب پتہ چلا ہے جہاں پناہ؟"

خسرو خاں پر جوشِ مسرت سے دیوانگی کی کیفیت طاری ہو گئی، کہنے لگا۔

تم نے پتہ چلا لیا گوپال؟۔ "کتنے اچھے ہو تم، کتنا خیال رکھتے ہو ہمارا؟ ہم تمہیں انعام دیں گے، جاگیر دیں گے، مالا مال کر دیں گے، بتاؤ وہ کون ہے؟"

گوپال نے بڑے اطمینان کے ساتھ عرض کیا: جہاں پناہ وہ تو لقمۂ تر ہے۔ اس کے حصول میں کسی طرح کی دشواری پیش ہی نہیں آ سکتی۔ ہم نے اسے نہ جانے کیا سمجھ رکھا تھا وہ تو۔

خسرو خاں اس طول کلام سے گھبرا گیا، "یہ طویل تقریر کا موقع نہیں ہے تفصیلاً باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ جو کچھ تم معلوم کر آئے مختصر طور پر وہ بتا دو"

گوپال نے بتانا شروع کیا "جہاں پناہ وہ لالہ رگھوبل کی لڑکی ہے"۔

"رگھومل کون ہے؟ — ہم نہیں جانتے۔ بہرحال وہ دلی ہی کا رہنے والا ہوگا؟"

"جی ہاں" وہ غلام اس شہر کا قدیم باشندہ ہے۔ کروڑپتی ہے۔ بہت بڑا سیٹھ ہے، ساہوکار ہے۔ سوداگر ہے دھن برستا ہے کمبخت کے گھر میں —

"کیوں اتنی لایعنی باتیں کیے جا رہے ہو؟" وہ اگر کروڑپتی ہے، تو کیا ہم غریب ہیں؟ جو مانگے گا پائے گا —

"بے شک، کیا شبہ ہو سکتا ہے اس میں ہمارے سلطان کی دریادلی مشہور خاص و عام ہے۔ یہاں فقیر آتے ہیں اور امیر بن کر واپس جاتے ہیں اور خود رگھومل کے لیئے بھی اس سے بڑھ کر شرف کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ جہاں پناہ اس کے داماد بن جائیں"

"ٹھیک کہتے ہو!"

"وہ اشارہ پاتے ہی اپنی لڑکی کو لے کر محل سرا میں حاضر ہو جائیگا!"

"تو بلاؤ رگھومل کو، ہم پیام دیں گے" — "لیکن یہ تو بتاؤ اس کی شادی ہو چکی ہے یا نہیں؟"

"نہیں جہاں پناہ اس کی شادی نہیں ہوئی ہے!"

"شاید برابر کا کوئی آدمی نہ ملا ہوگا!"

"یہ بات بھی نہیں جہاں پناہ"

"پھر کیا بات ہے؟ کیوں نہیں ہوتی اس کی شادی؟"

"اب تک جتنے رشتے آئے سب کو اس نے نامنظور کر دیا!"

"آخر رگھومل کیا چاہتا ہے؟ کس کے ساتھ اپنی لڑکی بیاہنا چاہتا ہے؟ کیا کسی بادشاہ کے ساتھ؟ اگر یہ بات ہے تو بھی اس کی دیرینہ حسرت پوری ہو گئی، جاؤ اسے خوشخبری دو کہ سلطان خسرو خاں نے اس کا داماد بننا منظور کر لیا ہے —

"جہاں پناہ یہ بات نہیں ہے کہ آئے ہوئے رشتے رگھومل نے نامنظور کر دیئے ہوں!"

"پھر کس نے نامنظور کیے؟"

"رگھومل کی لڑکی نے!"

"کیا کہا؟"

"جی ہاں، — بڑی خودسر، شوخ مزاج اور سرکش واقع ہوئی ہے!"

"شوخ مزاجی تو ہم دیکھ چکے ہیں، سرکش اور خودسر بھی ہوگی!"

"لیکن اگر اس نے جہاں پناہ کے معاملہ میں بھی خودسری اور سرکشی کا مظاہرہ کیا تو کیا ہوگا؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"اگر اس خودسر اور سرکش لڑکی نے جہاں پناہ کو نامنظور کر دیا تو؟"

"(غصّہ کے عالم میں) کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے۔؟"

"اس کے مزاج سے کچھ بعید تو نہیں معلوم ہوتا!"

"نہیں گویا یہ تمہاری حماقت ہے جو ایسی ناممکن بات سوچ رہے ہو!"

"بجا ارشاد ہوا جہاں پناہ؟"

"سلطان خسرو خاں اگر قطب الدین خلجی کا تخت چھین سکتا ہے، اگر حرم سلطانی کی بیگمات کو اپنے حرم میں داخل کر سکتا ہے تو اس کے سامنے رگھومل کی کیا حیثیت ہے!"

"کچھ بھی نہیں جہاں پناہ!"

"پھر تم نے اس اندیشہ کا اظہار کیوں کیا؟"

"اس لیے کہ سنا ہے وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی!"

"نہ لاتی ہوگی، — مگر اب لانا ہوگا!"

"بے شک، بے شک، — جہاں پناہ کا ارشاد بالکل بجا اور درست ہے!"

"رگھومل کہاں رہتا ہے؟"

"وہ کوٹلے کے قریب ہی رہتا ہے!"

"تو اسے فوراً ہمارے حضور میں طلب کرو!"

"لیکن اس کے طلب کرنے سے کیا ہوگا؟ یہ کام ہیرا چند سے ہو سکتا ہے اور وہی سب مرحلے طے کر لیگا!"

"ہیرا چند! ۔ اس معاملہ کا ہیرا چند سے کیا تعلق ہے گوپال؟"

"مرشیا ما رادھا کی بہن ہے۔ اور رادھا ہیرا چند کی بیوی ہے۔ بہن بہن میں بہت محبت ہے۔ زیادہ تر وہ رادھا کے پاس رہتی ہے" "آج کل بھی وہیں مقیم ہے"!

"خوش ہو کر" پھر تو سارا معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔ ہیرا چند ہماری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا!"

"غلام کے عرض کرنے کا مطلب بھی یہی تھا!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ہیرا چند آتا ہوا نظر آیا۔ گوپال نے کہا۔

"جہاں پناہ ہیرا چند"

جہاں پناہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ہیرا چند آیا، تسلیمات بجالایا، پھر ادب سے کمر خم کر کے کھڑا ہو گیا۔ خسرو خاں نے لطف و عنایت کے لہجہ میں کہا!

"ہیرا چند تم کھڑے کیوں ہو آؤ بیٹھو!"

ہیرا چند کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ آج تک تو ایسا نہیں ہوا تھا کہ کوئی وزیر بادشاہ کے سامنے بیٹھا ہو۔

ہیرا چند کا جواب نہ پا کر خسرو خاں اٹھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس مسند شاہی پر بٹھا لیا۔

یہ ایک اعزاز تھا جو آج تک کسی بادشاہ کی طرف سے کسی وزیر کو نہیں ملا تھا! ہیرا چند پر فخر و نشاط کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ سوتے جاگتے کا قصہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے!

گوپال نے رشک اور حسرت کے ساتھ کہا، ہیرا چند کتنے خوش قسمت ہو تم جہاں پناہ اپنے پاس، اپنی مسند پر، اپنے پہلو میں تمہیں جگہ دیتے ہیں یہ اعزاز آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوا تھا یہ فخر صرف تمہیں کو حاصل ہوا ہے!"

ہیرا چند نے گوپال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "بادشاہوں کی یہ ذرہ نوازی ان کے اقبال و عروج کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ بادشاہ کے سامنے میری حیثیت ایک فقیر بے نوا سے زیادہ نہیں ایک فقیر کو اس طرح نواز کر اس نے رعایا کا حوصلہ بڑھا دیا ہے۔ ہر شخص ہیرا چند کا سا وفادار بن کر اس کی جگہ لے سکتا ہے۔ ہیرا چند بن سکتا ہے!

خسرو خاں ہنسنے لگا۔ اس نے گوپال سے کہا کتنے پتہ کی بات کہی ہے تمہارے دوست نے! ۔ واقعی ہیرا چند کی وفاداری پر ہمیں فخر ہے۔ وہ ہماری خوشی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا سکتا ہے۔

ہیرا چند نے خوشی کے عالم میں کہا "ہیرا چند اپنے آقا کے پسینے پر خون بہا سکتا ہے"

خسرو خاں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا ہمیں یقین ہے تم سچ کہہ رہے ہو"

— کیوں ہیرا چند اس مسلمان قیدی کا کیا حال ہے؟"

"وہ مجبوس بلا ہے جہاں پناہ!"

"راہ راست پر آیا؟"

"ابھی تک تو نہیں!"

"اسے راہ راست پر آنا چاہیے، ۔ ہیرا چند ہم آج رات کو تمہارے ہاں آئیں گے، ہمارے سامنے اسے پیش کرنا!"

گوپال نے لقمہ دیا گویا آج "گویا آج وزیر اعظم کے یہاں جہاں پناہ کی دعوت ہے"

خسرو خاں نے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے!" اور ہمیں امید ہے ہیرا چند تمہیں بہتر سے بہتر کھانے کھلائے گا!"

ہیرا چند نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "بشرطیکہ جہاں پناہ بھی نوش فرمائیں!"

خسرو خاں نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا "دنیا کے ہر شخص کی دعوت رد کی جا سکتی ہے لیکن ہیرا چند کی نہیں!"

جیالا قیدی

سلطان والا خان خسرو خاں کی آج ہیراچند کے یہاں دعوت تھی!-
بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیئے!

ہیراچند نئی حکومت سے پہلے بھی خوش حال آدمی تھا اور نئی حکومت نے تو اسے آسمان پر پہنچا دیا، پہلے وہ وزیر بننے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا اب وزیر اعظم تھا، پہلے وہ امرائے دولت، اعیان حکومت اور وزرائے مملکت کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا، اب یہ سب اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے، پہلے وہ کسی کا مقدر بدلنے کا یارا نہیں رکھتا تھا اور اب پورے ملک کی قسمت اس کے ہاتھ میں تھی، پہلے اس نے سونے اور چاندی کو دیکھا نہیں تھا، اب سونے اور چاندی سے لبالب خزانہ اس کے تصرف میں تھا پہلے وہ ایک معمولی سے گھر میں رہتا تھا اب ایک قصر فلک نما اس کی اقامت گاہ تھا پہلے وہ بادشاہ کی ڈیوڑھی کے پاس سے بھی نہیں گذر سکتا تھا آج بادشاہ اس کے گھر مہمان بن کر آ رہا تھا - کلاہ گوشہ دہقان بہ آفتاب رسید!

"رادھا ایک دولت مند باپ کی بیٹی تھی، لیکن یہ باپ جتنا زیادہ دولت مند تھا اتنا ہی زیادہ کنجوس بھی تھا، برابر کے آدمی سے شادی کرتا، تو جہاں رادھا رانی بن کر رہتی وہاں سیٹھ صاحب کو سونے اور چاندی سے بھری ہوئی تھیلیوں کا منہ کھولنا پڑتا اور اس کے لیئے وہ قطعًا تیار نہ تھے، ہیراچند غریب تھا

اگر اس نے کچھ دیا نہیں تو لیا بھی نہیں۔ دھوم دھڑاکے سے اگر بارات لے کر نہیں آیا تو گاڑیوں پر لاد کر جہیز بھی نہیں لے گیا- حساب کتاب برابر ہو گیا!

لیکن ہر انسان کا مقدر جدا ہوتا ہے'!

رادھا ہیراچند کے گھر ایک معمولی لڑکی کی طرح آئی، اور کچھ ہی دن بعد مقدر کا ستارہ چمکا تو وزیر اعظم کی بیوی بن گئی - اب سیٹھ صاحب کی دولت اس کے سامنے دو کوڑی کی تھی"

اور یہ شیاما؟ - ہاں یہ بڑی چنچل اور الھڑ طرار لڑکی تھی، کنجوس باپ سے جب اور جتنا چاہتی خرچ کرا دیتی، وہ لاکھ لاکھ انکار کرنے کا ارادہ کرتے، لیکن آنکھیں چار ہوتیں، مسکرائے اور جو اس نے مانگا پایا -

سارا گھر اس بات پر حیرت میں تھا کہ جس باپ نے رادھا کو ایک ہزار کا زیور بھی دیا رخصتی کے وقت نہ دیا، وہ شیاما کے لیئے لکھ لٹ کیوں بن گیا ہے اس کی ایک ایک فرمائش پر آنکھ بند کر کے ہزاروں روپے کس طرح خرچ کر دیا ہے — مگر اپنا اپنا مقدر، رادھا کا نصیب وہ تھا، شیاما کا یہ'!

اور ان دونوں بہنوں میں محبت بھی بہت زیادہ تھی!

جب تک رادھا ایک معمولی شوہر کی بیوی تھی اس نے شیاما کو مہمان بنا کر رکھنے کی کبھی جرأت نہ کی، یہ دوسری بات ہے خود شیاما جب چاہتی چلی آتی اور جب تک چاہتی رہتی، لیکن جب سے وہ وزیر اعظم کی بیوی بنی تھی، تقریبًا مستقل طور پر اس نے شیاما کو اپنے ہاں رکھ چھوڑا تھا! سیٹھ صاحب بھی خوش تھے چلو بلا ٹلی! روز روز کی دیوالیہ کر دینے والی فرمائشوں سے جان چھٹی اب رادھا جانے اور وہ'!

اور واقعی رادھا نے اسے ماں کی طرح رکھا، اس کے اشارے کو سمجھ لیتی اور جو خواہش ہوتی چاہے کچھ ہو جائے اسے پورا کر کے رہتی!

بڑے مزے میں گذر رہی تھی دونوں بہنوں کی!

اور اب شیاما کو ایک دلچسپ مشغلہ ہاتھ آگیا تھا۔

حسام الدین،!

اس شخص سے اس کی دلچسپی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی، اپنی مختصر سی زندگی میں اس نے بہت سے آدمی دیکھے تھے، لیکن اس شخص سا کوئی آدمی نظر سے نہیں گزرا تھا۔ کیا تیور تھے، کیا شان تھی، کیا جلال تھا، کیا جمال تھا!

اس وقت بھی وہ اپنے قیدی کے پاس تھی اور اس سے باتیں کر رہی تھی، اس نے تقریباً خفا ہوتے ہوئے کہا۔

"قیدی تم میری بات کیوں نہیں مان لیتے؟"

حسام الدین نے زیرِ لب تبسم کے ساتھ کہا: "کیا کوئی ایسی بھی بات ہو سکتی ہے جو آپ کہیں اور میں نہ مانوں —؟"

اس جواب سے وہ خوش ہو گئی، اس کا چہرہ دہکنے لگا، شرم کی سرخی سی آگئی رخسار پر۔ پھر وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"تو پھر بھاگ کیوں نہیں جاتے؟"

وہ گویا ہوا۔ پھر آپ کے دل میں میری عزت نہ رہے گی، آپ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گی —

قطع کلام کرتی ہوئی وہ بولی کچھ دیوانے ہوتے ہو؟ میرے دل سے تمہاری عزت نکل سکتی ہے، میں اور تم سے نفرت کروں؟ ملے

"تو کیا ایک بھگوڑے کی بھی آپ عزت کر سکتی ہیں؟"

بھگوڑا کیسا؟ دشمن اگر کسی پر غالب آجائے اپنے آدمیوں اور اسلحہ کی کثرت کے بل پر تو کیا مغلوب کا فرض ہے کہ اپنی گردن کٹانے کیلئے آگے کر دے؟"

"کیا کرنا چاہئے اسے؟"

"جان بچانے کا ہر جتن کرنا چاہئے!"

"اس میں بھاگنا بھی شامل ہے؟"

"کیوں نہیں ہے ؟" — بھگوڑا تو وہ ہوتا ہے، جو لڑ سکتا ہو مگر ہمت ہار کر بھاگ کھڑا ہو!"

"نہیں شیاما! مجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا!"

"یہی تو پوچھتی ہوں کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"آپ کی تجویز قابلِ غور ضرور ہے، مگر افسوس قابلِ عمل نہیں!"

"پھر وہی —"

دیکھئے تو سہی، اس طرح آپ گرفتارِ مصیبت ہو جائیں گی!"

"آخر تمہیں میری اتنی فکر کیوں ہے؟"

"کیا مجھے بھی آپ کی فکر نہ ہونی چاہیے؟"

"ان الفاظ میں نہ جانے کیسا جادو تھا یہ سن کر خود شیاما کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکی خاموش ہو گئی۔ حسام الدین نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر اس طرح بچ سکوں کہ آپ پر کوئی حرف نہ آئے کوئی بات نہیں کہ لیکن اپنی جان سلامت لے جاؤں، اور آپ کے لئے ایک آفت کھڑی کر جاؤں؟ یہ کس دل سے کر سکوں گا؟ — معاف کیجئے میں ہرگز نہیں کر سکوں گا۔ اور اب تو مہادیو بھی آگیا ہے"،

مہادیو کا نام سنتے ہی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی کہنے لگی،

"وہ بیچارہ مہادیو — اب تک پنجے کی مالش کر رہا ہے کیا آپ کے ہاتھ لوہے کے بنے ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں، — صرف دشمن کے لئے"؛

"اور دوستوں کے لئے؟"

"مخمل کے، ریشم کے"،

وہ پھر ہنس نے لگی: "واہ یہ بھی اچھی کہی، کہیں کسی کے ہاتھ مخمل یا ریشم کے بھی ہوتے ہیں آج تک؟"

وہ گویا ہوا، اگر کسی کے ہاتھ لوہے کے ہو سکتے ہیں تو مخمل یا ریشم کے کیوں نہیں ہو سکتے؟"

وہ بولی میں کیا جانوں وہی مہادیو کہہ رہا تھا، اس آدمی کے ہاتھ لوہے کے ہیں!

اب کیا حال ہے مہادیو بہادر کا؟"

"پہلے سے اچھا ہے لیکن غالباً اب ڈیوٹی پر نہیں آئے گا، یعنی آپ کے دروازے پر پہرا نہیں دے گا!"

"یہ کیوں؟"

وہ کہتا ہے کسی دن اگر اس شخص نے گلا گھونٹ دیا تو کیا ہوگا؟ پھر میری بیوی کیا کرے گی؟"

حسام الدین ہنسنے لگا، شیاما اُسے ہنستا دیکھ کر خوش ہو گئی، پھر پوچھا "آپ ہنستے ہیں؟"

اس نے جواب دیا، کیوں نہ ہنسوں؟"

وہ کہنے لگی، جس شخص کے سر پر موت کھڑی ہو، جس کا سب کچھ چھن چکا ہو، جو قید خانے میں قید ہو، جسے رہائی کی کوئی آس نہ ہو، وہ کس طرح ہنس سکتا ہے سمجھ میں نہیں آتا!"

حسام الدین نے مطمئن لہجے میں کہا، ایک مسلمان اور غیر مسلم میں یہی فرق تو ہے!"

"کس طرح کا فرق؟"

"یہ کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا، ہر وقت اس کے استقبال کے لئے تیار رہتا ہے۔ اور ایک کافر، موت کے نام سے مرنے لگتا ہے؟"

"ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"اس لئے ہوتا ہے کہ مومن خدا کے لئے جیتا ہے اور خدا کے لئے مرتا ہے۔"

"اور کافر؟"

"وہ زندگی پر جان دیتا ہے۔ لہٰذا جب موت سامنے آتی ہے، تو ہمت ہار جاتا ہے!"

"ہوگا" چھوڑیئے یہ سب باتیں — یہ بتایئے، کیا ایسی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ آپ میں اور سلطان میں صلح ہو جائے؟"

حسام الدین ہنسنے لگا، اس نے کہا ضرور ہو سکتی ہے؟"

شیاما نے پریشانی کے ساتھ پوچھا "وہ کس طرح؟"

حسام الدین نے بتایا، بڑی آسان صورت ہے خسرو خاں تخت حکومت سے دست بردار ہو جائے، اپنے گناہوں سے توبہ کرے، غلطیوں کا ندامت کے ساتھ اعتراف کرے، اس کی جان بھی بخشی جائے گی اور مال و متاع بھی سلامت رہے گا۔"

یہ بات حسام الدین نے ایسے تیور سے کہی جیسے خسرو خاں اس کے رحم و کرم پر ہے ساری قوت حسام الدین کے ہاتھ میں ہے اس عزم اور ہمت پر دل ہی دل میں شیاما عش عش کر گئی اس نے سوچا واقعی اس کلے ٹھلے اور حوصلہ کا آدمی نہ مر سکتا ہے نہ اُسے شکست دی جا سکتی ہے، نہ اسے دہشت زدہ اور مرعوب کیا جا سکتا ہے!

یہ سب سوچنے کے بعد اس نے ایک سوال اور کیا،

"اگر آپ خسرو خاں کی جگہ ہوتے تو ایسا کرتے؟"

حسام الدین ہنس پڑا، اس نے کہا "یہ کیسا سوال کیا آپ نے؟"

وہ بولی، مجھ سے جواب لینے کے بجائے آپ خود جواب دیجئے!"

وہ کہنے لگا "میں ایسی نامعقول حرکت ہی نہیں کر سکتا تھا۔"

"کیا بادشاہت چاہنا غیر معقول حرکت ہے؟"

بادشاہت چاہنا تو بڑی اچھی بات ہے "لیکن نمک حرامی کر کے بادشاہ بننا انتہائی نامعقول جرم ہے، جسے کبھی اور کسی حالت میں معاف نہیں کیا جا سکتا!"

"معاف نہیں کیا جا سکتا؟"

"ہاں —"

"لیکن اسے معاف کرنا یا نہ کرنا آپ کے اختیار میں کب ہے؟"

"آج نہیں ہے کل ہو جائے گا؟"

"یہ کیسے جانا آپ نے؟"

"اس لئے کہ نمک حرام اور غاصب کبھی پنپ نہیں سکتا!"

"وہ غاصب کیسے ہوگیا!"

اس نے قطب الدین خلجی کی حکومت پر زبردستی قبضہ کیا ہے؟"

"تو یہ کون سی نئی بات ہے؟ — کیا قطب الدین کو چھینی ہوئی حکومت نہیں ملی تھی؟" کیا اس کے باپ نے اپنے ماموں سرپرست اور مربی سے حکومت نہیں چھینی تھی؟ — یہ تو سدا سے ہوتا آیا ہے کہ ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ ایک تباہ ہوتا ہے، دوسرا خوش حال بن جاتا ہے، کسی کی تباہی، دوسرے کی خوش حالی کا پیش خیمہ ہوتی ہے زمین نہ کھدے تو مٹی کہاں سے آئے؟ مٹی آگ میں نہ جلے تو اینٹ کیسے بنے؟ اینٹ کو توڑ پھوڑ کر اور جما کر نہ رکھا جائے تو عمارت کیسے تعمیر ہو؟ ایک عمارت اگر قائم رہے تو دوسری عمارت کے لئے کیسے جگہ نکلے؟

"ارے آپ تو بڑی اچھی تقریر کر لیتی ہیں اور وہ بھی بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ —!"

"شکریہ! — لیکن یہ میری بات کا جواب نہ ہوا، میں پوچھتی ہوں دنیا میں ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا۔ اس میں نہ کبھی فرق پیدا ہوا نہ ہوگا؟"

"اچھا صاحب یہی سہی!"

"اب ہار سکے۔ نہیں!"

"نہیں شیاما دیوی آپ کو بھلا کون ٹال سکتا ہے لیکن ایک بات پر آپ نے غور نہیں کیا۔"

"وہ بھی فرما دیجئے!"

"وہ بات بہت سادہ اور معمولی ہے!"

"کیسی ہے، فرمائیے تو سہی، سنوں تو سہی!"

"بات صرف اتنی ہے کہ گو یہ سچ ہے کہ بادشاہ مغلوب ہوتے اور غالب ہوتے رہتے ہیں، آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ ایک کی گردن کٹتی ہے، ایک کے سر پہ تاج رکھا جاتا ہے ایک کا تخت چھنتا ہے، دوسرے کو ملتا ہے، لیکن —

"لیکن کیا، یہ ایک حقیقت ہے!"

بے شک — لیکن پلہ اسی کا بھاری رہتا ہے جو خدا کے بندوں پر ظلم نہ کرتا ہو، انہیں ستاتا نہ ہو، رعایا کے ساتھ مساوی سلوک کرتا ہو، مذہب، نسل، قوم اور رنگ، و خاندان کی بنا پر کسی امتیاز کا حامل نہ ہو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ۔

"ابھی کچھ اور بھی باقی ہے کیا؟"

"جی ہاں صرف ایک بات — اور سب سے بڑھ کر یہ کہ محسن کش نہ ہو، جو بادشاہ ایک دوسرے سے لڑتے ہیں، ان میں کوئی رشتہ احسان کا نہیں ہوتا، ہوتا ہے تو مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، سیاست پر مبنی ہوتا ہے، لیکن قطب الدین کا جو رشتہ خسرو خاں سے تھا وہ تو محبت پر مبنی تھا۔ اسے تلوار سے کاٹ دیا ظالم نے۔

کچھ سوچتی ہوئی گویا ہوئی "ہاں یہ تو ٹھیک کہا آپ نے!"

وہ بولا، اور دوسری ٹھیک بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے دور حکومت میں کبھی ہندوؤں کو نہیں ستایا، ان کے مندر نہیں ڈھائے ان کے مہنتوں پر ظلم نہیں توڑے ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ انہیں محض مذہب کی بنا پر حقیر اور ذلیل نہیں سمجھا اور خسرو خاں کی حکومت کو ابھی صرف دو دن ہوئے ہیں۔ مگر بلی بوریئے سے باہر نکل آئی!"

"وہ کیسے؟ ذرا وضاحت کیجئے!"

"اس کا نام تو اب تک خسرو خاں ہے۔ لیکن یہ پھر سے ہندو بن چکا ہے۔ چنانچہ اب ہو یہ رہا ہے کہ مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند! مسجدوں پر قبضہ، قرآن کی بے حرمتی۔ کیا ان واقعات سے انکار کیا جا سکتا ہے؟"

وہ بولی، "انکار تو نہیں کیا جا سکتا اور واقعی مجھے خود بھی خسرو خاں کی یہ حرکت

سخت ناپسند ہے۔ اگر وہ ہندو ہوگیا ہے تو کھل کر اعلان کر دینا چاہیئے اور اس اعلان کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیئے کیونکہ ان کا برتاؤ ہمارے ساتھ اچھا رہا ہے!"

"اور اس لئے بھی کہ ایک بادشاہ کو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔"

"ہاں یہ بھی درست ہے لیکن ایک بات آپ نے ایسی کہی ہے جو غلط ہے، میں نہیں مانتی اسے۔"

"فرمائیے وہ کون سی بات ہے؟"

"آپ نے ابھی کہا تھا مسلمانوں نے مندر نہیں ڈھائے، مہنتوں پر ظلم نہیں توڑے —"

"یہ غلط ہے؟"

"جی ہاں — یہ غلط ہے!"

"شیاما دیوی آپ کسی بات کے نہ ماننے کا فیصلہ کر لیں تو کون آپ سے منوا سکتا ہے، لیکن اگر آپ سچ کہہ رہی ہیں تو پھر اسی دلی شہر میں اتنے بڑے عظیم الشان اور بہت سے مندر کیسے نظر آ رہے ہیں؟ یہ کیوں نہیں ڈھا دیے گئے —"

شیاما لاجواب ہو کر مسکراتی ہوئی بولی "اس سے کیا ہوتا ہے — اچھا کچھ تھوڑے بہت مندر تو ڈھائے گئے؟" یہ تو مانتے ہیں آپ؟"

حسام الدین نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا، ہاں یہ مانتا ہوں!"

"پھر اس کا سبب؟ — کیا یہ نازوا حرکت نہ تھی؟"

قطعی مناسب تھی، — صرف وہ مندر ڈھائے گئے جو درحقیقت حکومت کے خلاف سازش کے گڑھ تھے ورنہ دوسرے مندروں سے ہرگز تعرض نہیں کیا گیا، —

اتنے میں رادھا آ گئی اور خفا ہوتی ہوئی بولی ہر وقت قیدی بیچارے کا مغز

چاٹا کرتی ہو، کچھ خبر بھی ہے آج بادشاہ سلامت آ رہے ہیں ہمارے گھر!

چلو انہوں نے (دھیراچند) نے بلایا ہے تمہیں۔

شیاما اچھل گئی،

"میں نہیں جاتی!"

"رادھا نے دھکا دیا اور بولی۔

"دیکھی وہ بلا رہے ہیں اور تو نہیں جائے گی؟"

"کیا کروں جا کر؟ وہاں میرا کیا کام؟"

"سب کام تیرے ہی سپرد ہوگا، تجھی کو سب کچھ کرنا پڑے گا!"

"اچھا آتی ہوں تم چلو،!"

"میرے ساتھ چل،!"

"تم ضد کرو گی تو مجھے بھی ضد کرنا آتی ہے،!"

رادھا نے مسکراتے ہوئے اس کی بانہہ پکڑی اور کہا باتیں نہ بنا۔ چپ چاپ چلی چل!

وہ اٹھلاتی ہوئی بہن کے ساتھ چلی گئی،!

اور حسام الدین سوچنے لگا، کتنی معصومیت ہے اس لڑکی میں، کتنا جادو ہے — کتنی سحر طرازی ہے اس کی اداؤں میں،!

---

(۹)

تیاریاں

شیاما خاموشی کے ساتھ رادھا کے ساتھ چلی گئی۔

ہیراچند کا دماغ اس وقت عرش پر تھا، جوشِ مسرت سے بے قابو ہوئے جا رہے تھے شیاما کو دیکھتے ہی نہال ہو گئے کہنے لگے۔

"شیاما آج سلطان آ رہے ہیں ہمارے گھر!"

"شیاما کے چہرے پر کسی طرح کا تاثر ظاہر نہیں ہو رہا تھا، اس نے بے پروائی اور کسی حد تک طنز کے ساتھ جواب دیا۔

"مبارک ــــ وہ آئیں گھر میں تمھارے خدا کی قدرت ہے۔"

ہیراچند ہنسنے لگا اور گویا ہوا "کتنی چنچل ہو تم؟ گھر میرا ہے تمہارا نہیں؟"

وہ بولی "میرے گھر میں بادشاہ بھی میری اجازت کے بغیر نہیں آسکتا!"

وہ چڑتا ہوا بولا "اور اگر آگیا؟"

وہ کہنے لگی "تو ذلیل ہو کر جائے گا!"

ہیراچند نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کانپتے ہوئے کہا "بھگوان کے لیے زبان بند

کرو، کہیں کسی نے سن لیا اور جا کر لگا دیا تو قیامت آجائے گی، ان کے جاسوس کہاں نہیں ہیں؟ حالات اتنے خراب ہیں کہ منہ سے بات نکالتے ڈر لگتا ہے!"

وہ ذرا تند لہجے میں کہنے لگی "بھیّا آپ تو خواہ مخواہ ڈرتے ہیں۔ ہم نے کسی کی خطا کی ہے؟ ہم نے بادشاہ سلامت کے خلاف کوئی سازش نہیں کی، ہمارا ان کے دشمنوں سے ساز باز نہیں؟ جاسوس ہمارے خلاف کیا لگائی بجھائی کر سکتے ہیں؟ اور پھر بھی کرتے ہیں تو کریں، سانچ کو آنچ نہیں!"

ہیراچند کی ساری خوشی ان باتوں سے کرکری ہو گئی، اس نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"حالات بہت بگڑ رہے ہیں!"

وہ بولی "میں جانتی ہوں، لیکن ان میں ہمارا کیا حصّہ ہے؟"

ہیراچند کے منہ سے بے ساختہ نکلا "کچھ نہیں!"

اور پھر وہ کہنے لگا "سنا ہے غازی ملک نے دلّی پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا ہے!"

شیاما مسکراتی ہوئی بولی، یہ بڑی اچھی خبر سنائی آپ نے!"

ہیراچند لرز گیا، اس نے اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی کہ کوئی سُن تو نہیں رہا پھر کہنے لگا "کیوں میرے اور اپنے پیچھے پڑی ہے لڑکی!"

شیاما نے "دیوار ہم گوش دارد" کی پروا کیے بغیر کہا "بھیّا دیکھیے تو سہی پر جا کس مصیبت میں گرفتار ہے، شروع میں مجھے اس انقلاب سے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ مگر اب ــــ

"مگر اب کیا؟"

"مگر اب وہ خوشی کافور ہو چکی ہے۔"

"ایسا نہ کہو، اب اپنا راج ہے، پہلے غیر ہم پر حکومت کرتے تھے!"

"واہ بھیّا آپ بھی اس طرح سوچتے ہیں!"

"تو کیا غلط سوچتا ہوں؟"

"اور نہیں تو کیا؟ ــــ راج وہ اچھا جس میں ہر ایک کو سکھ ملے، غریب لوگ مگن ہوں، ہر شخص آزادی اور بے فکری کی زندگی بسر کرے، چاہے وہ راج غیروں کا ہی کیوں نہ ہو اور جس راج میں مصیبت ہی مصیبت ہو، نہ کسی کی عزت سلامت ہو، نہ جان، نہ مال، نہ آبرو۔ آدمی گھر سے نکلے تو گناہوں سے توبہ کر کے اور بیوی بچوں کو الوداع کہہ کر، ــــ

"یہ کیا بک رہی ہے تو لڑکی ــــ

"بھیّا میں غلط نہیں کہتی آج کل لوگوں کا حال یہی ہے کہ وہ گھر سے یہ سوچ کر نکلتے ہیں کہ نہ جانے اب واپس آنا قسمت میں لکھا ہے یا نہیں؟ ــــ ایسا راج تو ایک لعنت ہے۔ چاہے وہ اپنوں ہی کا کیوں نہ ہو!"

ہیراچند پر ایک مرتبہ پھر لرزہ طاری ہو گیا، اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"چپ لڑکی ــــ

لیکن لڑکی کہاں ماننے والی تھی، وہ تو اس وقت جوش خطابت کا پیکر بنی ہوئی تھی، کہنے لگی۔

"یا تو کوئی بات چھیڑا نہ کرو، یا پھر سب کچھ سننے کے لیے تیار رہا کرو۔"

ہیراچند نے معذرت کرتے ہوئے کہا، "بھئی ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں اب کبھی کوئی ایسی بات نہیں چھیڑیں گے۔ معاف کرو، لیکن جلدی جلدی دعوت کا انتظام مکمل کر ڈالو، سب کچھ تمہیں کو کرنا ہے!"

اس نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا" بے فکر رہیئے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ــــ

جواب دے کر واپس جانے کے لیے اس نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ ہیراچند نے آواز دی۔

شیاما ــــ

وہ پھر آ کر سامنے کھڑی ہو گئی کہنے لگی "پھر نہ کہیئے گا میں نے باتیں شروع

کی ہیں!"

ہیراچند اس وقت سنجیدہ تھا، اس نے سوال کیا۔

"قیدی کا کیا حال ہے؟"

وہ بولی، بہت اچھا!"

ہیراچند نے پوچھا، "آگیا راہ راست پر؟"

وہ کہنے لگی، وہ تو راہ راست پر ثابت قدم ہے، اس کے پاؤں اب تک نہیں ڈگمگائے نہ کبھی ڈگمگائیں گے!"

یہ عجیب سے الفاظ سن کر ہیراچند کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کچھ دیر تک وہ خاموش رہا، پھر گویا ہوا!"

"کس طرح کی باتیں کرتی ہے تو؟"

وہ اٹھلاتی ہوئی بولی بھیّا باتیں تو سچی ہی ہیں میرے دل میں اس کی عزت ہے عظمت ہے۔

ہیراچند کے لیے اس سے زیادہ سننا مشکل ہو گیا اسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش کرتا ہوا بولا۔

"تیرے دل میں اس کی عزت ہے؟ عظمت ہے؟"

بغیر کسی تامل اور جھجک کے شیاما نے کہا، ہاں بھیّا بہت زیادہ!"

"لیکن کیوں؟"

اس لیے کہ وہ بہت اچھا، اور بہت اونچا انسان ہے، میرا بس چلے تو اسے ابھی چھوڑ دوں ــــ

ہیراچند آشفتہ حالی کے عالم میں بولا کیا تو میری جان لینا چاہتی ہے؟"

وہ کہنے لگی" کوئی کسی کی جان نہیں لے سکتا۔ موت اس وقت آتی ہے جب اسے آنا چاہیئے اور پھر اُسے کوئی نہیں روک سکتا، یہ کہنے کی باتیں ہیں کہ فلاں نے مار ڈالا اور فلاں نے جلا لیا!"

شیاما سارے گھر میں سب سے الگ لڑکی تھی اس کی باتیں اس کے انداز واطوار، اس کے طریقے، ہر چیز میں انفرادیت تھی، لیکن آج جس قسم کی باتیں کر رہی تھی یہ بالکل نئی تھیں، اس کے منہ سے ایسی باتیں ہیرا چند نے کبھی نہیں سنی تھیں!

کچھ دیر تک وہ حیرت سے اس کی طرف تکتا رہا۔ پھر آہستہ سے اس نے کہا۔

"خدا کے لئے اپنی زبان بند رکھو شیاما۔ آج سلطان آرہے ہیں، آج مجھے اپنے گھر کی اینٹوں تک سے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں یہ میرے خلاف مخبری نہ کرنے لگیں، اپنے ملازموں پر بھی اعتبار نہیں ہے۔ کیا جانے کوئی سن گن لے رہا ہو، خود اپنے آپ سے گھبرا اٹھتا ہوں۔ خیریت سے سلطان آلیں اور دعوت کھا کر چلے جائیں، پھر جو چاہو کہنا میں شوق سے سنوں گا، لیکن اتنا اس وقت سن لو کہ اس قیدی میں ضرور کوئی ایسی بات ہے جو دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے، میری نظر میں بھی وہ قابل قدر آدمی ہے۔"

وہ مسکرانے لگی، کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ہیرا چند نے کہا۔

"اب مجلس برخاست، اطمینان سے باتیں بعد میں ہوں گی؟"

وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی، کمرہ سے باہر قدم نکالا ہی تھا کہ پھر ہیرا چند کی آواز سنائی دی۔

"دیکھو دعوت ایسی ہو کہ یادگار بن کر رہ جائے!"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

---

(۱۰)

نوک جھونک

شیاما چلی گئی، اور ہیرا چند کو شش و پنج چھوڑ گئی!

شیاما نے جو باتیں سلطان خسرو اور حسام الدین کے بارے میں کی تھیں وہ بظاہر باغیانہ تھیں، لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس تلخی میں سچائی شامل ہے۔

شروع میں وہ دل و جان سے خسرو کا حامی اور معتقد تھا، اس کا خیال تھا۔ کہ مسلمان غیر ملکی ہیں، ان کا مذہب ہمارے مذہب سے جدا ہے ہماری ان کی تہذیب میں، روایات میں، رسم و رواج میں، ہر چیز میں فرق ہے، ان سے اگر نجات ملتی ہے اور ایک ہندو حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے، تو اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے؟"

لیکن حقائق جذبات، کے آگے کبھی سر تسلیم خم نہیں کرتے۔

چند ہی روز کے بعد ہیرا چند نے اور اس کے بہت سے ہم مذہبوں نے محسوس کرنا شروع کر دیا کہ مسلمان لاکھ غیر ملکی تھے، غیر مذہب کے تھے، تہذیب، تمدن، معاشرت ہر اعتبار سے مختلف تھے۔ لیکن بہت اچھے فرماں روا تھے، بہت

اچھے انسان تھے، بہت اچھے منتظم تھے، ان کے عہد میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے، ان کے دورِ فرماں روائی میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا تھا ان کا نظمِ حکومت اس اعتبار سے خاص طور پر ممتاز ہے کہ عدل و انصاف اور انسانی معاملات میں انہوں نے کبھی رنگ، نسل، مذہب اور قوم کا امتیاز نہیں پیدا کیا۔ وہ ہر ظالم کو سزا دیتے تھے، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان۔ وہ ہر مظلوم کا ساتھ دیتے تھے خواہ اسلام کا پیرو ہو یا ہندو مت کا۔ وہ عورتوں کا انتہائی احترام کرتے تھے اور یہ احترام بھی عام تھا اس میں ہندو و مسلمان کا فرق نہ تھا۔

لیکن اب؟

اب یہ ہمارا ہم مذہب تختِ حکومت پر بیٹھا ہے، مگر نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ آبرو، نہ کسی کا مال سلامت ہے نہ سر، جسے چاہا موت کے گھاٹ اتار دیا، جسے چاہا امیر سے فقیر بنا دیا اور اس کی ساری املاک و جاگیر ضبط کر لی، جس سے تکدّر پیدا ہوا وہ معتوب قرار پایا خواہ اس کی کوئی خطا ہو یا نہ ہو، نا اہلوں کو بڑے بڑے منصب عطا کر دیے، قابل اور اہل لوگوں کو جاہلوں اور نکموں کی صف میں بٹھا دیا عورت کے احترام کا سوال ہی نہیں تھا، جو عورت پسند آ گئی، حرم سرا میں داخل کر لی گئی خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔

کیا یہ بات بھی مسلمانوں کے زمانے میں تھی؟

دل نے جواب دیا، نہیں ان کے زمانے میں تو ایسا کبھی نہیں ہوا!

پھر شہر کی عام حالت پر نظر گئی، اب نہ تجارت میں توازن تھا، نہ کاروبار میں کوئی معیارِ بیش نظر رکھا جاتا تھا، نہ غنڈوں اور بدمعاشوں پر سختی تھی، نہ شریفوں اور نیکوں کے ساتھ حسنِ سلوک، چور، قزّاق اور رہزن آزاد پھر رہے تھے شریف، نیکوں اور بھلے لوگوں کا فصیل کے دروازے پر انتظار و استقبال کر رہے تھے!

... حکومت چل سکتی ہے ؟

کیا اس حکومت کو قائم رہنا چاہیئے؟
کیا اس حکومت کا ساتھ دینا چاہیئے؟

دل سے ہر سوال کے جواب میں "ہرگز نہیں؟" کی صدا بلند ہوتی، دل نے کہا ظالم حکومت ہرگز نہیں چل سکتی۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں

جس حکومت میں شریفوں کی پگڑی اچھلتی ہو اور نالائقوں کو سر پر بٹھایا جاتا ہو، اسے قائم بھی نہیں رہنا چاہیئے، بلا سے اس کا فرماں روا ایک ہندو ہی کیوں نہ ہو، اور جو حکومت نہ عادل ہو نہ منتظم، وہ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس کا ساتھ دیا جائے۔

میرا مذہب اگر سچّا ہے اور یقینی سچّا ہے، سچا نہ ہوتا تو میں ہندو ہوتا کیوں؟ ہاں تو میرا مذہب اگر سچا ہے تو مجھ سے ہرگز یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ میں ایک ظالم غاصب آوارہ مزاج، شرابی اور بدکردار شخص کا محض اس لئے ساتھ دوں کہ وہ میرے مذہب سے تعلق رکھتا ہے!

میرا مذہب اگر سچا ہے تو وہ مجھ سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ میں ایسے بادشاہ کی گردن مار دوں تاکہ خلقِ خدا، چین اور امن کی زندگی بسر کر سکے!

دفعتہً نہ جانے کیا سوچ کر اس نے تالی بجائی، تالی کی آواز ابھی گونج رہی تھی دو غلام سفید لباس میں ملبوس سامنے آ کر ادب سے کھڑے ہو گئے۔

ہیرا چند نے نظر اٹھائی اور تحکمانہ لہجے میں کہا "قیدی کو حاضر کیا جائے!"

غلام چلے گئے اور تھوڑی دیر میں بجائے اس کے کہ قیدی آتا، شیاما سامنے آ کر کھڑی ہو گئی، ہیرا چند نے محبت آمیز نظر سے اسے دیکھا۔

وہ اسی طرح کھڑے کھڑے بولی "آپ نے قیدی کو کیوں طلب کیا ہے؟"

ہیراچند نے زیرِلب تبسّم کے ساتھ کہا، قتل کرنے کے لیئے، !"

وہ اور زیادہ برہم انداز میں بولی "بھیّا اتنا بڑا پاپ کرتے ہوئے آپ کے ہاتھ کانپیں گے نہیں ؟"

ہیراچند نے مصنوعی جوش کے عالم میں جواب دیا، میں اس کی گردن اپنے ہاتھ سے قلم کردوں گا !"

شیاما نے تن کر کہا، جب تک شیاما زندہ ہے، اتنا بڑا پاپ آپ نہیں کرسکیں گے!

ہیراچند نے بنا دلی غصہ میں سوال کیا، "کیوں ؟ کیا تو مجھے روک لے گی ؟ کیا تو میرا ہاتھ پکڑ لے گی ؟ کیا تو میری پیٹھ میں چھری بھونک دے گی ؟ کیا تو مجھے زہر دے دے گی ؟"

شیاما نے کچھ سوچتے ہوئے سنجیدگی سے کہا، ممکن ہے یہ سب میں کرگذروں۔

ہیراچند نے اور زیادہ غصّے کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرلی۔ اور پوچھا یہ تو کس سے کہہ رہی ہے ؟"

بیباکی اور دلیری کے ساتھ شیاما نے جواب دیا، سلطان خسرو کے وزیراعظم ہیراچند سے — وزیرِ بے چنیں شہریارے چناں !"

یہ الفاظ کچھ ایسے انداز میں شیاما کے منہ سے نکلے کہ ہیراچند کے لیے ہنسی کا برداشت کرنا مشکل ہوگیا، بڑی مشکل سے اس نے ہنسی پر قابو پایا اور سوال کیا۔

"کیا مطلب ؟"

وہ بولی، مطلب یہ کہ آپ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، جیسا راجہ ویسا اس کا منتری، ایک بے ایمان اور غاصب، دوسرا بے ایمان کا ساتھی اور غاصب کا دست راست !"

ہیراچند اب تک اداکاری کیئے جارہا تھا کہنے لگا، تیرا حوصلہ اب بہت بڑھ گیا ہے، مجھے سختی کرنی پڑے گی۔"

اس کی تیوریاں چڑھ گئیں، کہنے لگی، میری بھی گردن قلم کردیجئے۔ اس سے زیادہ اور کیا کرسکتے ہیں آپ ؟"

ہیراچند اپنے اصلی روپ میں آگیا، اس نے کہا۔ پگلی تو نے مجھے جو کچھ سمجھ رکھا ہے، میں وہ نہیں ہوں، جو کچھ ہوں اس کا تو تصوّر بھی نہیں کرسکتی ؟"

ان الفاظ کی مٹھاس سے وہ کسی حد تک متاثر ہوئی پھر کہنے لگی "چھوڑیئے یہ باتیں — قیدی کو کیوں بلایا آپ نے ؟"

وہ کہنے لگا آج بادشاہ سلامت قدم رنجہ فرما رہے ہیں ہمارے غریب خانے میں، میری خواہش ہے کہ ایک کوشش اور کرلوں، یہ سر پھرا قیدی اگر راہ راست پر آجائے تو ان کی خدمت میں پیش کرکے اس کی خطا بخشوا دوں !"

وہ بے اعتباری سے ہیراچند کی طرف دیکھتی ہوئی بولی کیا آپ کا خیال ہے وہ مان جائے گا ؟"

ہیراچند نے جواب دیا، مانے یا نہ مانے، کوشش کرنے میں کیا حرج ہے ؟"

اور پھر کچھ اکتایا ہوا بولا۔

جان کسے پیاری نہیں ہوتی، اگر اسے زندہ رہنا ہے تو ہماری بات ماننی پڑیگی،

وہ بولی، کہیں مانا نہ ہو، !"

اور مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

(۱۱)

درِ زنداں

ہیراچند اور حسام الدین آمنے سامنے موجود ہیں۔ دونوں پر سنجیدگی طاری ہے دونوں کے چہرے سے تشویش اور اضطراب کے آثار نمایاں ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دونوں — ایک قیدی اور ایک داروغہ زنداں ہونے کے باوجود — سرجھکائے کسی اہم فیصلہ پر غور کر رہے ہیں، ہیراچند نے سر اٹھایا اور کہا۔

تمہاری خوبیاں میرا دل اپنی طرف کھینچتی ہیں تمہاری سچی باتیں میرے دل میں ہلچل پیدا کر دیتی ہیں، جی چاہتا ہے نتائج سے بے پرواہ ہو کر وہی کروں جو تم کہہ رہے ہو اجو تم کر رہے ہو، لیکن —

اتنا کہہ کر پھر کچھ سوچنے لگا،

حسام الدین نے سوال کیا، لیکن کیا؟"

وہ بولا، مذہب مجھے روکتا ہے، قومیت کے بندھنوں میں جکڑا ہوا ہوں خسرو خاں بہرحال ہندو ہے میرا دین و ایمان اس کے ساتھ مشترک ہے۔ غازی ملک بہرحال مسلمان ہے، میرے اور اس کے دین و ایمان میں کوئی اشتراک نہیں!"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"بے شک، خسرو خاں کا دورِ حکومت ایک طوفانی دور ہے، افراتفری اور طوائف الملوکی کا عالم ہے۔ یہ بات مسلمانوں کے دورِ حکومت میں کبھی بھی نہیں ہوئی، پھر بھی، —

"پھر بھی آپ، خسرو خاں کا ساتھ دینے پر مجبور ہیں!"

"ہاں حسام الدین، زبان سے نہ کہوں تو دل سے یہی کرنے پر مجبور ہوں!"

ہر شخص اپنا خود ذمّہ دار ہے، میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ لیکن کیا ایک سوال کرنے کی اجازت ہے؟"

"ہاں ضرور شوق سے!"

"کیا دنیا میں کوئی سچّا مذہب ایسا بھی ہے جو ظالم کا ساتھ دینے اور مظلوم کا ساتھ چھوڑنے پر، جو سچ سے ناتہ توڑ لینے اور حق کی پکار سنی اَن سنی کر دینے پر اور باطل کی آواز سُن کر بہکنے کی آواز دیتا ہو؟"

ہیراچند کا دل دھڑکنے لگا، ابھی ذرا دیر پہلے خود وہ بھی تو یہی باتیں سوچ رہا تھا اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر کہہ نہ سکا۔ شیاما اب تک خاموش کھڑی ان دونوں کی کیفیت دیکھ رہی اور باتیں سن رہی تھی کہنے لگی۔

"بھیّا جواب دیجئے، کیا پوچھا جا رہا ہے آپ سے؟"

ہیراچند نے اضطراب کے عالم میں جواب دیا۔

نہیں ایسا کوئی مذہب نہیں ہے!"

"اور اگر ہے تو وہ سچا نہیں ہے یہ بھی تو کہیئے!" شیاما بھی بول پڑی،

ہیراچند اس کی تائید کرنے پر مجبور ہو گیا "ہاں یہ بھی ٹھیک ہی ہے!"

حسام الدین نے کہا، آج تاریخ آپ کو پکار رہی ہے، آج آپ کا وطن جس سے آپ کو بے انتہا محبت ہے پکار رہا ہے، آج آپ کی قوم، جس کے آپ ایک فرد ہیں پکار رہی ہے، آج آپ کا دھرم جس کے بندھنوں میں آپ جکڑے ہوئے ہیں پکار رہا ہے کیا بات ہے کہ یہ پکاریں آپ کے کان تک پہنچتی ہیں، مگر آپ جواب نہیں دیتے؟"

ہیراچند خاموش کھڑا تھا اور حسام الدین جوش کے عالم میں کہہ رہا تھا، موت کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتی۔ سب کو مرنا پڑتا ہے۔ سکندر بھی مر گیا اور دوسرا سکندر علاؤالدین خلجی بھی مر گیا اور اس کا بزدل اور عیاش بیٹا قطب الدین بھی مر گیا، خسرو خاں بھی مر جائے گا آپ بھی مریں گے میں بھی مروں گا، لیکن موت وہ اچھی ہوتی ہے جو حق کے، سچائی کے راستے پر آئے، وہ نہیں جو ذاتی عیش و راحت اور سود و زیاں کے چکر میں آئے آپ اگر اس طرح مرے کہ مرنے کے بعد لوگوں نے آپ کے حب الوطنی، آپ کی صداقت پرستی، آپ کی حق پروری کو یاد رکھا تو امر ہو جائیں گے۔ اور اگر اس طرح مرے جس طرح آج باطل کے ساتھ ہیں تو کوئی آپ کو یاد نہیں رکھے گا اور اگر کسی نے یاد رکھا تو بہت برے الفاظ میں آپ کا ذکر کرے گا۔ اب یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ کس طرح کی موت مرغوب ہے آپ کو،

ہیراچند نے اب بھی جواب نہ دیا، لیکن اس کے بجائے شیاما نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، لیکن آدمی کی مجبوریاں بھی تو ہوتی ہیں!"

حسام الدین ہنسنے لگا، اس نے کہا "جو لوگ مجبوریوں کے باعث کبھی کسی کا ساتھ نہیں دے سکتے بس انہیں آدمی نہیں مانتا۔!"

ذرا کے ذرا ہیراچند کا رنگ تبدیل ہوا، پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا،

"میرے نوعمر دوست تم ضرورت سے زیادہ پرجوش ہو اور تمہاری انہیں باتوں کی قدر ہے میرے دل میں!"

شیاما نے حسام الدین سے کہا شکریہ ادا کرو بھیّا کا وہ کتنا خیال رکھتے ہیں تمہارا۔

حسام الدین نے کہا "اس دنیا میں سچے دل سے اگر کسی کا شکریہ ادا کر سکتا ہوں تو وہ صرف ایک ہی ذات ہے جس کا نام ہے شیاما دیوی!"

وہ کچھ جھینپ سی گئی، کہنے لگی، آپ نے بنانا شروع کر دیا؟"

وہ سنجیدگی کے عالم میں بولا "یہ بات نہیں ہے، سچے دل سے کہہ رہا ہوں!"

ہیراچند نے مداخلت کی، اور گویا ہوا، لیکن میرے دوست سوال یہ ہے۔ آج جب بادشاہ سلامت آئیں گے تو ممکن نہیں کہ تمہیں طلب نہ کریں، تم ان کے سامنے جاتے ہی مشتعل ہو جاتے ہو، ——

"ظاہر ہے ایک غدار کے سامنے غصہ ہی آ سکتا ہے!"

"اگر انہوں نے کوئی ایسا ویسا حکم دے دیا تو میں کیا کروں گا؟"

"تعمیل۔ اس کے سوا اور آپ کر بھی کیا سکتے ہیں؟ میں جانتا ہوں وہ میرے قتل کا حکم صادر فرمائیں گے، اور یقین فرمائیے مجھے یہ سزا سن کر نہ تعجب ہو گا نہ افسوس ـ

نشانِ مردِ مومن با تو گویم ۔۔۔ چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

پھانسی کا پھندا جب میری گردن میں پڑ رہا ہو گا انشاءاللہ اس وقت بھی آپ مجھے مسکراتا ہوا پائیں گے یا جلاد جب تلوار تول کر میری طرف بڑھے گا اس وقت بھی میرا تبسم نہ چھپ سکے گا۔ اس زندگی کا انجام موت کے سوا اور ہے کیا؟ اور اس سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہو سکتا ہے جو کسی اونچے اور اچھے مقصد کے لئے جان دے!"

شیاما جل کر بولی "تو پھر خودکشی کیوں نہیں کر لیتے!"

ہیراچند اور حسام الدین دونوں کو ہنسی آ گئی، وہ کہنے لگا "اگر آپ حکم دیں تو یہ معمولی سا کام بھی کر گزروں گا!"

ہیراچند نے کہا "ایسا نہ کہو، اس گھر میں، بلکہ میں تو کہتا ہوں اس شہر میں شیاما سے بڑھ کر تمہارے کردار اور سیرت کا مداح و معترف کوئی نہیں ہے، وہ تو اکثر تمہارے لئے مجھ سے لڑ جایا کرتی ہے،!"

حسام الدین نے ممنون نگاہوں سے شیاما کی طرف دیکھا اور بولا، آپ میری وجہ سے لڑتی کیوں ہیں؟"

وہ کہنے لگی آپ کی وجہ سے نہیں ۔۔۔ اس جذبے کی وجہ سے جو آپ کے سینے میں تڑپ رہا ہے، اس کی قدر ہر شخص کو کرنی چاہیئے چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہندو ہو یا مسلمان!"

حسام الدین ایک آہ سرد کے ساتھ گویا ہوا، کاش یہ الفاظ میں نے (ہیرا چند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) وزیر اعظم کی زبان سے سنے ہوتے۔"

اتنے میں سارے گھر کے اندر تھلکہ مچ گیا بادشاہ سلامت کی سواری قصر ہزار ستون سے روانہ ہو چکی ہے ۔۔!

اور یہ سنتے ہی ہیرا چند پر اضطراب کا عالم طاری ہو گیا اس نے شیاما سے کہا۔

"تم انہیں (حسام الدین کو) لے جاؤ اور حالات کو بھگوان پر چھوڑ دو، دیکھنا چاہیئے کیا نتیجہ نکلتا ہے"!

شیاما نے فکرمند لہجہ میں حسام الدین سے کہا۔

"آیئے چلیں!

گردشِ ایام

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا؟
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے؟

(۱۲)

آمد آمد

تھوڑی دیر کے بعد موکب سلطانی وزیر اعظم کے در دولت پر آموجود ہُوا۔

سلطان خسرو خاں کی وزیر اعظم کے گھر پر یہ آمد پرائیویٹ تھی اس لیئے خدم و حشم کا کچھ زیادہ مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا ذاتی ملازموں کے سوا صرف گوپال ساتھ تھا!

سلطان خسرو خاں کی باچھیں کھلی جارہی تھیں، وہ اس وقت بہت خوش تھے بات بات پر مسکراتے ہنستے تھے یہی حال گوپال کا تھا، وہ ویسے بھی خوش طبع اور ظریف مزاج نوجوان تھا لیکن خسرو خاں کی موجودگی میں لازمی طور پر اسے خوش رہنا اور اپنے آقا کو خوش رکھنا پڑتا تھا۔ ہیرا چند ایسا معلوم ہوتا تھا تمام وہ باتیں جو ابھی سوچ رہا تھا، جو ابھی ذرا دیر پہلے حسام الدین سے ہو رہی تھیں یکسر فراموش کر چکا ہے اب تو وہ جلوہ شاہی کی جلوہ ریزیوں میں کھویا ہوا تھا کبھی اپنے بام و در کو فخر کی نگاہوں سے دیکھتا، کبھی اپنے اوپر فخر کرنے لگتا جس کے گھر میں کبھی کسی وزیر نے بھی قدم رنجہ نہیں فرمایا تھا، آج وہاں ایک سلطان مدعو تھا اور اس کی وجہ سے یہ گھر جنت کا نمونہ بن گیا تھا اسے اپنی قسمت پر ناز تھا، آج وہ اپنے اسلاف سے اپنے بزرگوں اور

پرکھوں سے بازی لے گیا تھا، آج اپنے خاندان میں وہ سب سے آگے بڑھ گیا تھا کون تھا جو اس سے آنکھ ملا سکتا؟

کون تھا جو اس سے برابری کا دعویٰ کر سکتا؟

اتنے میں رادھا آئی! ۔۔۔ یہ شیاما کی طرح پیکرِ حسن و جمال تو نہ تھی لیکن اگر ذرا دیر کے لیئے فراموش کر دیا جائے کہ یہ شیاما کی بہن ہے تو اپنا ایک مستقل وجود دنیائے حسن میں رکھتی تھی، گورا رنگ، ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی کالی کالی زلفیں بڑی بڑی بادام کی سی آنکھیں اور ان میں ایک طرح کی کشش بھی، پتلے ہونٹ، ستواں ناک، چوڑی پیشانی، ہنس کی سی لمبی گردن، زربفت اور کمخواب کے لباس زریں میں ملبوس!"

سلطان نے نظر اٹھا کر رادھا کو دیکھا اور اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اگر وہ کسی کو دل نہ دے چکے ہوتے تو شاید اس سے قسمت آزمائی پر تیار ہو جاتے۔

اور ایک بات اور بھی تو تھی ۔۔۔ یہ رادھا کسی کے ہم شبیہ اور ہم صورت بھی تھی وہ جس کی یاد دل سے بھلائی نہ جائے گی!

رادھا سلطان کے سامنے آئی اور مٹھیاں بھر بھر کر اشرفیاں نچھاور کرنا شروع کیں۔

خسرو خاں اور زیادہ بن کر بیٹھ گیا، جیسے وہ اپنی بارات میں دولھا بن کر آیا ہے۔

دسترخوان پر دنیا جہاں کی چیزیں موجود تھیں، ہندو پکوان بھی اور مسلمان کے کھانے بھی، چونکہ عرصہ دراز تک خسرو خاں مسلمانوں میں رہا تھا، ان کی معاشرت تہذیب اور تمدن سے غیر شعوری پر اتنا متاثر ہو چکا تھا کہ سب چیزوں کا خوگر ہو چکا تھا وہ جزوِ طبیعت بن گئی تھیں اس نے بے تکلفی کے ساتھ وہ تمام کھانے کھائے جنہیں عام حالات میں ایک ہندو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا خود ہیرا چند کا

کا یہ حال تھا کہ وہ بہت آزاد خیال، روشن فکر اور بے پروا قسم کا آدمی تھا لیکن گوشت سے اس طرح دور رہتا تھا جیسے بکری شیر سے، لیکن سلطان کی وجہ سے آج پہلی مرتبہ وہ گوشت پکوانے اور اس کا انتظام کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ پلاؤ، بریانی قورمہ، متنجن، مرغ مسلّم، بھنے ہوئے تیتر اور بٹیر، شامی کباب، سیخ کے کباب، گولے کے کباب، دو پیازہ، مرغ قیمہ، بھیجہ، کلیجی، گردہ سب ہی چیزیں بہ افراط موجود تھیں

خسرو خاں نے سب چیزیں مزے لے کر اور خوب ڈٹ کر کھائیں گوپال بھی اپنے آقائے ولی نعمت کی وجہ سے ان چیزوں کا عادی ہو چکا تھا، اس نے بھی خوب خوب ہاتھ مارے۔

خسرو خاں نے ایک لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے فرمایا۔

"بھئی ہیرا چند تم تو چھپے رستم نکلے؟"

ہیرا چند ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور عرض پرداز ہوا "بندہ نوازی ہے جہاں پناہ کی!"

خسرو خاں نے دوسرا نوالہ توڑا اور گویا ہوا ہر چیز اتنے مزے کی پکی ہے کہ تعریف نہیں کی جا سکتی،! ـــ کیوں گوپال؟"

گوپال بغیر چبایا ہوا لقمہ جلدی سے نگل لیا اور دست بستہ ایستادہ ہو کر عرض کیا۔

"بے شک جہاں پناہ ـــ شاہی دستر خوان کے سوا آج تک اتنا لذیذ اور زود ہضم کھانا غلام نے نہیں کھایا۔"

خسرو خاں ہنسنے لگا، اس نے کہا "لذیذ کی حد تک تو ٹھیک ہے، لیکن اس کھانے کو زود ہضم تم نے کیسے قرار دے دیا؟"

وہ کہنے لگا "جہاں پناہ اس سے بڑھ کر اس کے زود ہضم ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اتنا کھا چکا ہوں لیکن بھوک ہے کہ کسی طرح کم ہی نہیں ہوتی اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ادھر لقمہ حلق سے اترا ادھر ہضم ہوا،!"

سلطان نے پھر ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا، بہت خوب، ہمیں بھی دیکھنا ہے تم کب تک اور کتنا کھاتے ہو" ہیرا چند دستر خوان بچھا رہے ہیں!"

گوپال کانپ گیا۔ دل ہی دل میں اپنے سے کہنے لگا "لو بھئی شامت آ گئی، اب گیا میں، ہائے رام!" ساری چوکڑی بھول گیا، خسرو خاں سے اس کا اضطراب چھپا نہ رہ سکا وہ اس کی دلی کیفیت سمجھ گیا، مسکراتا ہوا کہنے لگا۔

"اب تمہارے ہاتھ سست کیوں ہو گئے ہیں!"

گوپال نے پھر دست بستہ عرض کیا، جہاں پناہ بات یہ ہے کہ میں مرنے کو تیار رہوں!

سلطان نے پوچھا، تم مرنے کو تیار رہو؟ ـــ لیکن کیوں؟"

وہ بولا، مجھ سے گستاخی سرزد نہیں ہو سکتی؟"

"گستاخی کیسی؟

"یہ کس طرح ممکن ہے کہ جہاں پناہ کھانے سے ہاتھ اٹھا لیں اور میں کھاتا رہوں، پھر یہ بھی ہے کہ یہ زود ہضم بس اس وقت تک ہے جب تک آپ دستر خوان پر رونق افروز ہیں!

"اور اس کے بعد؟"

اس کے بعد یہ خصوصیت ختم ہو جاتی ہے ـــ یہ سب اقبال شاہی کے کرشمے ہیں جہاں پناہ!"

سلطان پھر ہنسنے لگا، اس نے ہیرا چند سے کہا، اچھا دستر خوان اٹھاؤ!"

دستر خوان اٹھایا گیا پھر اس نے پوچھا، تمہارے قیدی کا کیا حال ہے؟ اسے ہمارے سامنے پیش کرو...؟

قیدی کا نام سن کر ہیرا چند لرز گیا ـــ جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آ گیا آخر!

اب کیا ہوگا؟

کیا میرا یہ گھر قتل گاہ بن جائے گا؟

حسام الدین اور سلطان کا آمنا سامنا، قطعاً فیصلہ کن ہوگا،!

سلطان اتنے بڑے دشمن کو معاف نہیں کر سکتا اور حسام الدین اتنے بڑے دشمن کے سامنے خاموش نہیں رہ سکتا،

سلطان نے تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد بہت سے قتل کئے ہیں لیکن کسی قتل پر مجھے اتنا اضطراب نہیں ہوا، جتنا حسام الدین کے قتل کے تصوّر سے ہوتا ہے۔

"کیا یہ سچّا، نڈر اور پرجوش نوجوان واقعی ہلاک کر دیا جائے گا؟

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ خسرو خاں نے کڑک کر کہا۔

ہیرا چند — قیدی کہاں ہے؟ اسے حاضر کرو،!

آج ہم چاہتے ہیں کہ فیصلہ ہو جائے،!

آج اس کی قسمت کا — نہیں اس کی زندگی کا فیصلہ ہوگا، یا وہ راہِ راست پر آئے گا، یا اُسے جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے، یا وہ سر جھکائے گا، یا گردن کٹائے گا،!

---

(۱۳)

بادشاہ کے سامنے

آخر خسرو خاں کے سامنے حسام الدین کو لا کر کھڑا کر دیا گیا،!

خسرو خاں نے ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈالی اور کلاہ شہریاری کج کرتے ہوئے پوچھا!

بتاؤ تمہیں کیا سزا دی جائے؟ — ہم تمہی کو اختیار دیتے ہیں؟"

حسام الدین نے کڑے تیوریوں سے اسے دیکھا اور جواب دیا!

"زیادہ سے زیادہ سخت، عبرت انگیز، اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی سزا کا مطالبہ کرتا ہوں اپنے لئے۔"

"یعنی موت؟"

"ہاں موت، —

تم خود اپنے لئے موت کی سزا تجویز کرتے ہو؟"

"اگر آپ میں اتنی ہمت ہو!"

"کیا کہا؟ — کیا ہم تمہیں موت کی سزا نہیں دے سکتے؟ ہلاک نہیں کر سکتے؟

"آپ میرے بدن کا قیمہ قیمہ کر سکتے ہیں، لیکن حسام الدین کو نہیں مار سکتے، اسے نہیں ہلاک کر سکتے،!"

"کیا تم کوئی اور ہو؟ حسام الدین کوئی اور؟"

"میں تو گوشت پوست کا بنا ہوا ایک انسان ہوں، جسے بہرحال مرنا ہے۔ آج نہیں تو کل، لیکن حسام الدین اس عزم بلند، اس جذبۂ جواں اور اس تڑپتی ہوئی روح کا نام ہے جو امر ہے،!"

"بکواس بند کرو، یہ مہمل باتیں ہم سننا نہیں چاہتے،!"

پھر وہ ہیرا چند سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔

"اسے لے جا کر قید کر دو۔ اور صبح ہوتے ہی قتل کر دو، —"

گوپال اب تک خاموش تھا کہنے لگا۔

"یہ جہاں پناہ، اس وقت قید اور صبح ہوتے ہی قتل، یہ کیا بات ہوئی؟ حکم ہو تو ابھی اس کی گردن اڑا دوں؟"

خسرو خاں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا!

"جی تو ہمارا بھی یہی چاہتا تھا، لیکن ہم ہیرا چند کے مہمان بن کر آئے ہیں۔ اپنے سامنے اس کے گھر کو کشت و خون کا میدان نہیں بنانا چاہتے،!"

حکم کی تعمیل ہوئی اور حسام الدین پھر اپنے قید خانے پہونچ گیا۔

اس کے جانے کے بعد خسرو خاں نے شیاما کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہیرا چند سے کہا۔

"ہم کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں تم سے،! —————— تخلیہ،!"

یہ سنتے ہی رادھا، شیاما اور گوپال وغیرہ باہر چلے گئے۔ صرف ہیرا چند اور خسرو رہ گئے۔ ہیرا چند جاننا چاہتا تھا کہ وہ کون ایسی ضروری باتیں ہیں جو شاہ ذی شاہ اس غلام سے کرنا چاہتے ہیں مگر سوال کی ہمت نہ پڑی، لیکن یہ مشکل خود

خسرو خاں نے آسان کر دی، اس نے کہا۔

"ہیرا چند ہم تمہیں ایک اعزاز بخشنا چاہتے ہیں — کیا تم قبول کرو گے اسے؟"

ہیرا چند نے دست بستہ عرض کیا۔

جہاں پناہ نے اس ذرۂ بے مقدار کو رشک مہر منیر بنا دیا ہے، پہلے اس غلام کی حیثیت کچھ بھی نہ تھی، اب وہ سلطنت کا وزیر اعظم ہے، کیا اس سے بڑا بھی کوئی اعزاز ہو سکتا ہے؟"

خسرو خاں نے بے تکلفی سے مسند پہ پاؤں پھیلا لیے، پھر کہا،

"ہاں یہ اعزاز تو بہت معمولی ہے، ہم تمہیں وہ اعزاز بخشنا چاہتے ہیں کہ سلطنت کا ہر فرد تم پہ رشک کرے گا۔؟"

"ذرہ نوازی اور غلام پروری ہے جہاں پناہ کی،!"

"اب تک ہم اور تم دو ہیں ہماری خواہش ہے کہ ایک ہو جائیں، یہ دوئی مٹ جائے کوئی فرق نہ رہ جائے ہم میں تم میں،!"

"لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے جہاں پناہ؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا نہیں ہو سکتا؟"

"غلام آقا کی برابری نہیں کر سکتا، ذرہ سورج سے آنکھ نہیں ملا سکتا!"

"لیکن اگر شیاما سے ہم شادی کر لیں، ہم اسے اپنی ملکہ بنا لیں پھر بھی ہم اور تم دور رہیں گے؟ پھر بھی ہم میں اور تم میں تفرقہ رہے گا؟"

یہ اعزاز ہیرا چند کے لیے امید اور توقع سے کہیں زیادہ تھا، اب تک کی باتوں سے اس نے یہی سمجھا تھا کہ کوئی خطاب دے دیا جائے گا، کوئی جاگیر بخش دی جائے گی، لیکن یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اس سے رشتہ کی صورت نکل آئے گی، اس نے فخر اور ناز کے ملے جلے جذبات سے اپنے آقا کے رخ انور کو دیکھا اور کہا،

"واقعی یہ سب سے بڑا اعزاز ہے جو آقا اپنے غلام کو بخش سکتا ہے، مجھے

اس پر ناز ہے۔ جب تک زندہ رہوں گا فخر کروں گا اس اعزاز پر!"

اس جواب سے خسرو خاں خوش ہو گیا۔ اس نے کہا،

"ہم تمہارے ممنون ہیں، تم نے ہماری بات مان لی،!"

"غلام کی یہ مجال بھی تھی کہ وہ جہاں پناہ کے حکم سے سرتابی کرے!"

"تو پھر سمجھ لینا چاہیئے کہ تمہیں یہ رشتہ منظور ہے؟"

"بہ سر و چشم،!"

"کیا خیال ہے تمہارا؟ — خود شیاما کی رائے؟"

یہ سوال خود ہیرا چند کے دل میں بھی کھٹکا تھا اور سچی بات یہ ہے کہ وہ اس کی طرف سے ذرا بھی مطمئن نہ تھا، لیکن اس نے اپنے آپ کو اور خسرو خاں کو مطمئن کرتے ہوئے کہا،

جہاں پناہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ذرا تیکھے مزاج کی لڑکی ہے۔ ہم سب چونکہ اس کا بہت زیادہ لاڈ پیار کرتے ہیں اس لیئے وہ شوخ اور گستاخ بھی ہے یہی وجہ ہے کہ اب تک جتنے پیغام شادی کے آئے اور اچھی اچھی جگہ سے آئے اس نے سب نامنظور کر دیئے لیکن جہاں پناہ کی بات دوسری ہے، دنیا کے ہر رشتہ کو نامنظور کر سکتی ہے مگر اس رشتہ کو نہیں۔"

خسرو خاں مطمئن ہو گیا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ذرا شیاما کو بلاؤ، ہم اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں،!"

---

(۱۴)

حسن برہم!

اب گوپال بھی حاضر ہو گیا تھا، رادھا اور شیاما بھی طلب کر لی گئی تھیں، شراب کا جام خسرو کے سامنے رکھا تھا اور وہ سرور کے عالم میں گھونٹ گھونٹ کر کے پی رہا تھا۔

شیاما کو دیکھتے ہی اس نے اشتیاق اور آرزو کے ساتھ کہا۔

"آؤ شیاما ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔!"

شیاما کی تیوریاں چڑھ گئیں اور یہ منظر دیکھ کر ہیرا چند کا دل بیٹھ گیا۔ لیکن خیریت وہ زبان سے کچھ نہیں بولی، آ کر مسند کے قریب رادھا کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ گئی۔ خسرو خاں نے پوچھا۔

"تم اپنی سنگ مرمر کی بارہ دری میں روز جایا کرتی ہو؟"

وہ اکھڑے ہوئے لہجہ میں بولی،

"روز تو نہیں — جب جی چاہے چلی جاتی ہوں، کل بھی گئی تھی اور شاید کل پھر چلی جاؤں!

خسرو خاں اس گفتگو کے دوران میں برابر مسکراتا رہا، پھر اس نے کہا۔
کبھی کوئی بھولا بھٹکا مسافر بھی آجاتا ہوگا اس طرف؟
شیاما نے انجان لہجہ میں جواب دیا۔
"ہاں ـــــ ایسا بھی ہوتا ہے؟"
"پھر تم اس کی خاطر مدارات کرتی ہو؟"
"کیوں نہیں کرتی، یہ تو تقاضائے انسانیت ہے،!"
"بھلا کوئی ایسا مسافر بھی آیا جس کا آنا یاد رہ گیا ہو تمہیں؟
"(اکڑ کر) نہیں!"
"(حیرت سے) کوئی نہیں؟"
"کوئی نہیں،!"
"ذرا سوچو، زور دو دماغ پر، شاید آجائے یاد،!"
"غیر ضروری باتوں پر وقت ضائع کرنا میری عادت نہیں،!"
"ہیرا چند نے ٹوکا، شیاما، شیاما،!" ـــــ تو جہاں پناہ کے سامنے حاضر ہے، ان سے باتیں کر رہی ہے!"
وہ ذرا چمک کر گویا ہوئی،
"میری آنکھیں ہیں میں بھی جہاں پناہ کو دیکھ رہی ہوں،"
خسرو ہنسنے لگا اس نے ہیرا چند کو چھیڑتے ہوئے کہا۔
"تم شرمندہ ہوگئے اس برجستہ جوابی سے، ہمیں پوری ہمدردی ہے تم سے،"
ہیرا چند کو اندیشہ تھا کہیں جہاں پناہ اس لڑکی کے رویہ سے بھڑک نہ جائیں، خفا نہ ہو جائیں اس لئے اس نے ٹوکا تھا، لیکن یہ دیکھ کر شیاما کی کرخت دی کیسلی باتوں سے وہ لطف لے رہے ہیں اس کا اندیشہ رفع ہوگیا۔
اس نے مسکراتے ہوئے عرض کیا۔
لیکن جہاں پناہ میں تو عادی ہوگیا ہوں،!"

خسرو نے لطف لیتے ہوئے پوچھا۔
"کس چیز کے عادی ہو چکے ہو؟ ـــــ کیا شیاما کی حاضر جوابی اور برجستہ گوئی کے؟"
اس نے عرض کیا، جہاں پناہ کا اندازہ بالکل صحیح ہے،!"
خسرو نے ایک مرتبہ پھر شیاما کو مخاطب کیا، کہنے لگا۔
"ہم مسافر بن کر تمہاری بارہ دری میں گئے تھے، یہ گوپال بھی ہمارے ساتھ تھا،!"
وہ سرد مہری کے ساتھ گویا ہوئی۔
"گئے ہوں گے!"
خسرو خاں کو یہ انداز ناگوار گزرا۔ اتنی جلدی یہ کس طرح ان باتوں کو بھول سکتی ہے جو بارہ دری میں پیش آئی تھیں۔ لیکن اس نے اپنی ناگواری کو چھپایا اور کہنے لگا۔
ہم تمہارے ممنون ہیں کہ تم نے ہمیں آرام پہنچایا، پانی پلایا، راستہ دکھایا ـــــ"
ہیرا چند کو ان باتوں کی ذرا بھی خبر نہ تھی، اس نے حیرت سے ایک مرتبہ شیاما کو دیکھا پھر خسرو خاں کو اس کے بعد کہنے لگا۔
"کیا واقعی جہاں پناہ تشریف لے گئے تھے؟"
خسرو نے ساری داستان اول تا آخر سنا دی، ہیرا چند اور رادھا نے بھی دلچسپی کے ساتھ یہ ساری کہانی سنی۔ پھر خسرو خاں نے کہا۔
"شیاما تمہاری انسانی ہمدردی ہمیشہ ہمیں یاد رہے گی، اگر تم پناہ نہ دیتیں تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوتا؟
وہ بولی، اور انسانی ہمدردی کسی خاص شخص کے ساتھ نہیں ہوتی

ہر انسان کے ساتھ ہوتی ہے، آپ کے بجائے کوئی اور شخص ہوتا اس کے ساتھ بھی میرا یہی برتاؤ ہوتا ـــــ اور اس وقت مجھے کب علم تھا کہ آپ ہیں، میں تو ایک معمولی ہی آدمی سمجھتی تھی، ـــــ

بہر حال ہم تمہارے احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں، !

"احسان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، !"

"ہم تمہیں بہت بڑا، بہت بڑا انعام دینا چاہتے ہیں، !"

شکریہ ! ـــــ لیکن مجھے کسی انعام کی ضرورت نہیں !"

خسرو خاں کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہوگیا۔ ہیرا چند کو پھر مداخلت کرنا پڑی۔

"شیاما، شیاما ؟"

اتنی دیر میں خسرو خاں اپنے غصہ پر غالب آچکا تھا، اس نے کہا:

شیاما نے بڑی اونچی بات کہی ہے، ان کی یہی باتیں ہیں جن کی ہم قدر کرتے ہیں ـــــ شیاما کل تمہاری اور رادھا تمہاری بھی اور ہیرا چند تمہاری بھی، ہمارے ہاں دعوت ہے۔

شاید شیاما انکار کر دیتی لیکن خسرو خاں جواب کا انتظار کئے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔

جاتے جاتے وہ ایک مرتبہ پھر ذرا دیر کے لئے ٹھٹکا، پھر شیاما سے اپنائیت کے لہجہ میں اصرار کے ساتھ کہا:

"تم ضرور آؤ گی ؟!"

اور پھر فوراً ہیرا چند سے مخاطب ہوا۔

"یہ تمہاری ڈیوٹی ہے،"

اور اس کے بعد وہ گوپال کے ساتھ باہر چلا گیا! نہ ہیرا چند کا جواب سُنا، نہ شیاما کے جواب کا انتظار کیا، !

فرار

حسام الدین ـــــ اپنی کوٹھری میں بند کر دیا گیا، خسرو خاں چلا گیا۔ پھر ہیرا چند نے فخر و ناز کے ساتھ شیاما کی طرف دیکھتے ہوئے رادھا سے کہا۔

"بڑے نصیبے والی لڑکی ہے یہ بھی، !"

"رادھا نے کہا، لیکن تم نے کیسے جانا ؟"

ہیرا چند نے اور زیادہ نشۂ مسرت میں مست ہو کر جواب دیا۔

"تم تو صرف وزیر اعظم کی بیوی ہو، وہ ملکہ بنے گی ـــــ بادشاہ کی سب سے زیادہ چہیتی اور دلاری بیوی ـــــ کیوں شیاما کماری پھر کیوں تمہارے مزاج ملیں گے ؟ پھر کاہے کو سیدھے منہ بات کرو گی ؟ پھر تو حکم چلایا کرو گی ہم لوگوں پر !"

رادھا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور شیاما سے مخاطب ہوتی ہوئی بولی:

"کیوں شیاما ؟"

شیاما نے تیکھے لہجہ میں جواب دیا:

"نہ میں ملکہ بننا چاہتی ہوں اور نہ کسی پر حکم چلانا چاہتی ہوں،!"

رادھا نے چڑ کر کہا "اری مورکھ کیا تو یہاں بھی انکار کر دیگی؟"

فوراً" اس نے جواب دیا: صاف انکار!"

اور پھر وہ کچھ کہے سنے بغیر روٹھے ہوئے انداز میں اٹھ کر چلی گئی۔

کچھ دیر تک تو ہکا بکا ہیراچند اسے جاتا دیکھتا رہا۔ پھر اضطراب اور گھبراہٹ کے لہجہ میں سوال کیا۔

"اب کیا ہوگا؟"

"رادھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ فکر نہ کیجئے میں راضی کر لوں گی اسے ـــــ یہ شادی ہوگی اور ضرور ہوگی،!"

اس جواب سے ہیراچند مطمئن ہوگیا اور تھوڑی دیر کے بعد بستر راحت پر دراز ہوگیا۔

رات کے تین بجے کے قریب وہ کوٹھری کھلی، جس میں حسام الدین قید تھا!

جب سے وہ خسروخاں کے پاس سے واپس آیا تھا اس کی طبیعت سخت پریشان تھی، اسے موت سے ہراس نہیں تھا۔ اس نے مرنے ہی کے لئے میدان میں قدم رکھا تھا۔ لیکن وہ جنگ کے میدان میں مرنا چاہتا تھا، ہیراچند کے گھر میں ایک کوٹھری کے اندر نہیں، وہ مرنے سے پہلے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ کچھ کارنامے انجام دینا چاہتا تھا۔ خسرو کے حکم نے ان تمام امکانات کو ختم کر دیا تھا،!

وہ سوچ رہا تھا اب کیا ہوگا؟

یہی سوچ رہا تھا کہ کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ کمرے میں ایک مدھم سا چراغ جل رہا تھا، ایک سایہ سا اسے اپنی طرف بڑھتا نظر آیا، اسے خیال ہوا شاید میرے قتل ـــــ کا وقت آگیا ہے، شاید یہ قاتل ہے۔ لیکن میں بزدلوں کی طرح نہیں مروں گا،!

وہ اٹھ کھڑا ہوا اس نے ڈپٹ کر پوچھا:

کون ـــــ؟

وہی جانی پہچانی، محبوب اور کان کے راستے دل میں اتر جانے والی آواز تھی ـــــ شیاما کی،!

اس نے آہستہ سے کہا:

"خاموش ـــــ"

پھر وہ بالکل قریب آگئی اور سرگوشی کے انداز میں کہنے لگی۔

"آیئے میرے پیچھے پیچھے چلے آیئے، چپ چاپ، ـــ خبردار پاؤں کی آہٹ بھی نہ ہو،!

بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی، لیکن اسے شیاما پر، اس کی شرافت پر، انسانیت دوستی پر، اعتماد تھا، خاموشی کے ساتھ وہ اس کے ساتھ ہولیا۔ وہ مختلف دروازوں، برآمدوں اور کمروں سے ہوتی ہوئی اسے باہر نکال کر لائی، یہ حویلی کے باہر کا میدان تھا، ایک درخت کے نیچے ایک اسپ سبک رفتار کی لگام تھامے کوئی آدمی کھڑا تھا۔

شیاما نے اسی سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔

یہ گھوڑا ہے ایک پوٹلی دیتے ہوئے) یہ زادِ راہ ہے (تلوار بڑھاتے ہوئے) یہ حفاظت خود اختیاری کا سامان ہے ـــــ جایئے تشریف لے جایئے،!

حسام الدین پر لرزش طاری ہوگئی، اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا:

"اور تم ـــــ؟"

وہ بولی:

"آپ میری فکر نہ کیجئے ـــــ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا کوئی، اور بگاڑ بھی لے تو مجھے پروا نہیں، ـــ

"کیوں پروا نہیں؟"

"میں ایک عورت ہوں، میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتی مستقبل کے دامن میں شاندار اور ناقابلِ فراموش کارنامے آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ سلامت رہیں یہ میری عید ہے، یہ میری زندگی ہے ـــ یہی میری سب سے بڑی خوشی ہے! کبھی کبھی آپ مجھے یاد کر لیا کریں گے تو یہی میری اس خدمت کی قیمت ہے ـــ"

یہ کہتے کہتے شیاما کی آواز بھرا گئی، حسام الدین کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھ گیا اس نے چلتے ہوئے کہا۔

شیاما میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گا، میں تمہارے بغیر نہیں جا سکتا۔ مجھے یہاں رہ کر مرنا منظور ہے لیکن تمہیں یہاں چھوڑ کر زندہ رہنا نامنظور، !

وہ کسمساتی ہوئی بولی:

"ضد نہ کیجئے، جائیے، !"

وہ ضد کرتا ہوا گویا ہوا۔

"ہرگز نہیں ـــ شیاما تم مجھے کیا سمجھتی ہو، ؟"

وہ کہنے لگی، بہت اچھا، بہت اونچا، بہت پاکباز انسان، جو میرے دل کے اندر بت بن کر بیٹھ گیا ہے، جسے میں پوجتی ہوں، ـــ

حسام الدین نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا کہ شیاما نے ایک چمکتا ہوا خنجر نکالا اور کہا:

"اگر آپ نے جانے میں دیر کی تو پھر یہ میرے سینہ کے پار ہوگا۔

جائیے میں آپ کا انتظار کروں گی، ! ـــــ خواہ وہ انتظار زندگی بھر کا کیوں نہ ہو، !"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے اس آدمی کے ساتھ جو گھوڑا لئے کھڑا تھا واپس حویلی میں چلی گئی۔ حسام الدین اس کے سایہ کو تکتا رہا۔ جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اسپ سبک رفتار کو ایڑ لگا کر نہ جانے کدھر کو روانہ ہو گیا، !

شیاما واپس آئی اور بستر پر گر پڑی، تکیہ سے منہ ڈھانپا، اس اندھیرے اور اکیلے کمرے میں سسکیاں لے لے کر رونے لگی، !

اس نے حسام الدین پر آج تک اپنی قلبی کیفیت کا اظہار نہیں کیا تھا، نہ کرنا چاہتی تھی، لیکن آج بے بس ہو گئی۔ ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور وہ نہ جانے کیا کیا کہہ گئی، اسے اپنی کمزوری پر بھی صدمہ تھا کہ جس راز کو آج تک اس نے اپنے آپ سے بھی چھپایا تھا وہ آخر کار افشا ہو گیا ـــ صرف اپنے آپ پر نہیں حسام الدین پر بھی،

اور پھر اس کے سامنے اس غیور و جسور نوجوان ـــ حسام الدین ـــ کی دلفریب تصویر آ کر کھڑی ہو گئی، وہی رعنائی، وہی تمکنت اور اس تصویر کو دیکھ کر وہ خود بخود مسکرا دی اور اپنے آپ سے کہنے لگی۔

"کیا اس سے محبت نہ کرتی ؟"

پھر اپنے انتخاب پر فخر سا محسوس کیا اس نے اپنے اوپر ایک اور راز بھی افشا کر دیا۔

"اسے تو میں اس دن سے چاہتی ہوں جس روز سے پہلے پہل دیکھا تھا، !"

بے قراری

شیاما کو رات بھر نیند نہیں آئی، کروٹیں بدلتی رہی،!

وہ خوب صورت تھی، طرحدار تھی، خوش اندام تھی، وہ ہزاروں میں ایک تھی، اس کی شمع حسن کے پروانوں کی کمی نہ تھی۔ بڑے بڑے سیٹھ، ساہوکار، جاگیردار، رجواڑوں کے مالک اس کی نگاہِ التفات کے لئے جان دیتے تھے۔

لیکن ـــ لیکن وہ سب کا مذاق اڑاتی تھی۔ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

وہ محبت کی قائل ہی نہیں تھی، وہ محبت کرنے والوں، عاشقوں اور آہیں بھرنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتی تھی۔

وہ کہا کرتی تھی کہ یہ بھی کیا بات ہوئی کہ آدمی کسی سے محبت کرے اور پھر اسے سدھ بدھ کی خبر نہ رہے، وہ سب کچھ قربان کر دے وہ نہ دین کا رہے نہ دنیا کا، ـــ یہ محبت نہ ہوئی جنون ہوا، اور مجھے دیوانوں سے چڑھ ہے،!

لیکن آج اس نے محسوس کیا، کہ وہ خود دیوانی ہے۔

وہ خود ایک ترک (مسلمان) کے عشق میں گرفتار ہے۔

آج سے پہلے اس نے کبھی نہیں محسوس کیا تھا کہ وہ کسی سے محبت کر سکتی ہے، وہ کسی کے عشق میں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ سکتی ہے،!

حسام الدین کو جب اس نے دیکھا تو ایک نیا انسان محسوس کیا۔

اس نے دیکھا اور محسوس کیا یہ عجیب سا شخص ہے،!

یہ گرفتار ہے، لیکن نڈر، موت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے لیکن اسے ذرا فکر نہیں۔ یہ نہ بادشاہ کو خاطر میں لاتا ہے نہ وزیر کو، نہ حکومت کو، نہ حکومت کی طاقت کو،!

ایسا منچلا، ایسا نڈر، ایسا بے باک آدمی اس کی نظر سے نہیں گزرا تھا!

اسے دلچسپی سی پیدا ہو گئی اس سے،!

اس نے آج تک جتنے نوجوانوں کو اپنے گھر میں، اپنے کنبہ میں، اپنی برادری میں، اپنی سوسائٹی میں، اپنے آس پاس دیکھا تھا، ان سب کی آنکھوں میں ہوس ناچتی تھی، ان کی باتوں میں ہوس کے شعلے بھڑکتے تھے۔

ان کے عادات و اطوار میں لگاوٹ تھی، شرارت تھی،

لیکن یہ شخص ـــ

یہ قیدی ـــ اس نے کبھی آنکھ ملا کر اس سے بات نہیں کی اور اگر آنکھ ملی بھی تو اس میں تقدس تھا، احترام تھا، عزت تھی، اس سے بارہا باتیں ہوئیں لیکن اس کی باتوں میں کبھی بھولے سے بھی کوئی ایسا لفظ نہیں آیا جو ہوس اور نفس پرستی کا غماز ہو۔

ایسا آدمی؟ ـــ ایسے آدمی سے کیوں نہ وہ بار بار ملتی؟

کیوں نہ اس سے زیادہ سے زیادہ باتوں میں وقت صرف کرتی؟

آج تک اس کی نظروں سے جتنے نوجوان گزرے تھے وہ ہر طرح کے تھے، دولت مند بھی، جاگیردار بھی، خوب صورت بھی، خوش اندام اور خوش وضع بھی، دلچسپ اور لسّان بھی،! ـــ لیکن کسی کی سیرت اور کردار میں اونچائی نہ تھی، بلندی نہ تھی، وقار نہ تھا،!

مگر یہ قیدی؟

یہ قیدی خوب صورت بھی تھا، طرحدار بھی تھا، سحر طراز بھی تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس میں غضب کا وقار تھا، بلا کا رعب تھا، ایسا دبدبہ جو بادشاہوں میں ہوتا ہے، ـــ

یہی وجہ تھی کہ وہ روز بروز اس سے قریب تر ہوتی چلی گئی،!

لیکن قریب تر ہوتے چلے جانے کے باوجود کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی اس

نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے اس پر جان دیتی ہے اس کی عاشق صادق ہے۔

وہ اپنی اس کیفیت کو صرف دلچسپی کا نام دیتی تھی، اس سے زیادہ وہ کچھ سوچنا چاہتی ہی نہیں تھی، !

لیکن آج جب وہ رخصت ہوگیا۔

جب اس سے ملنے اس سے باتیں کرنے کے امکانات ختم ہوگئے۔

جب پھر کبھی اسے دیکھنے کی آس نہ رہی، !

تو دل زور زور سے چیخنے لگا!

جس بات کو وہ آج تک خود اپنے آپ سے چھپاتی آرہی تھی اب وہ آشکارا ہوگئی۔

اس نے محسوس کرلیا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے، !

اس نے اقرار کرلیا کہ دنیا میں سب سے زیادہ وہ اسے چاہتی ہے، !

لیکن وہ تو گیا، !

اب وہ نہیں آئے گا، !

اب وہ کبھی نہیں آئے گا، !

اب وہ اسے کبھی نہیں دیکھے گی، !

جس سے محبت کرتی تھی وہ ہمیشہ کے لئے، زندگی بھر کے لئے بچھڑ گیا، !

صرف اس کی یاد ہی ہے جسے وہ کلیجہ سے لگا سکتی ہے۔ یہی پونجی ہے!

اور اس پونجی کی حفاظت میں وہ ساری عمر گزار دے گی!

اب اس کی زندگی میں کوئی مرد داخل نہیں ہوسکتا؟ اب وہ کسی مرد کی شریک حیات نہیں بن سکتی، !

خسرو خاں؟ — تو یہ وہ تو اس کی خاکِ پا کی برابری بھی نہیں کرسکتا!

قیامت

"تم کیا گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی، !"

تہلکہ

صبح ہوئی!

اور سارے گھر میں تہلکہ مچ گیا قیامت آگئی، !

حسام الدین کا فرار، بادشاہ کے سب سے بڑے دشمن کا فرار، حکومت کے وزیر اعظم کے گھر سے اتنے بڑے باغی کا فرار، کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا،

ہیراچند کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی، اس کی جان پر بن گئی۔

حسام الدین جان سلامت لے کر نکل گیا اور اس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال گیا۔

اب کیا ہوگا؟

اس نے فوراً فوج اور پولیس کے چوکس اور مستعد نوجوانوں کو اس کی تلاش میں دوڑایا اور اپنے مخبروں کو بھی ان کے ساتھ کہ شہر اور آس پاس کے مقامات کا چپہ چپہ تلاش کر ڈالیں، اتنی جلدی، وہ کہیں اور نہیں جاسکتا، یہیں کہیں ہوگا، اور ضرور کہیں مل جائے گا۔

ہیراچند بہت خوش سویا تھا اور بہت خوش بیدار ہوا تھا!

آج بادشاہ کے ہاں اس کی دعوت تھی۔

آج شیاما سے بادشاہ کی شادی کی تاریخ مقرر ہونیوالی تھی۔

آج اس کی زندگی کا سب سے بڑا اور انقلاب آفرین واقعہ رونما ہونے والا تھا، !

لیکن اب ؟ــــ کیا اب بھی یہ سب کچھ ہوسکتا ہے؟

اب وہ بادشاہ کے ہاں کیا منہ لے کر جائے گا، کیا کہے گا اس سے؟

کیونکر اسے اطلاع دے گا کہ حسام الدین فرار ہوگیا،؟

یہ خبر سنکر بادشاہ پر کیا اثر ہوگا؟

اس کی برہمی، خفگی اور غصہ کا کیا انجام ہوگا؟

حسام الدین کے فرار کی جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً سارے شہر میں مشتہر ہوگئی اور عین اس وقت جب ہیراچند سر پر ہاتھ رکھے ماضی، حال، اور مستقبل پر غور کر رہا تھا۔ خسرو خاں گوپال اور اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ خود ہی آ موجود ہوا۔

خسرو خاں کو دیکھ کر ہیراچند تن بدن سے کانپنے لگا، اور اٹھا اور اس کے قدموں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

خسرو خاں نے ایک ٹھوکر اس کے سر پر لگائی اور اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا، پھر شیر کی طرح گرجتے ہوئے پوچھا،

"قیدی کہاں ہے؟"

ہیراچند نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

"وہ فرار ہوگیا خداوند نعمت!"

خسرو خاں نے سراپا غضب بن کر پوچھا۔

"نمک حرام، وہ تیرے گھر سے کس طرح فرار ہوا ــــ کیا تو اس

سے ملا ہوا نہیں ہے؟ کیا خود تو نے اسے فرار نہیں کیا ہے؟
ہیرا چند کی آنکھوں کے سامنے پھانسی کا پھندا آ گیا اور اس نے لرزتے ہوئے کہا:
"غلام اپنے آقا کے دشمن سے ساز باز نہیں کر سکتا،!"
"تو پھر اس گھر میں کوئی ایسا ہے جس نے اسے فرار ہوتے میں مدد دی،!"
"ایسا اس گھر میں کوئی نہیں ہے خداوند نعمت!"
"ضرور ہے،!"
دفعتہً شیاما سامنے آ کر کھڑی ہو گئی،!
خسرو خاں نے اس کی طرف مستفسرانہ نظروں سے دیکھا، وہ بولی:
ہاں آپ کا خیال صحیح ہے اس گھر کے آدمی نے اُسے فرار ہوتے میں مدد دی ہے،!"
خسرو خاں نے ہیرا چند کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھا پھر شیاما سے پوچھا:
ہم تمہاری اس وفاداری کی قدر کرتے ہیں تم نے اپنا فرض ادا کیا۔
بتاؤ وہ کون ہے تاکہ ہم ابھی یہیں اسے سزا دیں اور کیفر کردار کو پہونچا دیں۔
اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جا سکتی ہے اس کی کم سے کم سزا موت ہے،!"
"بے شک ـــــ میرا بھی خیال یہی ہے،!"
"تو جلد بتاؤ اس کا نام کیا ہے؟ وہ کون ہے؟"
"اس کا نام شیاما ہے ـــــ وہ میں ہوں،!"
یہ الفاظ نہیں تھے، بجلی تھے۔
بجلی بن کر رادھا پر، ہیرا چند پر اور خسرو پر گر پڑے،!
رادھا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا:

"تو ـــــ"
ہیرا چند نے برہم نظروں سے اُسے گھورا اور کہا:
"مارِ آستین تو؟"
خسرو کا سارا عشق کافور ہو گیا، اس نے نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور سوال کیا:
"یہ تمہاری حرکت ہے؟"
وہ بغیر کسی جھجک اور خوف کے بولی۔
"ہاں یہ میں نے کیا ہے؟"
خسرو نے پھر سوال کیا۔
"لیکن ایسا کرتے وقت تم نے یہ نہ سوچا کہ یہ احسان ایک باغی پر کر رہی ہو؟"
"وہ باغی نہیں تھا،!"
"وہ ہمارا دشمن تھا۔"
اسے آپ سے دشمنی کا حق تھا،!
تمہیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں پیدا ہوئی ـــ سبب؟
اس لئے کہ وہ ہمدردی کا مستحق تھا،!
وہ ـــ؟ وہ باغی، وہ دشمن کا ساتھی، وہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہمدردی کا مستحق تھا؟ ـــ تمہاری ہمدردی کا مستحق تھا؟ ـــ آخر تمہیں اس سے کیا تعلق تھا؟ تمہیں اس سے کیوں ہمدردی تھی؟ وہ تمہارا کون تھا؟ تم اس کی کون تھیں؟"
"وہ بہت اونچا آدمی ہے، بڑا آدمی ہے، بہادر ہے، شجاع ہے، با اصول ہے، وہ ڈاکو نہیں، چور نہیں، قزاق نہیں، وہ اس شہر کا ایک معزز شخص تھا،!"

"وہ کچھ بھی تھا مگر تمہیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں پیدا ہوگئی —
— ہم تم سے صاف الفاظ میں کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں، جواب دو کیا تم اس سے محبت کرتی ہو؟"

"ہاں —"

ایک مرتبہ پھر تمام حاضرین پر بجلی گر پڑی۔ چند لمحوں تک سب خاموش رہے، پھر رادھا بولی۔

"کیوں تو اس سے محبت کرتی ہے؟"

ہیرا چند نے اسے حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا اور پوچھا۔

"تو ایک مسلمان سے محبت کرتی ہے؟"

خسرو نے اپنے جذبات پر بروقت قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا وہ بھی تجھ سے محبت کرتا ہے؟"

"شاید نہیں۔؟"

"یہ تم نے کیسے جانا؟"

کوئی وجہ نہیں کہ وہ مجھ سے محبت کرے۔ اس کی بیوی ہوگی، بچے ہوں گے۔ وہ شریف آدمی ہے وہ اپنی بیوی کو دغا نہیں دے سکتا اپنے بچوں سے ناانصافی نہیں کر سکتا وہ اپنے دین اور مذہب کے معاملہ میں بھی بہت سخت ہے۔ وہ ایک غیر مسلم عورت سے کیوں شادی کرے گا۔

"مگر تو اس سے محبت کرتی ہے؟"

"ہاں اور مجھے اس پہ فخر ہے"!

"مجھے فخر ہے اس سے محبت کرنے پر"

ہاں — کیوں کہ اس سے اچھا، اس سے اونچا، اس سے نیک آدمی آج تک میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ آپ اس کی خاکِ پا کی برابری

بھی نہیں کر سکتے، وہ — وہ —، وہ سورج ہے۔ آپ —

خسرو خاں اس سے زیادہ نہ سن سکا اس نے ڈپٹ کر کہا:

"خاموش —"

وہ بولی، "میں نے جو کچھ کہا ہے آپ کے سوال کے جواب میں کہا ہے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے"!

خسرو نے گوپال اور اپنے دوسرے مصاحبوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

ان سب کو گرفتار کر لو"! — ہیرا چند کو جیل بھیج دو، رادھا، اور شیاما کو ہمارے قصر ہزار ستون میں قید کر دو۔ اور ان سب کی قسمت کا فیصلہ ہم بہت جلد کریں گے۔ اور وہ فیصلہ ایسا ہوگا کہ پھر کوئی شیاما۔ کسی حسام الدین سے محبت نہیں کر سکے گی۔ کوئی ہیرا چند آستین میں سانپ نہیں پال سکے گا۔

دشمن

ہیراچند نے بہت منت سماجت کی، لیکن خسرو خاں نے اپنے فیصلے میں تبدیلی نہیں کی

یہاں سے جب پھر وہ اپنے قصر ہزار ستون میں پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کا دل جل گیا کہ آج اس نے جشن مسرت کا اہتمام کیا تھا، آج شیاما اور اس کی وجہ سے رادھا اور ہیراچند کی دعوت تھی، آج وہ اپنی زندگی کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع کرنا چاہتا تھا، لیکن سوچا کیا تھا ہوا کیا؟

ہیراچند اور رادھا کا کیا ذکر شیاما، یہ بھولی بھولی لڑکی جس کے حسن قیامت خیز نے اس کا دل خرید لیا تھا، حسام الدین کی عاشق نکلی، اُس نے دشمن سے محبت کی۔

ایسا دشمن جو ہماری بادشاہت کا بھی دشمن ہے، حکومت کا بھی اور مذہب کا بھی، !

ان سب کو عبرت ناک سزا ملنی چاہیئے، !

میں ہیراچند کی گردن اڑا دوں گا، !

رادھا کو بھی اس کے ساتھ جہنم واصل کر دوں گا،

اور شیاما، ــــ؟

کیا شیاما کو بھی قتل کر سکوں گا؟ کیا اس کی بے جان لاش دیکھ سکونگا؟ کیا مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ اس کی زندگی چھین سکوں؟

لیکن نہیں آستین میں سانپ نہیں پالا جا سکتا۔ وہ اگر میری نہیں بن سکتی، اگر وہ رسم وفا نہیں نباہ سکتی تو کسی طرح سزا سے نہیں بچ سکتی زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسے ایک موقعہ دوں، اس سے بات چیت کر کے اور نشیب و فراز سمجھا کے راہ راست پر لانے کی کوشش

کروں۔ اگر وہ حسام الدین کو فراموش کر دینے پر تیار ہو گئی تو میں اس کا ہوں یہ قصر ہزار ستون اس کا ہے، یہ حکومت اس کی ہے، یہ خزانہ شاہی اس کا ہے، یہ پورا ملک اس کا ہے اور اگر اپنی ضد پر اڑی رہی تو پھر اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو ہیراچند اور رادھا کا ہوگا۔ پھر میں اس کو معاف نہیں کر سکتا پھر اس کی جان بھی نہیں بچ سکتی، !

اتنے میں گوپال آیا، خسرو خاں نے پوچھا۔

کیا کر آئے؟"

اس نے جواب دیا۔

" خداوند نعمت کے حکم کی تعمیل کر کے آ رہا ہوں، !

" ہیراچند؟"

وہ جیل میں ہے اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا ہے، !

" نمک حرام، کمینہ ــــ اور رادھا؟"

" وہ قصر شاہی کے بندی خانے میں ہے اس کے بھی حواس غائب ہیں آنکھیں پرنم، زبان گنگ، !"

" اور اس کے سوا اس کی حالت ہو بھی کیا سکتی تھی، ــ مگر شیاما؟"

" خداوند نعمت عجیب چیز ہے وہ؟"

" کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

" نہ اس کے تیور میں کوئی کمی ہے، نہ آن میں، وہی دبدبہ، وہی شان، وہی آن، وہی وقار، بندی خانے میں بھی وہ رانی معلوم ہوتی ہے، اور لطف یہ ہے کہ وہی ٹھاٹھ، !"

" ٹھاٹھ ــــ کیا مطلب؟"

" کھانے کا وقت تھا، میرے سامنے بلکہ میری حسب ہدایت کھانا لایا گیا اور دونوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ اس

ہے ؟ ــــ مگر رادھا نے خاموشی کے ساتھ پانی پی لیا اور کھانے کا برتن الگ کھسکا دیا۔ گویا ابھی نہیں تو پھر کسی وقت کھالے گی۔

اور شیاما نے کیا کیا ؟

" اس نے باندی سے کڑک کر اور گرج کر کہا۔ "لے جاؤ !"

وہ بولی " کھا بھی لو ،!"

وہ کہنے لگی ،" ہم کہتے ہیں لے جاؤ ــــ یہ ناپاک کھانا ہے، یہ ایک چور ، قاتل اور ڈاکو کا کھانا ہے ، یہ ایک نمک حرام ، غدار ، محسن کش کا کھانا ہے ــــ اس سے بھوکا رہنا بہتر ہے ؟

" اس سے بھوکا رہنا بہتر ہے !

" جی خداوند نعمت ، ــــ پھر بولی میں اسے نہیں کھاؤں گی ، نہ اس وقت نہ رات کو ، نہ کل کو نہ کبھی ، !

باندی کو شاید کچھ ہمدردی سی پیدا ہوگئی تھی ، کہنے لگی :

" تو پھر زندہ کیسے رہو گی ؟ "

" وہ بولی ایسی زندگی سے موت بہتر ہے ، میں زندگی نہیں موت چاہتی ہوں ، کھانے کے بجائے اگر تھوڑا سا زہر لا سکو تو لا دو ، میں تمہیں انعام دوں گی "

باندی نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا ،

توبہ توبہ کہیں ایسا غضب نہ کرنا ، خودکشی ، ــــ

واہ اور زیادہ برہم ہو کر بولی :

" میں تمہاری نصیحت سننا نہیں چاہتی۔ جاؤ چلی جاؤ اور یہ خوان نعمت اپنے ساتھ لیتی جاؤ !

باندی کے لئے یہ باتیں بالکل نئی تھیں وہ حیرت سے ٹکر ٹکر اس کی طرف دیکھتی رہی ، پھر کچھ جواب دیئے بغیر اور کھانے کا خوان وہیں چھوڑ کر چلی گئی۔ مشکل سے دو قدم گئی ہوگی کہ ایک زور ارجھنکا ہوا ــــ

" یعنی ــــ ؟ "

" اس نے خوان اٹھا کر زور سے پھینک دیا ، تمام برتن ٹوٹ پھوٹ گئے ، تمام کھانا گر گیا ، بے حاری نے جلدی جلدی وہ سارے برتن اور گری ہوئی چیزیں سمیٹیں اور چپ چاپ جہاں سے آئی تھی وہیں چلی گئی ــــ "

" گویا وہ فاقہ سے ہے ! "

" خداوند نعمت ــــ "

" اس نے کھانے سے انکار کر دیا ہے ،! "

" خداوند نعمت ! "

" اس نے فاقہ کرتے کرتے جان دینے کا فیصلہ کر لیا ہے ۔ "

" خداوند نعمت "

" خداوند کے بچے بک بک مت کر ، جاؤ اس کی خوشامد کرو " اس کے قدموں پر سر رکھو ، اس کی منت سماجت کرو ، اور اسے کھانے پر آمادہ کرو ،!

" لیکن ــــ

لیکن ویکن کچھ نہیں اگر تم نے یہ نہ کیا ، اگر تم اس مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو ہیرا چند کا ہوا ہے ، بلکہ ہیرا چند تو ابھی تک جیل میں ہے۔ اس کی قسمت کا فیصلہ تو چند روز کے بعد ہوگا مگر تمہاری قسمت کا فیصلہ ابھی ہو جائے گا۔ یعنی تمہاری گردن اڑا دی جائے گی ــــ جاؤ اور دور ہو جاؤ سامنے سے ، ! "

گوپال پر اضطراب اور سراسیمگی کی کیفیت طاری ہوگئی عافیت اس میں سمجھی کہ سامنے سے ٹل جائے اور جا کر اس بت بے پیر کو رام کرنے کی کوشش کرے ، وہ واپس چلا ، مشکل سے چند قدم ہی گیا ہوگا کہ ایک مرتبہ خسروخاں کی آواز اس کے کانوں میں پہونچی۔

" جلد سے جلد آ کر ہمیں بتاؤ تم کامیاب ہوئے یا ناکام ؟ "

(۳)

بندی خانہ

گوپال خسرو سے رخصت ہو کر پھر محل کے بندی خانے میں پہنچا، راد ہا ایک گوشہ میں خاموش، مضمحل، اور افسردہ بیٹھی تھی، روتے روتے آنکھیں سوج گئی تھیں، اور شیاما جذبات سے خالی، خاموشی کے ساتھ ایک صندلی پر بیٹھی ہوئی تھی، !

گوپال گیا اور اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا، اس نے پوچھا۔

"کیوں آئے ہو؟"

وہ بولا، گناہ معاف کرانے آیا ہوں

اس نے حیرت سے گوپال کو دیکھا اور سوال کیا:-

"یہ کیوں؟ ـــــ گناہ معاف کرانے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی تمہیں؟"

"اس لئے کہ آج میری زندگی کا آخری دن ہے، !"

"یہ کیوں؟ ـــــ بھلا یہ کیسے معلوم کہ کون کب مرے گا؟"

"مجھے کم از کم اپنے بارے میں معلوم ہے، زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ کے اندر میں مر جاؤں گا، !"

"کیا خودکشی کرو گے؟"

"نہیں قتل کر دیا جاؤں گا، ؟"

"قتل کر دیئے جاؤ گے تم؟ ـــــ جو خسرو خاں کے دست راست ہو؟"

"جی میں آپ کا یہ غلام!"

لیکن کس جرم میں؟ کس گناہ پر؟ ـــــ تم نے تو حسام الدین کو نہیں بھگایا؟ تم نے تو بغاوت نہیں کی، تم تو بڑے نمک حلال ہو اپنے آقا کے!"

بجا ارشاد ہوا مگر "آقا کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔"

ـــــ یہاں سے جاتے ہی قتل کر دیا جاؤں گا، !"

"لیکن جرم؟"

"جرم یہ کہ میں آپ کو فاقہ نہ کرنے پر راضی نہ کر سکوں گا، آپ کو کھانا کھانے پر آمادہ نہیں کر سکوں گا۔ آپ میری بات نہیں مانیں گی اور اس جرم میں میری گردن اڑا دی جائے گی۔"

"لیکن میرے نہ کھانے سے تمہارے قتل کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"کم از کم خداوند نعمت کی نظر میں ہے، انہوں نے حکم دیا ہے یا تو شیاما کو کھانے پر آمادہ کرو ورنہ قتل ہو جانے پر تیار ہو جاؤ۔ اب میری زندگی اور موت آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، !

"اچھا کھا لوں گی لیکن ایک شرط ہے، اور اگر وہ شرط پوری نہ ہوئی تو مجھے تمہارے قتل ہو جانے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، ؟"

لیکن وہ شرط بھی بتا دیجئے۔

مجرم میں ہوں، گناہگار میں ہوں، حسام الدین کو میں نے فرار کرایا ہے سزا مجھے ملنی چاہیئے، میری بہن کیوں گرفتار بلا ہے؟ میرا بہنوئی کس جرم میں قید ہے؟ ـــــ اگر ان دونوں کو رہا کرا سکتے ہو تو بے شک تمہاری جان بچانے میں مدد کر سکتی ہوں ورنہ نہیں، میری بلا سے ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ قتل کرائے جاؤ!"

"لیکن یہ شرط تو خداوند نعمت نہیں مانیں گے، !"

"نہیں مانیں گے تو میں بھی اپنی ہٹ کی پکی اور ضد کی پوری ہوں، ـــــ میرا نام شیاما ہے، !"

"مجھ پر اعتبار کیجئے میں کوشش کروں گا مجھے امید ہے اگر میں نے جا کر یہ کہا کہ شیاما دیوی نے کھانا کھا لیا ہے تو وہ خوش ہو جائیں گے اور پھر یقین ہے ان دونوں بے گناہوں کو رہا کر دیں گے۔ لیکن اگر میں نے جا کر پہلے شرط پیش کر دی تو غصہ میں بھرے بیٹھے ہی ہیں نہ جانے کیا کر بیٹھیں ان کے حکم کو کون ٹال سکتا ہے؟

شیاما نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا:-

"جب تک میری شرط منظور نہ ہو جائے کچھ نہیں ہو سکتا!"

سکتہ

گوپال شیاما کے پاس سے رقاں وخیزاں پھر خسرو خاں کے حضور میں پہونچا وہ اسی طرح پیکر جلال وغضب بنا بیٹھا تھا، اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"کیا کر آئے؟"

گوپال سے کچھ جواب بن نہ پڑا۔ خسرو خاں نے اور زیادہ برہم ہوکر کہا۔

"جواب دو آخر کیا کر آئے ہو، سنتے نہیں میں کیا پوچھ رہا ہوں؟"

گوپال نے از اوّل تا آخر ساری داستان سنا دی، پھر کہا:

اگر آپ شیاما دالی منظور کر سکتے ہیں تو کھانا کھائے گی نہیں منظور کر سکتے تو غلام کی گردن حاضر ہے۔

یہ جواب سُن کر تھوڑی دیر تک خسرو خاں سکتہ میں رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔

بڑی دیر تک گوپال سر جھکائے کھڑا رہا اور خسرو خاں عالم خیال میں مستغرق، یکایک اُس کا رنگ رخ بدل گیا، اب تک اس کے چہرہ پر برہمی

خفگی، خشونت اور غصہ کی کیفیت طاری تھی، اب نرمی اور ملائمت کی کیفیت پیدا ہوگئی اس نے پہلو بدلتے ہوئے اسی دوستانہ انداز میں جو گوپال کے لئے مخصوص تھا پوچھا۔

"تمہاری کیا رائے ہے؟ —— کیا کرنا چاہیئے ہمیں؟"

بے شک گوپال نے خسرو خاں کی کیفیت کی تبدیلی محسوس کر لی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ بادشاہ تھا اور بادشاہوں کے مزاج کا کچھ ٹھیک نہیں ہوتا گھڑی میں کچھ گھڑی میں کچھ اور یہ تو چند دن پہلے تک ایک عام آدمی تھا اور اب بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ اور بادشاہ بن بیٹھنے کے بعد سے اپنے اندر بادشاہوں کی تمام خصوصیات زیادہ سے زیادہ شدت کے ساتھ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور جس خصوصیت کو اس نے خاص طور پر اپنی عادت بنا لیا تھا۔ وہ غصہ تھا، بات بات پر برہم ہوتا اور قتل کا حکم صادر کر دیتا۔

گوپال حیران تھا کہ کیا جواب دے، ؟

اگر شیاما کی تائید کرتا ہے تو ممکن ہے خداوند نعمت کو ناگوار گزرے، اگر نہیں کرتا تو پھر قتل کے سوا کچھ اور ممکن نہیں، !

اسے خاموش دیکھ کر اور زیادہ نرم خوئی کے ساتھ خسرو خاں نے پوچھا۔

"گوپال جواب دو —— جانتے ہو، تمہاری رائے کو ہم کتنی وقعت دیتے ہیں؟"

اب گوپال کی جان میں جان آئی، اس نے محسوس کر لیا، موڈ بدل چکا ہے اور خداوند نعمت شیاما کے سامنے سر جھکانے کو تیار ہوگئے ہیں۔ اس نے کہا۔

شیاما کماری نے بات تو ٹھیک ہی کہی ہے۔

"خسرو خاں نے پوچھا یعنی تمہاری رائے میں راد ہا اور ہیرا چند کو رہا کر دینا چاہیئے ہمیں؟"

"لیکن کیا وہ مجرم نہیں ہیں ؟"

ان کا جرم اس کے سوا کیا ہے کہ رادھا، شیاما کی بہن ہے اور ہیراچند بہنوئی ـــــ اصل مجرم تو ـــــ

"شیاما ہے ؟"

"وہ خود بھی کہتی ہیں اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے، حسام الدین کو ہیراچند کسی قیمت پر رہا نہیں کر سکتا تھا، وہ نیک اور حد درجہ وفادار شخص ہے۔ رہی بے چاری رادھا تو اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں اصل معاملہ کیا ہے۔

ان دونوں کا جرم اگر ہے تو صرف یہ کہ انہیں اس سے محبت تھی، بہت زیادہ لاڈ کرتے تھے شیاما کماری کا، انہیں پوری آزادی تھی جو چاہیں کریں۔ اس لاڈ نے انہیں خود مختار اور خود سر بنا دیا اور انہوں نے حسام الدین کو رہا کر دیا، ! ـــــ انہیں جو سزا چاہیں آپ دے سکتے ہیں !"

خسرو خاں نے اٹھتے ہوئے کہا:

یہی تو مشکل ہے، ـــــ خیر ہیراچند اور رادھا کو رہا کر دو۔ ملکہ ہیراچند سے کہہ دو وزارت کا کام بدستور انجام دے

رہائی کے بعد

بات بن گئی، !

ہیراچند رہا ہو کر، پھر اپنے ایوانِ وزارت میں پہونچ گیا، رادھا بھی اس کے ساتھ تھی، !

جیل کی سختیوں سے رہائی مسرت بخش ضرور تھی، لیکن شیاما اب تک قید تھی، اس کا صدمہ ہیراچند کو بھی تھا اور رادھا کو بھی۔

شیاما رادھا کی بہن تھی اسے جتنا صدمہ ہوتا کم تھا۔ لیکن ہیراچند بھی اسے باپ کی طرح چاہتا تھا، اس کے دکھ کو وہ اپنا دکھ محسوس کرتا تھا، اگر اس کی لڑکی ہوتی اور اس نے ایک مسلمان سے محبت کی ہوتی اور اسے فرار کرا دیا ہوتا تو شاید غیرت قومی سے متاثر ہو کر وہ اس کا خون پی لیتا، اسے قتل کر دیتا، !

لیکن شیاما کے ساتھ وہ کچھ نہ کر سکا، اس کے اتنے بڑے جرم پر ملامت کا ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا، اس سے نفرت کا اظہار بھی نہ کر سکا، اس کا بس چلتا تو اس کی خوشی کے لئے، اسے خوش دیکھنے کے لئے سب کچھ کر گزرتا لیکن وہ بے بس تھا، شیاما قید تھی، اور وہ وزیر اعظم ہونے کے باوجود یہ قدرت نہیں رکھتا تھا کہ اسے رہا کر سکے، !

یہی کیفیت رادھا کی تھی، !

اس کو بھی اپنی اس چھوٹی بہن سے والہانہ محبت تھی، اگر کبھی کوئی اسے طعنہ دیتا کہ وہ لاولد ہے تو وہ مسکراتی ہوئی شیاما کی طرف اشارہ کر دیتی اور کہتی

"یہ کیا ہے ؟"

واقعی وہ اسے اولاد سے زیادہ چاہتی تھی، !

محل کے بندی خانے میں رادہا اور شیاما پاس پاس قید تھیں، تنہائی تھی، دونوں جتنی دیر چاہتیں باتیں کر سکتی تھیں، لیکن اس مدت میں رادہا نے ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا جس سے شیاما کی دل شکنی ہوتی البتہ شیاما اس بات پر ضرور کڑھ رہی تھی کہ محض اس کی وجہ سے بہن اور بہنوئی کو بتلائے مصیبت ہونا پڑا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ان دونوں کی رہائی کا جتن کیا اور بالآخر اس میں کامیاب بھی ہو گئی،!

بندی خانے میں یعنی محل کے قید خانے میں رادہا کی آنکھیں روتے روتے اس لئے سوج گئی تھیں کہ ہیرا چند قید تھا،!

اور اب رہا ہو کر ایوانِ وزارت میں واپس آنے کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی گنگا جمنا اس لئے بہ رہی تھی کہ شیاما قید تھی،

اس نے ہیرا چند سے پوچھا:

"کیا شیاما کے لئے کچھ نہیں ہو سکتا؟"

وہ رازدارانہ طور پر سرگوشی کے لہجہ میں بولا

"نہیں ــــ خسرو خاں اس پر ریجھا ہوا ہے ہزار جان سے اس پر عاشق ہے مگر وہ اس سے نفرت کرتی ہے ــــ

"اور حسام الدین سے محبت کرتی ہے، محبت کبھی تو کس سے؟"

"رادہا یہ نہ کہو حسام الدین اس قابل تھا کہ اس سے محبت کی جاتی اور شیاما جیسی لڑکی صرف اس سے محبت کر سکتی تھی،؟"

رادہا نے حیرت سے ہیرا چند کو دیکھا اور سوال کیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ ــــ کیا ہو گیا ہے تم کو؟"

وہ بولا "میں غلط نہیں کہتا،!"

"تو تمہاری رائے میں شیاما نے ٹھیک کیا؟"

"ہاں بالکل!"

"مگر حسام الدین کہاں گیا اب وہ کہاں ملے گا؟"

"میں تلاش کروں گا اسے،!"

یہ سُن کر رادہا کانپ گئی، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

"یہ میں کیا سُن رہی ہوں؟"

ایک جوش کے عالم میں ہیرا چند نے کہا:

میں شیاما کے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں، وہ اگر مسلمان ہو جائے گی تو میں بھی ہو جاؤں گا، وہ حسام الدین کو چاہتی ہے، میں جہاں وہ ملے گا ڈھونڈ لاؤں گا، اور اس کی شادی اس سے کروں گا، وہ خسرو خاں سے نفرت کرتی ہے، اب میں بھی اس سے نفرت کرنے لگا ہوں، اور سچ پوچھو تو وہ نفرت کے قابل ہے بھی،!"

"ہاں ہے تو ــــ"

اس میں انسانیت نہیں، شرافت نہیں، معقولیت نہیں۔ جب تک مسلمان حکمران تھے شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے، کسی کو کسی سے شکایت نہیں تھی، رعایا چین سے رہتی تھی، کسی پر ظلم نہیں ہوا، سب کی عزت آبرو، جان، ہر چیز محفوظ تھی،!" "ہاں یہ بھی ٹھیک ہے بالکل،!"

اور جب سے یہ تخت پر بیٹھا ہے اس نے سب کو پریشان کر دیا ہے، نہ رعایا چین سے ہے، نہ کسی کی جان محفوظ ہے، نہ مال، نہ آبرو، یہ جسے چاہتا ہے قتل کر دیتا ہے۔ یہ کمینوں، رذیلوں اور لفنگوں کو بڑے بڑے عہدے دیتا ہے، شریفوں کو ذلیل کرتا ہے، اگر چند سال بھی یہ حکمراں رہ گیا تو اس دیس میں خاک اڑنے لگے گی،!"

لیکن یہ بھی سوچو وہ ہمارا ہم مذہب ہے؟"

"کیا کہتی ہو رادہا، ــــ ہمارا مذہب انسانیت ہے جو انسان کے کام آئے۔ اس کا مذہب پستی ہے جو انسانوں کو ستائے اور دکھ دے۔

کام آئے۔ اس کا مذہب پستی ہے جو انسانوں کو ستائے اور دکھ دے۔ نہیں رو کے اور ان کی آبرو سے کھیلے، وہ بھی بُرا۔ اس کا مذہب بھی بُرا۔

"ہمارا مذہب بھی بُرا ہوگیا، ؟"

"نہیں وہ بہت اچھا ہے، لیکن مذہب کا نام لے کر جو شخص اٹھا ہے وہ بُرا ہے، اس نے مذہب کو بھی بدنام کر دیا ہے، !"

"ہاں یہ ٹھیک ہے، !——— مگر اب ہوگا کیا ؟"

"ہوگا کیا ؟"

"ہاں بتاؤ، !"

"مسلمان پھر حکومت کریں گے۔ ہندوؤں کو حکومت کا موقع ملا تھا مگر وہ ضائع ہوگیا !"

"مگر تم کیا کرو گے ؟"

"میں مسلمانوں کا ساتھ دوں گا، اس لیے کہ وہ اچھے اور نیک لوگ ہیں !"

"اور خسرو خاں ؟"

بے شک میں ان کا وفادار تھا، لیکن اب وفاداری کے معنی بھگوان سے غداری کے ہیں، میں بھگوان سے غداری نہیں کر سکتا، !

"لیکن شیاما جو اس کی قید میں ہے۔

"تو ——— ؟"

"اسے وہ ستائے گا۔ تکلیفیں دے گا، !"

"نہیں یہ کچھ بھی نہیں کر سکتا وہ، !"

"یہ کیسے جانا تم نے ؟"

"اگر یہ کر سکتا ہوتا یا کرنا چاہتا ہوتا تو ہمیں اس کے کہنے سے، اس کے شرط لگانے سے، اس کی ضد سے مجبور ہو کر رہا نہ کر دیتا، !"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن وہ اس سے شادی کرنا چاہے گا ؟"

"اور وہ صاف انکار کر دے گی، !"

"کیا تب بھی سختی نہیں کرے گا ؟"

اسے راہ راست پر لانے کی وہ پوری کوشش کریگا۔ اور اس کوشش میں وہ جلد بازی سے کام نہیں لے گا !"

"یہ کیوں ؟"

"اس لیے کہ وہ اس کی سرشت اور مزاج کا اندازہ رکھتا ہے، وہ سختی سے نہیں خوشامد سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرے گا اور اس میں دیر لگے گی، !"

"مگر کتنی دیر ؟"

"اتنے عرصہ میں مسلمان آجائیں گے !"

"تمہیں کیسے معلوم ؟"

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تغلق ایک منجھی ہوئی، تجربہ کار اور بہادر فوج کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھ رہا ہے۔

"واقعی ؟——— سچ ؟ پھر ؟

"وہ آئے گا اور کامیاب ہوگا، وہ خسرو خاں کی حکومت کا جو غاصبانہ ہے تختہ الٹ دے گا، وہ نئی حکومت قائم کرے گا، اور یہ حکومت عدل و انصاف پر مبنی ہوگی، ——— پھر ہماری شیاما کو بھی اس درندے کے پنجہ سے نجات مل جائے گی، !"

بھگوان کرے ایسا ہی ہو ! ——— لیکن نہ جانے کیوں میرا دل ہولتا ہے، !"

"وہ تو ہولتا ہی چاہیے بھائی، !"

"کیوں ہولنا چاہیے !"

اس لیے کہ تم عورت ہو ——— (مسکراتے ہوئے) اور عورت کا دل بہت جلد ہولنے لگتا ہے، !"

"تم بڑے بہادر ہو!"

"وقت آئے تو دیکھ لینا ہماری بہادری!"

"میں کچھ نہیں جانتی میری شیاما کو لاؤ!"

راد ہا اطمینان رکھ وہ آئے گی اور ضرور آئے گی، عزت آبرو کے ساتھ آئے گی اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے گی، مجھے یقین ہے حسام الدین اسے بہت اچھی طرح رکھے گا۔ — زیر لب تبسم کے ساتھ اسی طرح جیسے میں تمہیں رکھتا ہوں!"

"(ناز سے) ہاں بہت رکھتے ہیں۔!"

"ایمان سے کہو نہیں رکھتا؟"

(سنجیدگی سے) تو میں کب انکار کرتی ہوں!"

"شکریہ ذرا نوازی کا!"

"لیکن تم نے تو جیسے طے کر لیا ہے کہ شیاما کی حسام الدین سے شادی کر کے رہو گے!"

"ہاں، — یہ میرا اٹل فیصلہ ہے!"

"لیکن اگر اس نے انکار کر دیا!"

حسام الدین نے اور کس نے؟ ممکن ہے اس کی شادی ہو چکی ہو؟ ممکن ہے اس کے بچے ہوں!"

"ہوا کریں!"

"تب بھی کر دو گے؟"

"اول تو جہاں تک میرا خیال ہے وہ کنوارا ہے —"

"یہ کیسے جانا تم نے؟"

"اس نے خود ہی ایک روز مجھ سے کہا تھا!"

"کیا کہا تھا؟ میں نے تو کچھ نہیں سنا!"

تم ہر وقت میرے دل میں تو رہتی ہو لیکن ہر وقت میرے پاس تو نہیں بیٹھی رہتیں، — اس نے ایک دفعہ بر سبیل تذکرہ مجھ سے کہا تھا، میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے، نہ ماں، نہ باپ، نہ بھائی، نہ بہن، نہ بیوی، نہ اولاد۔ یہی چیزیں انسان میں زندگی کا لالچ پیدا کرتی ہیں۔ مجھے اپنی زندگی کی پروا نہیں آپ قتل کر دیں، خسرو خاں جان لے لے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہاں میری یہ تمنا اور دعا ضرور ہے کہ میدان جنگ میں جہاد کرتے ہوئے کام آؤں۔"

"کہتے تو سچ ہو، واقعی بڑا اچھا آدمی ہے!"

"اب ہوئیں قائل ہمارے انتخاب کی!"

"(مسکراتے ہوئے) انتخاب تو شیاما کا ہے!"

جو شیاما کا انتخاب، وہ میرا جو میرا انتخاب وہ اس کا، وہ میری آنکھ سے دیکھتی ہے میں اس کی آنکھ سے دیکھتا ہوں، وہ میرے کان سے سنتی ہے۔ میں اس کے کان سے سنتا ہوں میری اسکی رائے، اور خیال ہر چیز ایک ہے!"

"لیکن خسرو خاں کو اگر بھگوان نہ کرے تم پر شبہ ہو گیا تو؟"

"میں اسے شبہ نہیں ہونے دوں گا!"

"یہ نہ کہو، لگائی بجھائی کرنے والے بہت ہیں — بھگوان نہ کرے گوپال کیا کم ہے؟" — آستین کی جھرنا!"

"میں اس سے نہیں ڈرتا،

"لیکن میرا دل کہتا ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ گل کھلائے گا!"

"اگر ایسا کرے گا تو سزا بھگتے گا!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ہرکارہ آیا اور اس نے کہا!

"خداوند نعمت نے ابھی اور اسی وقت یاد کیا ہے؟"

خسرو خاں اور شیاما

شیاما خاموش اور سنجیدہ محل کے بندی خانے میں بیٹھی ہے، اس نے چاپ کی آہٹ محسوس کی نظر اٹھا کر دیکھا تو خسرو خاں سامنے کھڑا تھا۔

وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

خسرو خاں نے گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا۔

" شیاما! — یہ جگہ تمہارے لائق ہے؟ تمہیں یہاں ہونا چاہیے تھا؟"

وہ بے نیازی اور نخوت کے ساتھ گویا ہوئی

" یہ جگہ میرے لائق نہ ہوتی تو میں یہاں ہوتی کیوں؟"

خسرو خاں نے بہت نرم اور ملائم لہجہ میں کہا۔

" شیاما، میں نے رادھا اور ہیرا چند کو رہا کر دیا،"

وہ بولی، میں نے کھانا کھا لیا!"

خسرو خاں نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

" تمہاری یہی باتیں ہیں جن پر میں جان دیتا ہوں!"

وہ بولی" کاش آپ مجھ سے نفرت کرتے ہوتے"

خسرو خاں نے ایک جوش کے ساتھ جواب دیا۔

" میں اور تم سے نفرت؟ شیاما کیا یہ ممکن ہے؟"

" یہ آپ کی باتیں ہیں میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

" شیاما میں تم سے محبت کرتا ہوں، بے پناہ محبت۔ ایسی محبت جو آج تک اس دنیا میں کسی مرد نے کسی عورت سے نہیں کی ہوگی،"

" مجھے شبہ ہے، آپ محبت کے معنی بھی نہیں جانتے!"

" یہ نہ کہو شیاما — شیاما میری محبت کی توہین نہ کرو میں تم سے محبت کرتا ہوں، میں دل و جان سے تم پر فریفتہ ہوں، میں ہزار جان سے تم پر عاشق ہوں۔ تم میری محبت کا، میرے عشق کا امتحان لے سکتی ہو!"

" مجھے امتحان لینے کی ضرورت نہیں!"

" میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا!"

" مجھے آپ کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں!"

" میری جان چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے — مجھے نہ ٹھکراؤ!"

" لیکن مجھے کسی چاہنے والے کی ضرورت نہیں!"

" یہ کیونکر ممکن ہے، خدا نے مرد اور عورت کو پیدا اس لئے کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کریں۔ ایک دوسرے کی تسکین کا سبب بنیں!"

" لیکن یہ محبت رضاکارانہ اور رضامندانہ طور پر ہونا چاہیئے!"

" بے شک! یہی میں چاہتا ہوں!"

" لیکن یہ ناممکن ہے؟"

" کیا بتاؤ گی کیوں؟"

" اس لئے کہ میں نہ آپ سے محبت کرتی ہوں، نہ کروں گی، نہ کر سکتی ہوں۔"

" اس لئے کہ تم حسام الدین سے محبت کرتی ہو؟"

"حسام الدین سے محبت نہ کرتی ہوتی تو بھی میں آپ سے نہ کرتی؟"

"کس خطا پر؟"

میرے اور آپ کے مزاج میں اختلاف ہے، میرے اور آپ کے معیار حیات میں اختلاف ہے، میرے اور آپ کی کسی طرح نہیں نبھ سکتی جس طرح آگ اور پانی کی نہیں نبھ سکتی۔!

"تم جانتی ہو میں کون ہوں؟"

"خسرخاں۔!"

"کچھ اور بھی ہوں؟"

"ایک غاصب، ایک محسن کش، ایک ظالم، ایک نفس پرست، ایک بدسیرت، ایک بدکردار۔۔۔

(غصہ کے عالم میں) تم ہو کہ میں نے اتنی باتیں سن لیں، کوئی اور ہوتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔!"

"میں جانتی ہوں اس فن میں آپ طاق ہیں مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی اگر آپ میری گردن بھی اڑا دیں تو، بلکہ شاید میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔!"

"لیکن اگر حسام الدین ملجائے تب بھی کیا تم اسی طرح مرنا چاہو گی؟"

"نہیں جب نہیں۔!"

"اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اب تک اس سے محبت کئے جا رہی ہو۔"

"اب تک کے کیا معنی؟۔۔۔۔!!"

"اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے مجھے حسام الدین کا خاتمہ کر دینا چاہیئے، پھر تم سے بات کرنا چاہیئے۔"

"لیکن وہ آپ کی پہونچ سے باہر ہے۔ اس تک آپ کی رسائی نہیں ہو سکتی۔!"

"وہ جہاں بھی ہوگا میں اسے ڈھونڈھ نکالوں گا، اسے قتل کروں گا اور

اس کا کٹا ہوا سر ایک خوان میں رکھ کر سرپوش سے ڈھک کر تحفہ کے طور پر تمہارے سامنے بھیجوں گا۔!"

"ان باتوں سے ذرا بھی دہشت میرے اوپر طاری نہیں ہوتی۔"

جانتے ہیں کیوں؟"

"نہیں جانتا بتاؤ جاننا چاہتا ہوں۔"

"جب وہ آپ کے پاس تھا قید تھا، جب بھی آپ میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اس کی جان لے سکتے۔ اب تو وہ آپ کی رسائی سے باہر ہے اب آپ کیا کر سکتے ہیں؟"

"پہلے وہ صرف باغی تھا، اب رقیب ہے۔!"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"میں باغی کو ڈھیل دے سکتا ہوں، اسے معاف بھی کر سکتا ہوں لیکن رقیب کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کر سکتا۔ اب وہ صرف باغی ہی نہیں میرا رقیب بھی ہے۔!"

"لیکن اپنی خیر منائیے۔۔۔!"

"مجھ اس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟"

"کیوں آپ اس سے زیادہ بہادر ہیں؟"

"میں بادشاہ ہوں، میرے پاس فوج ہے، وہ ایک معمولی آدمی ہے، اس کے پاس تلوار بھی نہیں اور اگر ہے بھی تو ٹوٹی ہوئی، میرا اس کا کیا مقابلہ!"

"یہ تو مقابلہ کے وقت ہی معلوم ہوگا۔!"

"تم اس کا نام لیتی ہو تو میرا خون کھول اٹھتا ہے تم اس کی تعریف کرتی ہو تو میں غصہ سے بے حال ہو جاتا ہوں۔"

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔!"

"شیاما نہیں مجھ سے ہمدردی ہے؟"

"ہاں ہے۔"

"تو پھر تم حسام الدین کو بھول جاؤ۔"!

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ — یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا،!"

"ایک بات تو سوچو شیاما۔"

"فرمائیے کونسی بات ہے وہ؟"

"میری رفیقۂ حیات بن کر تم راج کرو گی، حکومت کرو گی، اور قصرِ ہزار ستوں تمہارا ہو گا۔ یہ خزانہ شاہی تمہارا ہو گا، یہ شہنشاہ ہند تمہارا چاکر ہو گا، — اور اگر تم نے حسام الدین کو پسند کیا تو وہاں تمہیں کوئی سکھ نہ ملے گا، کوئی آرام نہیں پہونچا سکتا، سکھ نہیں دے سکتا۔ وہ میری طرح بادشاہ نہیں ہے، ایک فقیر ہے،!"

"لیکن وہ بہت بڑا انسان ہے — اور بہت بڑا انسان بادشاہوں سے بھی بڑا ہوتا ہے۔!"

"یہ تمہارا خیال ہے،!"

"یہ میرا ہی خیال نہیں، دنیا کے تمام اچھے اور قابل لوگوں کا خیال ہے،!"

"میں اس سے اختلاف کرتا ہوں!"

"میں آپ کو نہ اختلاف کرنے سے روک سکتی ہوں، نہ اتفاق کرنے پر مجبور کر سکتی ہوں۔ یہ اپنی اپنی رائے ہے، ہر شخص کو حق ہے کہ آزادی سے جو رائے چاہے قائم کرے،!"

"شیاما، میں تم سے کہتا ہوں کہ مان جاؤ!"

"کیا مان جاؤں؟"

"میری رانی بن جاؤ، میری ملکہ بن جاؤ۔"

"میں دوسروں کا حق نہیں ماننا چاہتی۔"

"دوسروں کا حق؟ — یعنی!"

"آپ کے پاس نہ رزق کی کمی ہے، نہ رانیوں کی،!"

"اوہ یہ خیال ہے تمہارا!"

"جی میرا یہی خیال ہے، — بالکل یہی،!"

"میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں، میں تمہارے لئے سب کو چھوڑ سکتا ہوں۔"

"یعنی کیا کریں گے آپ؟"

"میں سب کو چھوڑ دوں گا، سب کو طلاق دے دوں گا۔ قصرِ ہزار ستوں میں تمہارے سوا کوئی ملکہ نہیں ہو گی، کوئی رانی نہیں ہو گی،!"

"کیا آپ یہ کر سکتے ہیں؟"

"ہاں اگر تم راضی ہو جاؤ، اگر تم ضد چھوڑ دو،!"

"میں راضی نہیں ہو سکتی،!"

"اچھا آؤ ایک بات پر فیصلہ کر لیں۔"!

"وہ بات بھی کہہ ڈالئے،!"

"ہم ہیرا چند کو حکم قرار دیتے ہیں،؟"

"کیوں؟ — کس لئے؟"

"جو فیصلہ وہ کریں، ہم دونوں منظور کر لیں،!"

"مجھے یہ بات منظور نہیں ہے،!"

"آخر کس لئے،؟"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اس میں مداخلت کی اجازت میں کسی کو نہیں دے سکتی، خواہ ہیرا چند ہوں، یا خسرو خاں، یا کوئی اور،!"

"اس ضد کا انجام بہت برا ہو گا شیاما،!"

"میں ہر انجام بھگتنے کے لئے تیار ہوں!"

"میں جتنا نرم ہوں، اتنا ہی سخت ہوں، رحم کرتا ہوں تو ظلم کرنا بھی

جانتا ہوں، نرمی آتی ہے تو سختی کے فن سے واقف ہوں،!"

"ہاں آپ میں یہ سب صفتیں ہیں، مجھے تسلیم ہیں!"

"مجھے سختی پر مجبور نہ کرو،!

"آپ سختی کر کے میرا کیا بگاڑ لیں گے؟"

"میں ایسی سختی کروں گا تم برداشت نہ کر سکو گی،!"

"میں ہر سختی برداشت کر سکتی ہوں، حسام الدین کی جدائی سے زیادہ سختی اور کیا ہو سکتی ہے، آخر اسے گوارا کر ہی رہی ہوں،!"

"پھر حسام الدین کا نام لیا تم نے؟"

"یہ نام تو میرے لئے تسکین زندگی ہے،!

"تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ مسلمان ہے اور تم ہندو،!"

"سوچا تھا ــــ کئی دفعہ،؟

"پھر کس نتیجہ پر پہونچیں، یہ بھی بتا دو!"

"انسانیت ہر چیز سے بالا ہے ــــ مذہبی تعصب پر بھی،؟

رنگ میں بھنگ

کتنے شوق، کتنے چاؤ، کتنے اہتمام سے خسرو خاں نے جشن مسرت کا اہتمام کیا تھا،

شیاما کی دعوت،!

کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی جشن ہو سکتا تھا،؟

لیکن اس جشن کی جس بری طرح مٹی پلید ہوئی اس نے اسے حواس باختہ اور انتہائی مضطرب کر دیا تھا،!

اس جشن کی ہیروئن محل کے بندی خانے میں قید تھی۔

اور یہ اتنی ضدی ہٹیلی تھی کہ کسی طرح راہ راست پر نہ آتی تھی۔

جشن کی ساری تیاریاں مکمل تھیں، لیکن یہ جشن منایا نہیں جا سکتا تھا!

شیاما کے پاس سے مایوس دل گرفتہ اور مضمحل ہو کر خسرو خاں پھر اپنے کمرے میں آیا۔ اور آتے ہی اس نے ہیرا چند کو طلب کیا، وہ ذرا دیر میں پہونچ گیا!

خسرو خاں نے ہیرا چند سے کہا۔

"سلطنت کا باغی تمہارے ہاں سے فرار ہوا ہم نے اس جرم میں تمہیں قید کر لیا مگر تمہاری وفاداریاں آڑے آئیں بالآخر ہم نے تمہیں رہا کر دیا!"

ہیرا چند نے ادب کے ساتھ جواب دیا۔

"مجھے اس کا اعتراف ہے خداوند نعمت۔!"

خسرو خاں نے دریافت کیا۔

"تم ہمارا احسان مانتے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔۔۔ "مانتا ہوں۔۔۔۔ ورنہ آج میں کہاں ہوتا؟ میری لاش سولی پر لٹک رہی ہوتی۔!"

"ہاں ایسا ہی ہوتا۔ مگر تم بچ گئے!"

"بے شک ۔۔ اور یہ آپ ہی کا کرم ہے۔!"

"لیکن احسان کا بدلہ بھی تو ادا کیا جاتا ہے"

"بے شک۔"

"پھر کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"

"جو حکم ہوا سے بجا لانے کے لئے آپ مجھے آمادہ اور مستعد پائیں گے۔!"

"تو تمہیں ایک ہمارا کام کرنا پڑے گا۔۔ کرو گے؟"

"اگر کر سکوں گا تو ضرور کروں گا، نہ کر سکوں گا تو بھی اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھوں گا۔!"

"ہمیں تمہاری دیرینہ وفاداری، شرافت اور وضعداری سے امید بھی یہی تھی؟"

"مگر ارشاد ہو وہ کام کیا ہے جس کے لئے میں طلب کیا گیا ہوں!"

"تم جانتے ہو شیاما اب تک قید ہے"

"جانتا ہوں خداوند نعمت۔!"

"کیا تمہیں اس کی اس سے دکھ نہیں ہے؟"

"ساری دنیا کے دکھ بھول سکتا ہوں۔ لیکن خداوند نعمت اسے نہیں بھول سکتا۔"

"ہمیں یقین ہے ۔۔ ایک بات بتاؤ!"

"ارشاد!"

"کیا تم نہیں چاہتے کہ وہ رہا ہو۔"

"دل سے چاہتا ہوں!"

"کیا تم نہیں چاہتے کہ وہ سکھ، آرام، عزت اور وقار کی زندگی بسر کرے؟"

"زندگی کا مقصد اور کیا ہے؟"

"کیا تم نے وعدہ ہم سے نہیں کیا تھا کہ اس کی شادی ہم سے کر دو گے؟"

"کیا تھا؟"

"پھر اس وعدہ کے ایفا پر تیار ہو؟"

"تیار ہوں جہاں پناہ!"

یہ سن کر خوشی سے خسرو خاں کا چہرہ دمک اٹھا اس نے کہا۔

"سچ کہتے ہو؟ ۔۔ واقعی؟"

ہیرا چند نے جواب دیا۔

"قول مرداں جان دارد؟"

خسرو خاں کا دھڑکتا ہوا دل مطمئن ہو گیا اس نے کہا

"لیکن وہ حسام الدین کے عشق کا دم بھر رہی ہے، ہم سے اظہار نفرت کر رہی ہے، ہماری پیش کش ٹھکرا رہی ہے ۔ ہیرا چند وہ ہماری رانی بننے سے انکار کرتی ہے، وہ سلطنت ہند کی ملکہ بننے سے انکار کرتی ہے!"

ہیرا چند نے کچھ تامل کے بعد کہا۔

"ضرور کرتی ہوگی!"

"خسرو خان نے چین بہ جبیں ہو کر پوچھا"

"کیوں ــــ؟"

ہیرا چند نے جواب دیا۔

"اس لئے کہ آپ نے اس کے ساتھ تحکمانہ طریقہ اختیار کیا،!"

"ہم نہیں سمجھے،!"

"اگر آپ کو اس سے محبت تھی، اگر آپ کو اس سے عشق تھا، اگر آپ واقعی اسے اپنی رانی اور ملکہ بنانا چاہتے تھے تو آپ مجھے قتل کر دیتے مگر اس کے ساتھ ایسا یہ برتاؤ نہ اختیار کرتے، نہ اسے حسام الدین کا طعنہ دینا چاہیئے تھا نہ اسے گرفتار کرنا چاہیئے تھا، نہ اس کی توہین و تذلیل کرنی چاہیئے تھی۔"

"توہین و تذلیل ہم نے کب کی؟"

"اس سے بڑھ کر توہین و تذلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ مستقبل کی ملکہ ہند بندی خانہ میں محبوس ہے، وہ بدرجہ خود سر، ضدی اور ہٹ کی پکی لڑکی ہے، یہ طرز عمل اختیار کر کے آپ نے واقعی اسے اپنے آپ سے متنفر کر لیا اور اب اس کا راضی ہونا بہت مشکل ہے۔"

"تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے تھا؟"

"آپ کو چاہیئے تھا کہ حسام الدین کا اس کے سامنے نام بھی نہ لیتے۔ اس پر شفقت و کرم کی بارش کرتے، اس کی کڑوی کسیلی باتیں بھی برداشت کر لیتے، پھر کہاں تک اس پر اثر انداز نہ ہوتا"

"کیا وہ حسام الدین کو بھول جاتی؟"

"قطعاً بھول جاتی ــ کہاں آپ کہاں حسام الدین، کہاں بادشاہ کہاں فقیر، کہاں سورج، کہاں چاند، پھر آپ کے سوا وہ کسی کی نہ بنتی!"

"واقعی یہ ہم سے بہت بڑی چوک ہوئی،!"

"بلکہ میں تو کہتا ہوں نا قابل تلافی چوک،!"

"ٹھیک کہتے ہو،!"

"آپ نے یہ سب کچھ اس دن کیا، جب اس کی دعوت ہوئی تھی جب جشن مسرت کا اہتمام کیا تھا، کتنے شوق سے وہ شرکت کی تیاریاں کر رہی تھی۔"

"واقعی ــ"

"بالکل صحیح خداوند نعمت،!"

"لیکن وہ تو خود ہی دوڑتی ہوئی آ گئی اور حسام الدین کے فرار کی ساری ہی ذمہ داری اپنے سر لے لی اس اقرار و اعتراف کے بعد ہم کیا کرتے؟"

"معاف کر دیتے؟"

"اتنا بڑا جرم،؟"

"حسام الدین کی حیثیت کیا ہے،؟ نہ اس سے یہاں کوئی خطرہ تھا، نہ یہاں سے جانے کے بعد خطرے کا باعث ہو سکتا ہے، اس کے فرار کو اتنی اہمیت ہی نہیں دینی چاہیئے تھی، ــــ اور ــــ اور"

"ہاں ہاں کہو،!"

"اور آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ ڈرتی ہوئی کیوں آئی؟ اور کیوں بے جھجک اتنے بڑے جرم کا اقرار کر لیا۔؟

"کیا سبب تھا اس کا؟"

"ناز ــ وہ جانتی تھی آپ اس سے محبت کرتے ہیں، کچھ نہیں کہیں گے یہ اس کی سازش نہ تھی، ــ"

"پھر کیا تھا؟"

"یہ اس کی شرارت تھی، جیسے بچے، پنجرہ کھول کر پنچھی اڑا دیتے ہیں،"

"کیا کیا؟ ــ واقعی ــ؟"

"وہ دیکھنا چاہتی تھی اتنے بڑے جرم کے بعد بھی آپ کی محبت قائم رہتی ہے یا نہیں ۔۔۔؟"

"یہ بات تھی؟"

"خداوند نعمت!"

"ہوں!۔۔"

"اس نے آپ کا امتحان لیا تھا، اور خداوند نعمت مانیں تو عرض کروں کہ آپ امتحان میں فیل ہوگئے!"

"ہمیں ندامت کے ساتھ اس کا اقرار ہے!"

"یہ بھی آپ کی بے پناہ اور لازوال محبت کا ثبوت ہے؟"

"تو پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

"اسے رہا کر دیجئے!"

"کیا پھر وہ راضی ہو جائے گی؟"

"ہو جائے گی، اس کا میں ذمہ لیتا ہوں!"

"سوچ لو اچھی طرح ۔۔۔ بہت بڑی جرات کی ہے تم نے؟"

"جی ہاں، اور سوچ سمجھ کر کی ہے۔!"

"تم اسے راضی کر لوگے۔؟"

"قطعًا ۔۔۔ لیکن ہتھیلی پر سرسوں نہیں جم سکتی!"

"اس کا کیا مطلب؟"

"اب اسے راضی کرنے میں دیر لگے گی، ۔۔۔ اسے رہا کیجئے، میں اور رادھا رفتہ رفتہ اسے راہ راست پر لاسکیں گے ممکن ہے اس میں ایک مہینہ لگ جائے، ممکن ہے زائد، لیکن کامیابی یقینی ہے۔"

"ہمیں تمہاری تجویز منظور ہے۔ شیاما کو اپنے ساتھ اعزاز و اکرام کے ساتھ لے جاؤ۔"

گرفتارِ بلا

ہیراچند کی حسام الدین سے جب جب بات ہوئی تھی، اس سے وہ متاثر ہوا تھا، اس میں صداقت کی جھلک نظر آتی تھی ہر مرتبہ کی گفتگو میں کچھ دیر کے لئے خسرو خاں سے اس کی وفاداری ۔۔۔ فرو متزل ہوگئی۔

لیکن اقتدار و اختیار کی ہوس انسان کے ضمیر کو مردہ کر دیتی ہے، اس کے دل میں کھٹک پیدا ہوتی ہے، لیکن وہ اسے خاطر میں نہیں لاتا۔ اس کی آنکھیں سب کچھ دیکھتی اور دماغ سب کچھ سوچتا ہے لیکن وہ اپنی آنکھوں کو بند کر لیتا ہے، اپنے دماغ کو معطل کر لیتا ہے، یہی کیفیت ہیراچند کی تھی۔

لیکن جب حسام الدین فرار ہوا تو گو وہ خسرو خاں کے جوشِ انتقام کے تصور سے لرز گیا اسے اپنی آنکھوں کے سامنے موت رقصاں نظر آنے لگی لیکن جہاں تک حسام الدین کے فرار کا تعلق تھا، وہ خوش ہی تھا اسے قطعًا کوئی صدمہ نہیں تھا اور ذرا دیر کے لئے اس کے دل میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ یہ حرکت کہیں شیاما کی نہ ہو، لیکن پھر اس خیال کو دل سے نکال دیا۔

لیکن حسام الدین کے فرار کی خبر سن کر جب خسرو خان خود آدھمکا اور اس نے اس کی بیوی کو اور شیاما کو گرفتار کر کے شکنجوں اور اذیتوں کا ہولناک

سلسلہ شروع کر دیا تو اس کی آنکھیں کھلیں، جب تک وہ عذاب و انتقام کے شکنجہ میں نہیں آیا تھا، ضمیر کی آواز دباتا رہا تھا جب آگیا تو ضمیر کی آواز کو اٹھانے پر اپنے تئیں مجبور پانے لگا۔

اب خسرو خاں اپنی پوری زشت کاری، بداعمالی اور کمینگی کے ساتھ اس کے سامنے تھا۔ اب وہ اس سے شدید نفرت کرنے لگا تھا، اب وہ اس پر تیار تھا کہ اپنی وزارت عظمیٰ قربان کر کے بھی اگر خسرو خاں کو زک دے سکتا ہے تو کوئی پرواہ نہیں،

لیکن وہ گرفتار بلا تھا، اب وہ اس سے شدید نفرت کرتا، قید خانے میں اسیر تھا یہاں وہ صرف سوچ سکتا تھا کہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔

یہ عمل کی دنیا نہ تھی، صرف فکر و خیال کا گوشہ تھا!،

خسرو خاں کے اشارے پر اسے طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں اور چاروں ناچار برداشت کرنا پڑیں، لیکن جب شیاما کی وجہ سے مجبور خسرو خاں نے ہیرا چند اور رادہا کی رہائی کا فرمان صادر کیا تو اسے عمل کا موقع بھی مل گیا۔

وہ جان گیا تھا کہ اس کی رہائی کیوں عمل میں آئی ہے؟

اس نے محسوس کر لیا تھا کہ قصر شاہی میں اسے کیوں طلب کیا گیا ہے؟

یہ سب کچھ جاننے اور محسوس کرنے کے بعد، اس نے قصر ہزار ستون کا رخ کیا تھا اور وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہو گیا کہ اس نے غلط نہیں سوچا تھا اس نے کامیاب اداکار کی طرح اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور اس سے وعدہ کر لیا۔

فکر و تشویش

جب شیاما رہا ہو کر ہیرا چند کے ایوان وزارت میں پہونچی تو سہمی سہمی سی تھی، خائف بھی اور پریشان بھی!

اس کا خیال تھا اس کی وجہ سے ہیرا چند کو جیل کی ہوا کھانا پڑی، اس کی وجہ سے رادھا کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، اس کی وجہ سے ہیرا چند ذلیل ہوا ضرور وہ اس سے خفا ہو گا، اس کی صورت دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا کرے گا"

وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ میں نے علی الاعلان ہیرا چند، رادہا اور خسرو خاں کے سامنے حسام الدین سے محبت کا اقرار کیا ہے۔ خسرو خاں کی پرواہ نہیں لیکن ہیرا چند ــــ؟ رادھا ــ؟

کیا یہ دونوں اس جرم کو معاف کر دیں گے؟

کیا یہ دونوں مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے ہوں گے؟

کیا یہ میری صورت دیکھنے کے روادار ہوں گے؟

کیا ان کے گھر میں اب میری گنجائش ہو گی ــ؟

بے شک اس کا باپ زندہ تھا اور وہ اسے چاہتا بھی بہت تھا۔

اور گو اس عرصہ میں اپنے کاروبار کے سلسلہ میں وہ باہر گیا ہوا تھا، دہلی میں نہیں تھا اور تمام حالات سے ناواقف تھا، لیکن اسے یقین تھا وہ اسے کچھ نہیں کہے گا، وہ اسے کوئی سزا نہیں دے گا، وہ اس سے کسی طرح کی بازپرس نہیں کرے گا، وہ اتنی بے پناہ محبت کرتا ہے کہ کسی قیمت پر بھی اس کا دل دکھانا منظور نہیں کرے گا۔

باپ زندہ ہے باپ کی طرف سے اطمینان ہے کہ وہ کچھ نہیں کہے گا باپ کے گھر کا دروازہ، آغوش مادر کی طرح اس کے لئے کھلا ہوا ہے۔

وہ جب چاہے وہاں جا سکتی ہے، وہ ہیرا چند یا رادھا کے پاس رہنے اور زندگی گذارنے پر مجبور نہیں ہے۔

لیکن رادھا سے اسے بے انتہا محبت تھی اور رادھا بھی اسے اولاد کی طرح چاہتی تھی۔

ہیرا چند کو وہ دل سے چاہتی تھی اور ہیرا چند کا برتاؤ بھی اس کے ساتھ ایک بے انتہا محبت کرنے والے باپ جیسا رہا تھا!

ایک شہر میں رہ کر وہ ان دونوں کو کس طرح چھوڑ دے گی؟

وہ دہلی میں رہے گی، مگر رادھا سے نہیں مل سکے گی،!

وہ دہلی میں رہے گی مگر ہیرا چند کی شفقتوں سے محروم ہو جائے گی!"

۔ کیا اس المیہ کو وہ برداشت کر سکے گی؟"

۔ کیا اس کا دل پھٹ نہ جائے گا۔؟"

یہی باتیں سوچتی ہوئی، انہی اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا، وہ خضر خاں کے قبر ہزار ستوں سے نکلی اور ہیرا چند کے دیوان وزارت میں پہنچ گئی!"

محبّت کے آنسو

لیکن یہ کیا؟"

رادھا نے اسے دیکھا اور لپک کر اس کی طرف دوڑی، اسے کلیجے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی؟ اس کے بہتے ہوئے آنسو اپنے دامن سے پونچھنے لگی، اسے بے تابی کے ساتھ پیار کیوں کرنے لگی؟"

کیا یہ مجھ سے نفرت نہیں کرتی؟ اب بھی محبت کرتی ہے؟ اب بھی چاہتی ہے؟ اب بھی اسی طرح جان دیتی ہے،!

اس احساس نے اس کی پریشانی ختم کر دی، اس کا اضطراب دور کر دیا جن سے اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا تھی۔ وہ سب دور ہو گئے، جس طرح بادل گھر آتے ہیں اور دفعتہ چھٹ جاتے ہیں۔ اور چاند اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہو جاتا ہے، بالکل یہی کیفیت اس وقت شیاما کی تھی۔"

لیکن ہیرا چند کی طرف سے اب تک دل پریشان تھا؟"

اتنے میں ہیرا چند بھی مردانے سے زنانہ حصے میں آگیا، اس نے جو یہ منظر دیکھا تو گھسیٹ کر شیاما کو اپنے کندھے سے لگا لیا۔ اور کہا۔

" رادھا تو ہمیشہ کی پگلی ہے، اسے تو رونا ہی چاہئے، لیکن تو کیوں رو رہی ہے؟"

پھر اس نے کہا سن، ہیرا چند تیرے لئے وزارت پر لات مار سکتا ہے بادشاہ کو چھوڑ سکتا ہے، ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ جیل جا سکتا ہے ہر طرح کی تکلیفیں، پریشانیاں اور دکھ برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن تجھے نہیں چھوڑ سکتا۔

تو شاید یہ سوچ رہی ہے کہ اب کیا ہو گا۔

شاید تیرے دل میں یہ خیال پرورش پا رہا ہے کہ میں ایک تحفہ کے طور پر تجھے خسرو خاں کے حوالے کر دوں گا؟"

ممکن ہے تو اس فکر میں ہو کہ حسام الدین سے محبت کر کے تو نے اتنا بڑا جرم کیا ہے جسے میں معاف نہیں کر سکتا!"

لیکن شیاما یہ تیری بھول ہے!

تو میری گود میں پلی ہے، لیکن شاید اب تک میری محبت کو میرے مزاج کو نہیں سمجھ سکی ہے۔

اری پگلی ان خیالات کو دل سے نکال دے۔

تو فکر نہ کر!

وہی ہو گا جو تو چاہے گی، جو تجھے منظور ہو گا!

خسرو خاں کا ہاتھ جب تک میں زندہ ہوں تیرے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔ گو اسے بے وقوف بنا کر ابھی آ رہا ہوں اور اس سے وعدہ بھی کر آیا ہوں کہ ذرا صبر کیجئے، کچھ مدت کے بعد شیاما آپ کی رانی بن جائے گی، وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے گا اور تیری گرد تک بھی نہیں پہونچ سکے گا۔

میں جانتا ہوں تو حسام الدین سے محبت کرتی ہے۔

بے شک وہ مسلمان ہے تو ہندو ہے!

لیکن وہ بھی انسان ہے، تو بھی انسان ہے، وہ بہت اچھا انسان ہے، تو اتنی اچھی تو نہیں ہے لیکن ہے تو بھی انسان، اور پھر محبت پر زور کس کا چلتا ہے؟ تو نے اپنی مرضی سے محبت کب کی؟ اور کی بھی تو جرم کیا۔ کیا؟ اس سے محبت کرنا باعث فخر ہے، اس بہترین انتخاب پر میں مبارک باد دیتا ہوں!

تجھے یہ فکر ہو گی کہ حسام الدین کہاں گیا؟ وہ کہاں ہے؟ وہ کس طرح سے مل سکتا ہے؟"

" یہ تیرے سوچنے کی باتیں نہیں انہیں سوچنا اور انہیں حل کرنا میرا کام ہے۔ میں کروں گا، میں حسام الدین کو تلاش کروں گا، میں اس بھگوڑے کو ڈھونڈھ نکالوں گا اور لا کر تیرے قدموں پر ڈال دوں گا۔ وہ خسرو خاں سے بھاگ کر جا سکتا ہے، لیکن تجھ سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے؟ — کہیں، اسے آنا پڑے گا، وہ آئے گا اور بہت جلد آئے گا؟"

" کیوں ری لڑکی شاید تجھے میری باتوں پر یقین نہیں آ رہا؟"

شاید تو سمجھ رہی ہے کہ محض تسلی اور دل ہی کے لئے یہ باتیں کر رہا ہوں۔ تاکہ تو اسے بھول جائے۔ تاکہ رفتہ رفتہ تو اس سے مایوس ہو جائے۔

لیکن ایسی بات نہیں ہے، اگر میری یہ رائے نہ ہوتی تو میں برملا تجھ سے کہہ دیتا، میری رائے یہ ہے کہ تیرا انتخاب غلط نہیں ہے، نہ صرف غلط نہیں ہے بلکہ بہترین ہے۔ پھر تجھے دھوکہ کیوں دوں گا؟ تجھ سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔

سن لے راز کی بات ہے لیکن تجھ سے چھپا نہیں سکتا، میرے مخبر، میرے آدمی، چاروں طرف اسے تلاش کر رہے ہیں، وہ بہت جلد اس کی خبر لائیں گے۔

" میں بہت جلد تجھ تک اس کی سلامتی کی خوشخبری بھی پہونچاؤں گا۔

رادھا بیچ میں بول پڑی۔

"لیکن اسے پکڑوا کر کیوں نہیں بلاتے؟"

ہیراچند نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔

"پکڑوا بلاؤں تاکہ خسرو خاں جو اس کے خون کا پیاسا ہے قتل کردے اسے ــ؟"

"رادھا نے بے بسی کے ساتھ پوچھا:"

"پھر؟ ـــ پھر کیا ہوگا؟"

"پھر۔ ہیراچند نے جواب دیا، وہ تغلق کے لشکر میں پہونچ چکا ہوگا اور تغلق بہت جلد دلی پر دھاوا بولنے والا ہے۔ وہ فاتح اور کشورکشا کی حیثیت سے اس کے ساتھ آئے گا! ــ پھر تمہیں اس کی شاندار دعوت کرنا پڑے گی؟

"بڑی شاندار کرے گی؟"

وہ آمادگی اور مستعدی کے ساتھ بولی:۔

"ہاں کروں گی، ضرور کروں گی؟"

ہیراچند نے شیاما کو چھیڑتے ہوئے سوال کیا۔

"اور اس دعوت کا انتظام تو نہیں کرے گی؟۔"

وہ کچھ شرماتی، کچھ لجاتی ہوئی رادھا سے بولی:۔

"دیکھ لو ان کی باتیں؟"

رادھا نے اسے ایک دفعہ پھر گلے سے لگا لیا، اور کہنے لگی۔

"چل، ــ چھوڑ یہ باتیں!۔"

بس ایک تصویر

ایک بہت بڑا مرحلہ طے ہوگیا!"

ایسا مرحلہ جو شیاما کے وہم و گمان سے خارج تھا، رادھا اس طرح سے ساتھ دے گی، ہیراچند، اس طرح اپنی ہر چیز داؤں پر لگا کر اس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جائے گا"!

قصر ہزار ستون سے جب وہ رہا ہو کر آئی تو مغموم و مضمحل، افسردہ اور پریشان آئی تھی۔ لیکن اب رادھا اور ہیراچند کے طرز عمل نے اسے مطمئن کر دیا تھا، اس کی پریشانی رفع ہو گئی تھی!

لیکن ـــ

لیکن حسام الدین!

دن کی ہنگامہ آرائیوں میں اور رات کی خلوتوں میں بس ایک تصویر تھی جو اس کی نگاہوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی ـــ اور وہ تصویر تھی حسام الدین کی!۔

وہ بہادر، نڈر، جیالا، اور سحر طراز انسان!
جس کی باتوں میں جادو تھا۔!
جس کی آنکھوں میں جادو تھا۔!
جسے دیکھ کر وہ خود بخود اس کی طرف کھنچنے لگتی تھی،!
جو آج نگاہوں سے دور ہے، بہت دور ہے لیکن اب بھی اس کی کشش کا یہ عالم ہے کہ بے ساختہ دل اس کی طرف کھنچتا جا رہا ہے،
اس کی یاد ہر وقت دل و دماغ پر طاری رہتی ہے،!
وہ کہاں ہے، یا کس حالت میں ہے؟ — کچھ نہیں معلوم اور جب تک نہیں معلوم ہو دل بے قرار کو قرار نہیں آ سکتا۔
"اور —؟"
"اور — کیا وہ بھی مجھے یاد کرتا ہو گا؟
کیا اس کے گوشۂ دل میں بھی میری کوئی جگہ ہے؟
کیا وہ مجھے اپنا بنا سکے گا؟
کون ہے جو ان باتوں کا جواب دے سکے، وہ سامنے ہوتا تو اس سے ضرور پوچھتی۔
"کیا اپنے چاہنے والوں کو تم دھتکار دیتے ہو، یا خود بھی ان سے محبت کرنے لگتے ہو۔؟"
بھیا (ہیراچند) نے کہا ہے کہ ان کے مخبر چاروں کھونٹ اسے تلاش کر رہے ہیں، واقعی کر رہے ہوں گے، لیکن اتنے دن ہو گئے، اب تک کچھ پتہ نہیں چلا، کچھ سراغ نہیں لگا؟
"یہ انتظار کی گھڑیاں کب ختم ہوں گی؟
یہ فراق کا زمانہ کب ختم ہو گا؟
ختم ہو گا بھی یا نہیں؟

ایک روز وہ انہی خیالات میں حیران و پریشان بیٹھی تھی کہ رادھا آ گئی، خوش خوش جیسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو، وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگی۔
"ارے شیاما سنا ہے حسام الدین اس لشکر کی کمان کرتا ہوا آ رہا ہے جو دہلی کی طرف کوچ کر چکا ہے۔"
شیاما کا چہرہ دفعتہً مسرت سے سرخ ہو گیا، وہ بولی۔
"سچ —"
"رادھا نے کہا، ہاں، آج ابھی اطلاع ملی ہے، ہمارے مخبر نے اس تک پہونچنے کی بہت کوشش کی لیکن پہرہ ایسا زبردست اور انتظام ایسا سخت ہے کہ پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا، اس کے خیمہ تک آخر بے چارہ مایوس لوٹ آیا۔ لیکن بہر حال خبر تو مل گئی، یہ تو معلوم ہو گیا وہ اچھا ہے، تندرست ہے اور اب بہت جلد دلی آیا چاہتا ہے، پھر اس دن دیکھ لینا اسے پکڑ بلاؤں گی اور ڈال دوں گی ترے قدموں پر!"
شیاما مسکرانے لگی،!

ایک اور واقعہ

لیکن یہ ہیرا چند کے مخبروں کی اطلاع تھی، ابھی تک خسرو خان کو اس حادثہ کی اطلاع نہیں ملی تھی، جو اس کے لئے فیصلہ کن ثابت ہونے والا تھا۔

اور ٹھیک اسی روز جب شیاما کو قصر ہزار ستون سے رہا ہو کر آنے کے بعد ہیرا چند نے اپنے مخبروں کی داستان سنائی، ایک اور واقعہ پیش آیا بھیکم پور، دہلی سے چالیس پچاس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا رجواڑہ تھا، دوسری بڑی اور چھوٹی ریاستوں کی طرح یہ بھی سلطنت دہلی کا باج گزار تھا۔

قطب الدین خلجی کے دور عشرت میں خسرو خاں کو غیر معمولی اختیارات حاصل ہو گئے تھے۔ سب ہی اس سے دبتے تھے اور اس کا خیال کرتے تھے! اس کے سامنے دبنے اور اس کے سامنے سر جھکانے پر مجبور رہتے۔ پھر جب وہ قطب الدین کو قتل کر کے سریر آرائے مملکت ہو گیا، تو پھر کون تھا جو اس سے آنکھ ملا سکتا۔

لیکن بھیکم پور کے راجہ بھیم چند سے بھی خسرو کے تعلقات دیرینہ تھے دونوں کو مسلمانوں سے اور ان کی حکومت سے شدید نفرت تھی۔

خسرو خاں کی طرح بھیم چند بھی پرلے درجہ کا عیاش، بداعمال، بدفطرت اور بدکردار تھا۔ جن لوگوں نے قطب الدین کے قتل پر خسرو خاں کو اکسایا تھا اسے بادشاہ بن جانے اور پھر حکومت مستحکم کر چکنے کے بعد اسے ہندو حکومت میں تبدیل کر دینے کا مشورہ دیا تھا، ان میں وہ بھی تھا۔

بھیم چند کو بھی خسرو خاں کی طرح مسلمانوں سے انتہائی نفرت تھی وہ مسلم

حکومت کو جلد از جلد اور ہر قیمت پر ختم کر دینے کا خواب دیکھا کرتا تھا، اس کا خیال تھا اس دیس پر صرف ہندوؤں ہی کو حکومت کرنی چاہیئے مسلمان اگرچہ اس دیس میں آ کر بس گئے ہیں اور یہاں کے مستقل باشندے بن گئے ہیں یہیں پیدا ہوتے اور یہیں مرتے ہیں، لیکن بہر حال غیر ملکی ہیں، موقع ملتے ہی انکی حکومت بھی ختم کر دینی چاہیئے اور اس دیس سے بھی انہیں نکال باہر کر دینا چاہیئے جہاں سے ان کے آباؤ اجداد آئے ہیں۔ وہیں انہیں بھیج رہا ہوں دینا چاہیئے

قطب الدین کے قتل سے پہلے اکثر خسرو خاں بھیم چند کے ہاں چلا جاتا قتل کی اور حکومت کا تختہ الٹنے کی اسکیمیں وہیں تیار ہوتیں، مشورے ہوتے اور نئے نئے راستے اور تجاویز کو بروئے کار لانے کے منصوبے سوچے جاتے!

دونوں میں بے تکلفی بھی رفتہ رفتہ بہت زیادہ ہو گئی، دونوں عیاش تھے لیکن پھر بے تکلفی اس درجے بڑھی کہ مشترک طور پر عیاشی کے پروگرام بننے لگے اور ان پر عمل ہونے لگا۔

بھیم پور میں بھیم چند کا مسکن ایک قلعہ تھا، یہ ایک بلند و بالا ٹیلہ پر واقع تھا، راستہ اتنا دشوار گزار تھا کہ وہاں تک پہنچنا ہر کسی کے بس کا روگ نہ تھا اس لئے اس قلعہ کو وہاں کے باشندے ناقابل تسخیر سمجھتے تھے، اور بڑی حد تک یہ بات تھی بھی درست، کئی دشمن رجواڑوں نے حملہ کیا، اور ہمیشہ منہ کی کھا کر گئے۔ اچھی خاصی فوجیں لے کر آئے۔ لیکن بہت کم سپاہیوں کو اپنے ساتھ واپس سلامت لے جا سکے۔

یہی وجہ تھی کہ بھیم چند کو اپنی قوت پر غرور بھی تھا۔ وہ دہلی کا باج گزار ضرور تھا لیکن موقع بہ موقع اکڑ بھی جاتا تھا۔ ایسا ہی واقعہ ایک مرتبہ قطب الدین کے زمانے میں پیش آیا، لیکن خسرو خاں کی مداخلت سے بات خوش اسلوبی سے ختم ہو گئی

آج بھیم چند اپنے دوست کو جو بادشاہ بن گیا تھا مبارک باد دینے آیا تھا۔

دو پرانے دوست

بھیم چند کو دیکھ کر خسرو خاں پھول کی طرح کھل گیا، اس کی مسرت بیان سے باہر تھی۔ گو اب خسرو خاں اور بھیم چند میں فرق مراتب واقع ہو چکا تھا،

وہ بادشاہ تھا، یہ ایک رجواڑے کا راجہ۔

لیکن دونوں میں دوستی اور بے تکلفی کا جو رشتہ قائم ہو چکا تھا، وہ اور بھی زیادہ مضبوط ہو گیا تھا۔

خسرو خاں نے اسی بے تکلفی کے ساتھ کہا:

"ساری دنیا ہمارے قدموں پر سر جھکا رہی رہتی، پنڈت۔ مہنت، سادھو، مولوی، ملا، مولانا، امیر، رئیس، حاکم، سب ہمارے سامنے سر جھکا کر حاضر ہوئے ہیں، دور دور سے لوگ ہمیں مبارک دینے ہماری حکومت کو خراج عقیدت پیش کرنے حاضر ہوئے، مگر تمہیں ایسا کرنے کی توفیق اب ہوئی ہے۔

بھیم چند نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"دیر آید درست آید۔ دیر سے آیا ہوں لیکن تمہارے لئے ایک ایسا نادر اور عجوبہ تحفہ لایا ہوں کہ اسے دیکھ کر عش عش کر اٹھو گے، لوگ تمہارے سامنے سر جھکاتے ہیں پھر تم میرے سامنے سر جھکاؤ گے، لوگوں نے تمہیں خراج عقیدت پیش کیا ہے، پھر تم این جانب کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔!"

اس طویل تمہید کے بعد بھی خسرو خاں بھیم چند کا مطلب نہ سمجھ سکا، اس نے اشتیاق کے ساتھ کہا۔

"پھر اس تحفے کو جیب میں کب تک رکھے رہو گے؟"

وہ مسکراتا ہوا گویا ہوا۔

"وہ جیب میں نہیں دل میں رکھی جانے والی چیز ہے!"

اب خسرو خاں سمجھا کہ بھیم چند کا کیا مطلب ہے؛ وہ مسکراتا ہوا کہنے لگا

"بڑے لچے اور بدمعاش ہو!"

"وہ بولا: ہاں۔ مگر تمہارے لئے۔! وہ تمہارے لئے وہ چیز لایا ہوں کہ اسے دیکھ کر آپے سے باہر نہ ہو جاؤ تو میرا نام بھیم چند نہیں!"

خسرو خاں نے کسی حد تک بے رخی، اور بے پروائی کے ساتھ جواب دیا۔

"نہیں دوست اب میں وہ نہیں رہا جو پہلے تھا!"

بھیم چند نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"تو کیا اب تم پارسا بن گئے ہو؟"

"جو چاہو سمجھ لو، کیا کروں۔ اب کوئی جچتا ہی نہیں ہماری نظروں میں۔

"کب سے؟"

"جب سے اسے دیکھا ہے"

"وہ کون غارت گر صبر اشکیب ہے؟"

"ہے۔ ایک ایسی ہستی جسے قدرت نے پہلی اور آخری مرتبہ پیدا کیا ہے" (ہنستے ہوئے) غلط وہ ہستی تو میرے پاس ہے، وہ تو میرے قبضہ میں ہے اسی کو تو تمہارے لئے لایا ہوں!"

خسرو خاں کی خاموشی دیکھکر پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ بھیم چند نے کہا:

"اسے قدرت نے خود اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ دست قدرت کی بنائی تصویر ہے، وہ تم اسے ایک نظر دیکھ لو پھر تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے"

خسرو خاں کی نظر میں اب شیاما کے سوا کسی دوسری عورت کا جچنا محال تھا۔ لیکن بھیم چند کی یہ باتیں سن کر اس کی ہوس اور عیاشی پھر جاگ اٹھی، اس نے سوچا دیکھ لینا چاہیئے، دیکھ لینے میں کیا حرج ہے، اس نے کہا:۔

"بے شک تم جس کی تعریف کر رہے ہو وہ خوب صورت ہو گی، لیکن

شیاما سے بڑھ کر نہیں ہوگی۔!"

"غلط — شیاما ضرور خوبصورت ہوگی مگر سرلا سے زیادہ نہیں ہو سکتی —
چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!"

"تم نے شیاما کو نہیں دیکھا ہے اس لئے کہہ رہے ہو؟"

"تم سرلا کو دیکھ لوگے تو یہ نہیں کہوگے۔"

پھر اس نے خسرو خاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آؤ — قیامت دکھا دیں تمہیں۔"

خسرو خاں مزاحمت نہ کر سکا، کرنا چاہتا ہی نہیں تھا، خود اس کے دل میں تڑپ پیدا ہو چکی تھی سرلا کو دیکھنے کی!"

"بہت جلد وہ مکان آ گیا کہ جہاں پورے جاہ و تجمل کے ساتھ اپنے عملہ اور سٹاف کی معیت میں وہ مقیم تھا!

وہ اسے لیکر خاص کمرے میں گیا، تالی بجائی فوراً ایک خادم حاضر ہوا، اس سے کہا:

"سرلا دیوی کو حاضر کرو ابھی!"

ذرا دیر کے بعد سرلا نمودار ہوئیں!

واقعی قیامت کا حسن تھا، بڑی بڑی سی آنکھیں، ستواں ناک، متناسب اعضا، گورا رنگ، آواز میں سحر، انداز و ادا میں جادو، ہر ادا دل فریب ہر انداز جان لیوا، اگر کہیں خسرو نے شیاما کو نہ دیکھ لیا ہوتا تو واقعی وہ ہزار جان سے اس فریفتہ ہو جاتا لیکن اتنی خوبصورت ہونے کے باوجود شیاما کی ٹکر کی نہ تھی۔ وہ شیاما کے لئے اسے چھوڑ سکتا تھا۔ اس کے لئے شیاما سے دست بردار نہیں ہو سکتا تھا!

سرلا ایک بت کی طرح خاموش بیٹھی تجلیاں بکھیر رہی تھی بھیم چند نے اس سے کہا۔

"یہ ہیں شہنشاہ خسرو خاں، سلطنت ہند کے مالک، ہم تمہیں اس لئے لائے ہیں کہ تم ان کی خدمت کرو اور ان کی خدمت میں رہ کر ان کا دل خوش کر دو۔"

وہ ناز و انداز سے اٹھلاتی ہوئی بولی:۔

"زہے قسمت۔! باندی کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی کیا بات ہو سکتی ہے۔"

خسرو خاں نے دیکھا بات بڑھتی جا رہی ہے، نتیجہ نہ جانے کیا نکلے؟ اس نے کہا۔

"سرلا دیوی آپ سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی واقعی جیسا آپ کو سنا تھا اس سے کہیں زیادہ پایا۔ آپ کا حسن، حسن نہیں کچھ اور چیز ہے۔ — قیامت!"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"اور ابھی تو آپ یہاں ہیں، اکثر ملنا ہوتا رہے گا!"

پھر اس نے بھیم چند سے کہا۔

"دربار کا وقت ہو گیا ہے، اب ہمیں رخصت ہونا چاہئے — لیکن دربار میں تمہیں بھی تو شرکت کرنی چاہیئے، آؤ چلو!"

سرلا رخصت ہو گئی بھیم چند پھر خسرو خاں کے ساتھ شاہی کوشک کی طرف بڑھا، راستہ میں اس نے کہا۔

"مان گئے ہم؟ — معلوم ہوتا ہے، سرلا کچھ پسند نہیں آئی تمہیں —"

خسرو خاں نے مسکراتے ہوئے کہا:

"میرے دوست تمہارا خیال صحیح ہے، — مگر میرے لئے شیاما سب کچھ ہے — تم مسکرا رہے ہو، اس لئے کہ تم نے اسے دیکھا نہیں ہے، تم نے اس کی جلوہ آرائیوں کا مشاہدہ نہیں کیا ہے آج اسے دیکھ لوگے، آج تمہارے اعزاز میں جشن طرب منعقد ہو رہا ہے اس میں وہ بھی شریک ہوگی:۔

بھیکم پور کا راجہ

ہیرا چند نے ابھی تک اپنا وعدہ پورا نہیں کیا تھا۔ یعنی شیاما کو خسرو خاں کی مہارانی بنانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ طفل تسلیوں کا سلسلہ جاری تھا وعدے قائم تھے، سعی و کوشش کا اظہار برابر ہوتا رہتا تھا۔ لیکن جب خسرو خاں نے اس سے کہا:۔

ہمارا پرانا اور جگری دوست بھیم چند بھیکم پور کا راجہ آیا ہے اس کے اعزاز میں آج ہم ایک جشن مسرت ترتیب دے رہے ہیں۔ اس موقع پر تم سب کو یعنی شیاما کو بھی آنا چاہئیے۔

ہیرا چند کو اس دعوت کے قبول کرنے میں تامل تھا۔ اس لئے کہ اسے اندیشہ تھا کہ شیاما دعوت میں شریک ہونے سے انکار کر دے گی۔ پھر بھی وہ انکار نہ کر سکا۔ اس نے پوری مستعدی، آمادگی اور جوش مسرت کے ساتھ کہا۔

"بسر وچشم!"

یہ وعدہ کرتے ہوئے اس کا دل دھڑک رہا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ اس معمولی سی بات پر وہ اسے رضامند کر لے گا۔ اب وہ اتنی ضدی بھی نہیں کہ اس کی ایک معمولی سی بات ٹھکرا دے۔

ہیرا چند کا یہ خیال صحیح ثابت ہوا۔ شیاما نے پہلے تو دعوت میں شرکت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جب اس نے نشیب و فراز سمجھائے تو مان گئی — ضدی کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں۔!

دعوت ہوئی اور بڑے تزک و احتشام اور دھوم دھام سے ہوئی تھی ہزار ستون میں اس سے پہلے ہزاروں دعوتیں ہو چکی تھیں۔ یہ دعوتیں وقت کے بادشاہوں، شہنشاہوں، راجوں، مہاراجوں سب کی تھیں اور ان پر کافی روپیہ

خرچ کیا جا رہا تھا۔ لیکن خسرو خاں نے جس دریا دلی سے اس دعوت پر دولت خطیر خرچ کی تھی۔ اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

بھیم چند، سرلا، گوپال، خسرو خاں، ہیرا چند، رادھا اور شیاما ایک صف میں تھے، دوسرے درباری اور امراء، عمال و حکام اور منصب دار، اپنے اپنے رتبہ کے مطابق دوسری صفوں میں تھے کھانا ہر قسم کا تھا، ہندوانہ اور اسلامی بھی۔ کیونکہ خسرو خاں دراصل ہندو ہونے کے باوجود اب تک بظاہر مسلمان ہی بنا ہوا تھا۔

دعوت کے دوران میں بات چیت کا سلسلہ جاری رہا، خسرو خاں اور بھیم چند باتیں کرتے رہے، رادھا اور سرلا میں باتیں ہوتی رہیں، ہیرا چند اور گوپال مصروف گفتگو رہے، یہ باتیں ہر موضوع پر تھیں مگر شیاما گو شریک مجلس تھی لیکن سب سے الگ تھلگ اس کا چہرہ جذبات سے خالی تھا۔ وہ سنجیدگی اور وقار کا پیکر بنی بیٹھی تھی۔ خسرو خاں نے کئی مرتبہ اسے مخاطب کیا، لیکن ڈرتے ڈرتے دھڑکا لگا ہوا تھا کہیں یہ منہ پھٹ لڑکی کوئی ایسی ویسی بات کہہ کے بادشاہت کا بھرم نہ کھول دے شیاما نے اس کی ہر بات کا جواب بھی دیا لیکن بہت مختصر، جتنی بات بس پوچھی بس اتنی ہی بات کا جواب۔ بھیم چند اور سرلا نے بھی اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان دونوں کو وہ زیادہ خاطر میں نہیں لائی، کوئی بات پوچھی تو غیر متعلق سا جواب دے دیا پھر خاموشی۔

بھیم چند ایک ہی نظر باز، معاملہ فہم اور دور اندیش شخص تھا وہ اڑتی چڑیا پہچان لیتا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر میں اندازہ لگا لیا کہ گو خسرو خاں ہزار جان سے اس بت پرفن پر فریفتہ ہے، لیکن جہاں تک شیاما کا تعلق ہے، وہ اسے خاطر میں نہیں لاتی اور اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیتی بلکہ شاید نفرت بھی کرتی ہے!"

لیکن کیوں؟

کیا ایک عورت، ایک معمولی درجہ کی عورت، ایک بادشاہ سے جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے نفرت کر سکتی ہے؟

" ایک عورت کی تمنا کیا ہوسکتی ہے؟

دولت، اقتدار، اختیار اور یہ ساری چیزیں خسرو خاں کی بن کر وہ حاصل کر سکتی ہے، کتنی حیرت کی بات ہے پھر بھی وہ اس سے متنفر ہے وہ دولت کو حکومت کو، اقتدار و اختیار کو ٹھکرا رہی ہے"!

" کیوں —؟

کیا سبب ہے اس کا؟

ضرور کوئی خاص بات ہے، لیکن وہ خاص بات کیا ہوسکتی ہے؟"

دعوت جاری رہی، بحث و گفتگو میں بھیم چند حصہ لیتا رہا۔ لیکن دزدیدہ نگاہوں سے بار بار شیاما کو تکتا رہا اور پوری یکسوئی کے ساتھ اس مسئلہ کو سوچتا رہا کہ آخر یہ راز کیا ہے؟ — یہ بات کیا ہے —؟

دعوت ختم ہوئی اور اب راگ رنگ اور رقص و سرور کا سلسلہ شروع ہوا۔ شہر کے نامور طائفے موجود تھے اور اپنے کمالات دکھا رہے تھے، گانے والیاں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، ناچنے والیوں کا کوئی مثل نہ تھا۔ بھیم چند نے جیسلمیر میں جو اچھا خاصہ رجواڑہ تھا۔ اور جہاں گانے والیوں اور ناچنے والیوں کی کمی نہ تھی۔ ایسی کوئی مجلس طرب نہیں دیکھی تھی جیسی آج کی!"

ہر گانے والی ناہید فلک معلوم ہوتی تھی۔

ہر ناچنے والی زہرہ فلک کا جواب تھی —؟

دعوت کے دوران میں وہ برابر شیاما اور خسرو خاں کے بارے میں سوچتا رہا۔ لیکن رقص و نغمہ شروع ہونے کے بعد وہ سب کچھ بھول گیا، اس کے کان، فردوس گوش نغمات کے لئے وقف تھے، اس کی آنکھ جلوہ بے محابا

کے دیکھنے میں مصروف تھی۔

یہ جلسۂ طرب بھی ختم ہوگیا، شیاما کا دل بہلانے کے خیال سے خسرو خاں نے بھیم چند سے کہا۔

" مجلس طرب ختم ہوگئی، گانے والے اور ناچنے والے طائفے رخصت ہوگئے لیکن یہ تو بتاؤ تمہاری سرلا دیوی کو بھی کچھ آتا ہے؟"

بھیم نے شوخ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

بتاؤ سرلا، بادشاہ سلامت کیا پوچھ رہے ہیں؟

وہ اٹھلاتی ہوئی بولی:

" برا بھلا گا لیتی ہوں خداوند نعمت!

اور ناچنا؟ — کیا اس فن میں بھی طاق نہیں ہو؟۔

وہ اسی طرح اٹھلاتی ہوئی بولی، —

طاق تو کسی فن میں نہیں ہوں، البتہ جس طرح برا بھلا گا لیتی ہوں۔ اسی طرح برا بھلا ناچ بھی لیتی ہوں، — لیکن!

خسرو خاں نے سوال کیا۔

" لیکن کے بعد کیا کہنا چاہتی ہو؟"

وہ بولی: "میرا گانا اور ناچنا اس قابل نہیں کہ بادشاہوں کی محفل میں اس کا شمار کیا جائے!"

خسرو خاں نے کہا! پرواہ نہ کرو ہم اجازت دیتے ہیں۔"

اجازت پا کر اس نے اپنے رقص و نغمہ کا مظاہرہ کیا، بہت اچھا گائی اور بہت اچھا ناچی، خسرو خاں نے شیاما سے پوچھا،

" تمہیں بھی پسند آیا؟"

وہ بولی: "ہاں کیوں نہیں"!

وعدہ

دعوت سے فارغ ہو کر سب لوگ اپنی اپنی قیام گاہ میں چلے گئے۔ رات کافی ہو گئی تھی، بہت جلد سو گئے۔

صبح حسبِ معمول گوپال خسرو خاں کی طرف سے بھیم چند کے پاس خیریت دریافت کرنے آیا، بھیم چند گوپال سے بھی بہت بے تکلف تھا، اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا۔

"خیریت بعد میں پوچھنا پہلے ہمارے سوال کا جواب دو۔!"

گوپال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جتنے سوال چاہتے ہیں کر ڈالیے سب کا جواب دوں گا!"

بھیم چند نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"لیکن ایک کا وعدہ کرنا پڑے گا۔

اس نے اسی انداز بے تکلفی سے کہا۔

"وعدہ بھی کر لوں گا۔ بتائیے کیا وعدہ کر دوں؟"

بھیم چند نے کہا وعدہ یہ کرو کہ جواب سچ دو گے جھوٹ نہیں بولو گے؟"

گوپال سنجیدہ ہو گیا، کہنے لگا۔

"جھوٹ بولتا ہوں اور خوب بولتا ہوں۔ سچ پوچھئے تو میری یہ کامیاب زندگی نتیجہ ہی ہے جھوٹ کا۔"

بھیم چند نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔

"یعنی ہم تمہارے سچ کے قائل ہو گئے۔"

"گوپال نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ لیکن آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا!"

"کیوں؟ — مجھ میں کونسے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔!"

"اس درجہ تک آپ ہی کی وجہ سے پہونچا ہوں، میں ایک معمولی آدمی تھا معمولی سے معمولی، آپ کے ادنٰے غلاموں میں تھا۔ خسرو خاں وہاں آتا رہتا تھا۔ آپ ہی نے اس سے مجھے متعارف کرایا، آپ ہی نے اس سے میری سفارش کی، آپ ہی کی بدولت میں اس درجہ تک پہونچا، بھلا آپ سے جھوٹ بول کر یا دھوکہ دے کر اپنے محسن کو کیا منہ دکھاؤں گا۔"

ان باتوں سے بھیم چند متاثر ہوا اور کہا!

"یہ سب باتیں یاد ہیں تمہیں؟

وہ بولا: "زندگی بھر یاد رہیں گی! آخر حق وفاداری بھی تو کوئی چیز ہے!"

بھیم چند نے تحسین آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔"

"تمہارے ان خیالات نے ہمارے دل میں تمہاری محبت پیدا کر دی — پہلے ہم تمہارے وفاداری اور بہادری کے قدر دان تھے، اب محبت کرتے ہیں تم سے —!"

گوپال نے اور زیادہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"بندہ نوازی ہے آپ!"

بھیم چند نے کہا بہر حال تم خسرو خاں کے پاس رہو یا کسی اور کے پاس ہر حالت میں ہمارے اور صرف ہمارے ہو کر رہو!"

گوپال نے کہا اس بات سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں، کبھی کوئی موقعہ آئے تو آزما کر دیکھ لیجئے!"

"وہ موقعہ تو آ گیا ہے دیکھ لیجئے!"

"تو آزما لیجئے اس غلام کو۔"

بتاؤ خسرو خاں اور شیاما کا معاملہ کیا ہے؟ — وہ کہتا ہے میری شادی بہت جلدی ہونے والی ہے اور میں ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے وہ

وہ اس سے نفرت کرتی ہے!"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے!"

"کیا سچ؟"

"جی ہاں، — خسرو خاں جیسے شخص کو شیاما جیسی عورت کبھی خوشی سے قبول نہیں کر سکتی، ہاں۔ جبر اور جور کی بات ہی اور ہے!"

"تو کیا وہ جبر اور جور سے کام لیکر شادی کر رہا ہے؟"

"بے شک یہی بات ہے!"

"تو کیا ان دونوں کی شادی ہو جائے گی؟"

"غالباً ہو جائے گی، — اگرچہ شیاما صاف انکار کر چکی ہے۔"

"کیا شیاما صاف انکار کر چکی ہے؟"

جی ہاں، وہ خسرو خاں کے منہ پر کہہ چکی ہے میں تم سے نفرت کرتی ہوں — میری نظر میں تمہاری وقعت دو کوڑی کی بھی نہیں ہے تم آدمی نہیں حیوان ہو تمہارے راج محل میں رانیوں کی کھیپ کی کھیپ موجود ہے، ان سے کھیلو، ان سے جی بہلاؤ، ان کا دل توڑو، میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں —

"سچ؟ — گوپال سچ؟"

"جی میرے آقا ایک ایک حرف سچ!"

"تو وہ اس سے نفرت کرتی ہے!" — گوپال تمہیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں جب سے اسے دیکھا ہے قرار وصبر کی دولت کھو چکا ہوں واقعی وہ حسن نہیں نام خدا اور ہی کچھ ہے، میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اسے حاصل کر لوں؟"

"کیا آپ خسرو خاں سے جنگ کریں گے؟"

"وہ بھیگم پور کا قلعہ فتح نہیں ہو سکتا؟ وہ بھیم چند سے لڑائی مول لے کر اپنے لئے مصیبتیں نہیں پیدا کر سکتا!"

"لیکن آپ شیاما کو جیت لیں گے؟"

"کیوں نہیں؟ — کیا اس میں شبہ ہے تجھے؟"

"بہت زیادہ!"

"یہ کس لئے — کیا میں جوان نہیں ہوں، خوبصورت نہیں ہوں، ایک ریاست کا مالک نہیں ہوں، نڈر اور بہادر نہیں ہوں۔ خسرو خاں نے اب تک کوئی میدان سر نہیں کیا ہے میں نے کیا لڑائیاں نہیں جیتی ہیں؟ خسرو خاں ایک معمولی آدمی تھا، مگر بادشاہ بن گیا، مگر راج پاٹ میرے خون ہے، میری رگوں میں ہے، میرے گوشت پوست میں ہے، باپ دادا کے وقت سے حکومت میرے خاندان میں چلی آ رہی ہے۔ شیاما اگر خسرو خاں سے نفرت کرتی تو کرنی ہی چاہیئے لیکن مجھ سے نفرت نہیں کر سکتی!"

"شاید ایک بات آپ کو نہیں معلوم؟"

"وہ کون سی بات ہے؟"

"وہ ایک مسلمان سے محبت کرتی ہے — حسام الدین سے!"

"یہ کون شخص ہے؟"

"تغلق کا دوست، دلی کا ایک معزز شہری، بہادر۔ جیالا —! وہ گرفتار کر کے ہیرا چند کے مکان میں قید کیا گیا تھا۔ وہیں دونوں میں محبت کے پینگ بڑھے اس شیاما نے ایک روز موقع پا کر اسے رہا کر دیا، وہ فرار ہو گیا اور تغلق سے جا کر مل گیا اور اب دہلی پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہو گا۔"

"کیا تمہارا خیال ہے واقعی شیاما حسام الدین سے محبت کرتی ہے؟"

"میرے سامنے اس نے اقرار کیا۔"

"تم سے اقرار کیا، تم اس کے رازدار ہو؟"

"نہیں مجھ سے تو وہ بات بھی نہیں کرتی، خسرو خاں سے اس نے اقرار کیا، خسرو خاں سے اس نے کہا، میں تم سے نہیں حسام الدین سے محبت کرتی ہوں!"

فیصلہ

گوپال کی یہ باتیں سنکر بھیم چند کچھ دیر تک ساکت و صامت بیٹھا رہا۔ وہ کسی گہری فکر میں مستغرق تھا، چہرے کا اتار چڑھاؤ بتا رہا تھا، کوئی بہت ہی اہم مسئلہ زیر غور ہے، پھر دفعتہ اس نے سر اٹھایا اور کہا۔

"گوپال ـــ"

اس نے ادب اور شائستگی کے ساتھ جواب دیا۔

"ارشاد ـــ"

بھیم چند نے کہا:

"کان کھول کر ایک بات سن لو، شیاما حسام الدین سے محبت نہیں کرے گی!"

گوپال یہ سن کر چونک پڑا، اس نے کہا:۔

"کس طرح یقین کر لوں؟"

"وہ بولا تمہیں یقین کرنا پڑے گا، میں سچ کہتا ہوں، وہ حسام الدین سے محبت نہیں کرتی، ایک ہندو لڑکی ایک مسلمان کو دل نہیں دے سکتی؛ اصل بات جو ہے وہ تم نہیں جانتے، تمہارا دماغ وہاں تک پہونچ ہی نہیں سکا!"

"ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات ہو۔!"

"ہاں ایسی ہی بات ہے۔ مگر، ہاں ـــ کیا تم سننا چاہتے ہو!"

"ضرور ـــ ضرور سننا چاہتا ہوں، اشتیاق کے ساتھ کہا!"

"بات یہ ہے کہ وہ خسرو خاں سے نفرت کرتی ہے۔ ـــ کہو ہاں؟"

"جی بے شک بالکل صحیح ہے یہ۔"

"خسرو خاں جبر و جور سے نکاح میں لاکر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"ہاں تو یہ بھی سچ ہے؟"

"بے شک سچ ہے!"

"وہ خسرو خاں کے جور و جبر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس سے تم انکار نہیں کر سکتے ـ کر سکتے ہو؟"

"ہرگز نہیں۔!"

"خسرو خاں سے اسے شدید نفرت ہے، اس نے حسام الدین کو آلۂ کار بنایا، خسرو خاں سے بچنے کے لئے وہ ایک مسلمان کی مدد لینے کو تیار ہو گئی۔ اس کے ذریعہ خسرو خاں سے نجات پانے کی تدبیریں کرنے لگی۔"

"ہو سکتا ہے آپ کا خیال صحیح ہو۔"

"بالکل صحیح خیال ہے تمہارا ـــ لیکن اگر اسے خسرو خاں سے اچھا کوئی بھی ہندو ملے تو وہ حسام الدین کا نام بھی نہ لے گی، یاد رکھو بھیم چند کے مقابلہ میں وہ حسام الدین کو ترجیح نہیں دے سکتا۔"

"آپ کی بات جی کو لگتی۔ تو ہے!"

"اگر لگتی ہے تو ہمارا کام تمہیں کرنا پڑے گا"

"وہ کس طرح؟"

"ہمارے پیامبر بن کر تم اس کے پاس جاؤ گے ـــ جاؤ گے؟"

"اور اگر حکم ہو گیا تو ضرور جاؤں گا، لیکن ایک بات یاد رکھئے، وہ نہ جانے کیوں مجھ سے بھی متنفر ہے، شاید اس سے زیادہ جتنا خسرو خاں سے شاید اس کا خیال ہے وہ میں ہی ہوں جس کی وجہ سے خسرو خاں کا فتنہ کھڑا ہوا ہے؟"

"وہ کیونکر؟"

پھر گوپال نے ساری داستان بارہ دری میں جانے اور کچھ دیر وہاں قیام کرنے کی سنا دی اور کہا:۔

"یہ بات ہے میرے سرکار!" ـــ بھیم چند کچھ دیر سوچتا رہا، پھر اس نے کہا"

"ممکن ہے سرلا کے ذریعہ یہ کام انجام پا جائے۔!"

دل ہی دل میں

بھیم چند اور گوپال کی مجلس ختم ہو گئی، اب بھیم چند اپنے کمرہ میں لیٹا ہوا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا۔

"شیاما کو ہر قیمت پر حاصل کرنا ہے بشرطیکہ وہ راہ راست پر آجائے میں اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ خسرو خاں ناراض ہو جائے گا، اس سے میں بھگت لوں گا۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، وہ اگر جنگ پر آمادہ ہوا تو بھی میرا کچھ نہیں کر سکتا

"لیکن سوال یہ ہے کہ شیاما تک رسائی کیسے ہو؟"

"اس تک میرا پیغام کون پہنچائے۔"؟

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کسی کام سے ہیرا چند کا ادھر گذر ہوا، اسے دیکھ کر بھیم چند کھڑا ہو گیا، اس نے کہا:

"آئیے بھائی جان،۔ کبھی ہم بے چاروں کی خیر خبر بھی لے لیا کیجئے!"

ہیرا چند آیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ بھیم چند نے گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا:۔

"گوپال سے اور دوسرے لوگوں سے آپ کے تدبر، حسن انتظام اور قابلیت کا شہرہ سن چکا ہوں۔ خسرو خاں شاید آپ کو زیادہ پسند نہیں کرتا لیکن آپ کی قابلیت کا منکر وہ بھی نہیں ہے!"

یہ آخری جملہ ایسا تھا جس کا جواب دینا ہیرا چند کے لئے آسان نہ تھا: وہ سوچ میں پڑ گیا، بہر حال اس نے کہا

"وہ پسند نہیں کریں یا کریں۔ بہر حال وہ میرے آقا اور ولی نعمت ہیں!"

بھیم چند مسکرایا اور کہنے لگا۔

"اوہ!۔ پھر تو تم اور زیادہ قابل قدر آدمی ہو۔ تمہارے اس جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ وفاداریاں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں تم میں!"

ہیرا چند جانتا تھا کہ خسرو خاں اور بھیم چند کے تعلقات کتنے گہرے ہیں، اس نے کہا،

"وفادار کا ہی تو آدمی کی کسوٹی ہے؟"

بھیم چند نے سر ہلاتے ہوئے تائید میں کہا:

"بے شک، بے شک۔ یہ تمہاری وفاداری ہی ہے جو یہ حکومت چل رہی ہے ورنہ خسرو خاں نے تو سارا کام بگاڑ رکھا ہے!"

ہیرا چند کو سخت حیرت تھی کہ ایک دوست کے منہ سے ایک دوست کے لئے وہ کیسی عجیب باتیں سن رہا تھا۔ لیکن وہ فریق بننا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے کہا

"بادشاہ پر بھگوان کا سایہ ہوتا ہے وہ نکمی کو جاہی نہیں سکتا"

بھیم چند نے ہنستے ہوئے ہیرا چند کی پیٹھ ٹھونکی اور کہا:۔

"شاباش بہت اچھا جواب دیا تم نے، تمہیں صبیا سنا تھا ویسا ہی پایا۔

جی چاہتا ہے تمہیں خسرو خاں سے مانگ لوں۔"

ہیرا چند نے حیرت سے اسے دیکھا اور سوال کیا۔

"آپ مجھے لے کر کیا کریں گے؟"

وہ کہنے لگا: "تمہیں اپنا وزیر اعظم بنا لیں گے۔ تمہیں بھیکم پور کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیں گے۔ تم حکومت کرنا ہم آرام کریں گے شکار کھیلیں گے مجلس آرائیاں کریں گے۔ ایک وفادار کارگزار اچھے وزیر اعظم کی موجودگی میں ہمیں کرنا ہی کیا پڑے گا؟"

"یہ کیسی عجیب باتیں تھیں۔"

ہیرا چند کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ کیا جواب دے، بالآخر اس نے کہا۔

"میں تو چاکر ہوں جو حکم بھی ملے گا بجا لاؤں گا!"

بھیم چند نے کہا۔ فی الحال ہم تمہیں یہاں سے بھیکم پور لے جائیں گے، اس کے بعد تمہارے لئے خسرو خاں سے بھیک مانگیں گے

انقلاب

"کہ ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھا ہے"

پھر انقلاب

"انقلاب ہمیشہ دبے پاؤں آتا ہے!"

وہ اپنے آنے کا اعلان نہیں کرتا۔ ڈھنڈورا نہیں پیٹتا، وہ اس طرح آتا ہے کہ آہٹ تک نہیں ہوتی، لیکن جب آ جاتا ہے تو قابل فتح بن جاتا ہے، ناقابل تسخیر بن جاتا ہے پھر اس سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا، پھر اس کے مقابلہ میں کوئی نہیں ٹھہر سکتا!"

اسی طرح کا انقلاب وہ تھا۔ جب قطب الدین خلجی کو قتل کر کے راتوں رات خسرو خاں نے شہر کے تمام امراء، رؤسا، حکام، مشائخ، علماء اور سربرآوردہ اشخاص کو بلا کر سامنے تلوار رکھی اور انہیں اپنی اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر کسی میں مجال نہ تھی کہ چوں وچرا کرتا۔ سب نے غیر مشروط طور پر طوعاً و کرہاً اطاعت کا عہد کر لیا۔ اور صبح کو جب دلی کے لوگ جاگے تو انہیں معلوم ہوا کہ قطب الدین قتل ہو گیا۔ اور اب ان کا بادشاہ خسرو خاں ہے!

اور دوسرا انقلاب وہ تھا جس سے خسرو خاں کو دوچار ہونا پڑا۔

دفعتہ ویک دن محفل عیش و نشاط اور رقص و طرب اور نغمہ و سرود میں یہ خبر اس کے کان تک پہونچی کہ تغلق اپنی فوج لے کر دہلی کی طرف بڑھ رہا ہے!

تخت حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد خسرو خاں مطمئن ہو گیا کہ اب اس کے راستے کے سارے کانٹے ہٹ گئے ہیں، اب اس کا حریف اور مد مقابل نہیں رہے۔

تغلق سے وہ خائف ضرور تھا، لیکن اپنی جگہ مطمئن بھی تھا!

وہ جانتا تھا کہ تغلق اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے پاس معمولی سی فوج ہے، اس کے برعکس خسرو خاں کے پاس نہ فوج کی کمی تھی نہ اسلحہ کی، نہ ساز و سامان جنگ کی، نہ روپے کی؟

پھر بھی اس نے تغلق کو رام کرنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا! اسے انعام و اکرام سے نوازنا چاہا۔ اسے منصب کا لالچ دیا۔ اسے جاگیر کی حرص میں مبتلا کرنا چاہا، اس کے اکلوتے اور پیارے لڑکے کو اپنے پاس نظر بند کر لیا۔ مگر وہ حریف، چیرہ دست قابو میں نہ آیا۔

دراصل اس انقلاب کی جس کی خبر آج ملی تھی بنیاد اسی دن پڑ گئی تھی جب مجد تغلق اس نظر بندی سے فرار ہو کر باپ کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس کی تکمیل اس دن ہوئی تھی جس روز حسام الدین تغلق سے جا ملا تھا۔

لیکن خسرو خاں نے ان باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اسے اپنی قوت و طاقت پر ناز تھا، اسے یقین تھا، وہ ہر دشمن کو کچل سکتا ہے

شکست آرزو

مقابلہ کے لئے خسرو خاں بالکل تیار تھا!

جب سے اس نے تخت حکومت پر قدم رکھا تو ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہتا تھا۔

جیسے ہی اسے اطلاع ملی کہ کشلو خاں، جونا خاں اور حسام الدین اپنی فوج لے کر اتحاد و اتفاق کیساتھ دہلی فتح کرنے اور اس سے تخت حکومت چھیننے کے لئے بڑھ رہے ہیں۔ اس نے فوراً اپنے ماموں کی سرکردگی میں ایک فوج گراں مقابلہ کے لئے بھیج دی اور مطمئن ہو گیا!

اسے کامل یقین تھا کہ یہ لشکر گراں چند روز میں تغلق اور کشلو خاں کے آدمیوں کو تتر بتر کر دے گا اور ان کے سرداروں کا کٹا ہوا سر لا کر اس کی خدمت میں پیش کر دے گا۔

لیکن ایسا نہیں ہوا!

خسرو خاں کا یہ لشکر جو بڑی دھوم دھام کے ساتھ تغلق کو شکست دینے کے لئے نکلا تھا۔ بہت جلد چند ہی روز کے اندر شکست فاش کھا کر واپس آ گیا!

واپس کہاں آیا چند آدمی جو آئے انہوں نے خبر دی کہ پوری فوج کا صفایا ہو گیا، سارا مال و متاع چھین لیا گیا۔ اب تغلق کی فوج اور بھی زیادہ مضبوط و مستحکم ہو کر آگے بڑھ رہی ہے۔

پہلے تو خسرو خاں کو اس خبر پر یقین نہیں آتا۔ لیکن جب اس کے سالار فوج ——— اس کے ماموں کی لاش لا کر اس کے سامنے رکھی گئی تو وہ کانپ گیا اور صورت احوال کی نزاکت کا اسے پورا احساس ہو گیا۔

اب تک جس دشمن کو وہ حقیر سمجھ رہا تھا، اب وہ ایک ناقابل تسخیر قوت بن کر اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے آ رہا تھا۔ اور بظاہر اس کے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں تھی!

فوج کا بڑا حصہ کٹ گیا تھا، خزانہ خالی ہو گیا تھا، لوگ پہلی مہم کا یہ عبرتناک اور دردناک انجام دیکھ کر لڑائی کے نام سے لرزنے لگے تھے!

دہلی کے باشندے پہلے ہی خسرو خاں سے متنفر تھے، شکست کی خبر نے جہاں قصر ہزار ستون میں صف ماتم بچھا دی، وہاں دہلی کے باشندے اندرون خانہ بھی اور علانیہ بھی جشن طرب منانے میں مشغول ہو گئے

خسرو خاں سخت حواس باختہ تھا کہ اب کیا کرے؟

اس مشکل اور مصیبت سے کس طرح نجات حاصل کرے۔

آخر اس نے جبری بھرتی کا اعلان کر دیا۔ اس نے ہر شخص پر جنگی ٹیکس عائد کر دیا۔ لوگوں کے گھروں کے برتن، ان کی عورتوں کے زیور، عام اور روزانہ کے استعمال کی چیزیں زبردستی چھینی جانے لگیں۔ اور مصارف جنگ میں صرف کی جانے لگیں۔

سیٹھو اور ساہو کا بنئے اور بقال جنہوں نے مسلمانوں کے عہد حکومت میں بیسیوں جنگیں دیکھی تھیں، مگر کبھی لوٹنے نہیں گئے تھے، اب دولت ستم بنائے جا رہے ہیں تھے ان پر ایک رقم متعین کر دی جاتی تھی، جس کے کی فوراً ادائیگی کا حکم دیا جاتا۔ اگر تعمیل حکم میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تھی تو فوراً تالے توڑ دیئے جاتے تھے۔ اور جو کچھ ساز و سامان ملتا تھا، وہ بحق سرکار ضبط کر لیا جاتا تھا، اور اسے بھی جنگ کی مد میں خرچ کر دیا جاتا تھا۔

اس طرح کے ظالموں اور سفاکانہ طرز عمل سے اہل شہر چیخ اٹھے لیکن کسی نے ان کی فریاد نہ سنی۔ وہ چیختے رہے اور چلاتے رہے اور خسرو خاں اپنی نئی زندگی فوج کو منظم کرتا رہا!

خسرو خاں

اب خسرو خاں کے لئے اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں تھی کہ اس نئی فوج کی کمان کرتا ہوا خود میدان جنگ کا رخ کرے۔

اس موقع پر اس کے بعض مصاحبوں نے جن میں گوپال پیش پیش تھا۔ غور و فکر کے ساتھ رائے دی کہ بے شک میدان جنگ میں تشریف لیجائیے لیکن یہ حقیقت فراموش نہ کیجئے کہ "جنگ دوسرا ہار ہوا!"

خسرو خاں نے اضطراب اور پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

"اس کا کیا مطلب؟"

مسکراتے ہوئے گوپال نے عرض کیا:۔

"آپ یقیناً فتح یاب ہوں گے۔ لیکن ایسے مواقع پر تاریک پہلو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے!"

خسرو خاں نے اور زیادہ جھنجھلا کر پوچھا:۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟ — مقصد کیا ہے تمہارا۔؟"

وہ عرض گزار ہوا

" خداوند نعمت میرا مقصد یہ ہے کہ نادر ہیرے جواہرات، سونا قیمتی اور گراں بہا سامان اور اس سے بڑھ کر شیاما کماری کو بھیکم پور راجہ بھیم چند کے پاس بھیج دیجئے!

تیوری پر بل ڈال کر خسرو خان نے جواب دیا!

" کیوں ۔؟"

گوپال نے جواب دیا:

" اس لئے کہ اگر بھگوان نہ کرے بازی الٹ جائے۔ آپ کو شکست ہو تو یہ ساری چیزیں آپ کے قبضہ میں رہیں، پھر بھی بادشاہت کی طرح زندگی بسر کریں گے۔

خسرو خاں: یعنی:"

" گوپال:۔ یعنی کہ جو ہیرے جواہر از قبیل نادارات ہیں وہ کئی مملکتوں کی قیمت کے برابر ہیں زندگی بھر ان کے بل پر آپ ٹھاٹھ کی زندگی بسر کریں گے ___ ، ایسی ہی جیسی اب کرتے ہیں!"

" خسرو خاں، اور تمہاری رائے ہے کہ شیاما کو بھی بھیج دوں:؟"

" گوپال:۔ غلام کی رائے تو یہی ہے ۔؟ ___ وہ تو آپ کے نادر ہیرے جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی ہے:"

خسرو خاں! ہاں سچ کہتے ہو گوپال۔

گوپال: غلام کی دیانتدارانہ رائے یہی ہے آگے جیسی آپ کی مرضی ہو خداوند نعمت کی:۔

خسرو خاں: تمہاری رائے مناسب ہے ہم اس کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ شیاما؟"

گوپال:۔ وہ وہاں بہت آرام اور سکھ سے رہے گی۔ وہاں اس کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ وہ وہاں اس طرح رہے گی جس طرح یہاں پر رہتی ہے!"

خسرو خاں:۔ تمہارا یہ خیال ہے؟

گوپال:۔ خداوند نعمت غلام کا یہ خیال نہایت دیانتداری کے ساتھ ہے۔

خسرو خاں:۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ وہاں آرام سے رہیں گی۔

گوپال:۔ ضرور ایسا ہی ہو گا:

خسرو خاں:۔ لیکن ۔؟

گوپال:۔ کیا آپ کو اپنے دوست، اپنے یار غار بھیم چند پر اعتبار نہیں ہے۔؟

خسرو خاں:۔ بہت ہے۔!

گوپال:۔ اس سے بڑھ کر کیا اور کوئی مضبوط جگہ ہے آپکی حکومت میں۔

خسرو خاں:۔ ہاں۔ یہ ٹھیک کہتے ہو۔ اس کا قلعہ بھی بہت مضبوط ہے۔

گوپال:۔ وہ قلعہ ناقابل تسخیر ہے، خداوند نعمت، آج تک اسے کوئی فتح نہیں کر سکا، بارہا دشمنوں نے چڑھائی کی لیکن منہ کی کھائی واپس آگئے!

خسرو خاں:۔ یہ بھی ٹھیک ہے، ہم نے بارہا وہ قلعہ خود دیکھا ہے ___ لیکن ___ قیمتی سامان اور شیاما کو لے کر وہاں کون جائے گا؟

گوپال:۔ اگر خداوند نعمت کو غلام پر اعتبار ہو تو یہ آپ کا غلام!۔

چال

بات خسرو خاں کی سمجھ میں آگئی۔

شیاما اور نادر ہیرے جواہرات کی حفاظت کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں تھا کہ انہیں بھیم چند کی تحویل میں، دے دیا جائے!

گوپال سے جو باتیں کی تھیں وہ اس موڈ میں کی تھیں، کہ گو ــــــ لڑنے جارہا تھا، دشمن کو شکست دینے جارہا تھا لیکن دل مطمئن نہ تھا،!

جیسے دل میں کوئی کہہ رہا تھا، اب تو واپس نہیں آسکے گا، اب قصر ہزار ستون میں تجھے داخلہ کا موقع نہیں ملے گا، اب تیرے پاؤں تلے سے تخت شاہی چھین لیا جائے گا اور تیرے سر سے تاج شاہی اتار لیا جائے گا!

چنانچہ ایسے حالات میں شیاما کو یہاں چھوڑ جانا اور قیمتی سامان وہیرے جواہرات کی حفاظت دانتظام نہ کرنا حماقت ہے

ــــ گوپال ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے کہ جنگ دو سرداریں فتح حاصل کرنے جارہا ہوں۔ لیکن مجھے شکست کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔

یہ سب سوچ کر اس نے ہیرا چند کو بلایا اور اس سے کہا،۔

"تم ہمارے ساتھ میدان جنگ میں چلوگے" رادھا اور شیاما بھیکم پور میں راجہ بھیم چند کے پاس بھیج دی جائیں گی،!"

چند روز پہلے ہیرا چند کی جو باتیں راجہ بھیم چند سے ہوئی تھیں ان سے اس نے اچھا اثر لیا تھا اس کی رائے میں راجہ بھیم چند ہر طرح ٹھیک تھا، اس نے کہا "خداوند نعمت کی رائے بالکل مناسب ہے ہمیں اپنے سے کہیں زیادہ اپنے

ننگ وناموس کا خیال ہے، رادھا اور شیاما کو فوراً بھیکم پور بھیج دینا چاہیئے مصلحت اور تدبر کا تقاضہ یہی ہے!"

خسرو خاں سے انتہائی متنفر ہونے کے باوجود اس وقت پھر ہیرا چند اپنے آقا کا وفادار بن گیا تھا۔ وقتی طور پر وہ اس حکومت کا تختہ الٹنے پر تیار ہو گیا تھا۔ لیکن جب وقت آیا تو اس نے سوچا تغلق کی فتح کے معنیٰ یہ ہیں کہ پھر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

ہندو حکومت کا تصور پھر ایک ناقابل تعبیر خواب بن جائے۔

خسرو خاں اچھا ہے یا برا، نیک ہے یا بد، انسان ہے یا حیوان اس سے بحث نہیں لیکن اس کی وجہ سے ہندو حکومت قائم ہو گئی ہے، آج خسرو خاں برا ہے ناقابل برداشت ہے، لیکن یہ ہمیشہ تو نہیں رہے گا۔ آئندہ جو شخص تخت حکومت پر متمکن ہو گا ممکن ہے وہ اچھا ہو۔ اور اشوک اعظم کی حکومت کا نمونہ قائم کر دے لہذا اس حکومت کو قائم رہنا چاہیئے۔

اس وقت اس کے تصور میں نہ رادھا تھی، نہ شیاما، نہ وہ خود، وہ ہندو حکومت قائم رکھنا چاہتا تھا اور اسے بچانے کے لئے ہر قوت سے ٹکر لینے کے لئے تیار تھا۔

یہی وجہ تھی کہ جب خسرو خاں نے اس سے کہا کہ تمہیں ہمارے ساتھ میدان جنگ میں جانا پڑے گا تو تامل کئے بغیر اس نے مردانہ وار جواب دیا۔

"میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی آپ کے حکم پر بہانے کو تیار ہوں!"

پھر کچھ سوچ کر اس نے پوچھا۔

"لیکن رادھا، شیاما اور آپ کے نادر ہیرے جواہرات لے کر کون جائے گا بھیکم پور،؟"

خسرو خاں نے جواب دیا۔

"گوپال، ــ"

اندیشہ اور خطرہ

ہیرا چند خسرو خان کے ساتھ میدان جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا!

اس کا دل بہت مطمئن تھا۔!

اسے یقین تھا کہ رادھا اور شیاما نہایت آرام اور عافیت سے وہاں رہیں گی اور۔۔۔

اور دل میں دبے پاؤں ایک خیال اور بھی بیٹھا تھا!

وہ لڑنے جا رہا تھا لیکن نتیجہ جنگ کے بارے میں زیادہ پر امید نہیں تھا وہ تغلق کشلو خان، اور جونا خان کی جنگی مہارت سے بہت اچھی طرح واقف تھا اور حسام الدین کی جرأت و تہور کے مناظر تو اپنی آنکھ سے دیکھ چکا تھا، دہلی کے مسلمانوں کے تاثرات اور ان کے جوش و خروش کا بھی اسے علم تھا اور وہ جانتا تھا جیسے تغلق کی فوجیں داخل شہر ہوں گی سب اس کا ساتھ پورے جوش اور خروش کے ساتھ دیں گی۔

لیکن یہ جاننے کے باوجود وہ جا رہا تھا وہ سوچ کر جا رہا تھا کہ اب میدان جنگ سے نہ وہ واپس آئے گا نہ خسرو خاں!

لیکن دل کے ایک گوشہ میں یہ خیال جاگزیں تھا کہ بھیم چند خسرو سے بھی اچھا آدمی ہے وہ خاندانی راجہ ہے۔ بہادر ہے، دلاور ہے، انداز حکومت اور جہانبانی سے واقف ہے، وہ خسرو خاں کی سی غلطی نہیں کر سکتا وہ ہندو حکومت کو کامیابی اور خوبی کے ساتھ چلائے گا۔

بلا سے میں اس جنگ میں کام آجاؤں، بلا سے اس لڑائی میں خسرو خان کی جان چلی جائے، لیکن اگر بھیم چند اس کی جگہ لے لیتا ہے تو میرا اور خسرو خان کا قتل بیکار نہیں جائے گا۔ ہم اپنا سر دے کر ہندو حکومت کو بچا لیں گے۔

یہ خیال اس کے دل میں منڈلاتا رہا اور۔۔۔۔۔۔۔۔ جب وہ گوپال کو رخصت کر رہا تھا جو رادھا اور شیاما اور میرے جواہرات لے کر ایک مضبوط دستہ فوج کے ساتھ بھیکم پور جا رہا تھا۔ تو اسے الگ لے جا کر یہ تمام باتیں جو اس کے دل میں تھیں اور اب تک زبان پر نہ آئی تھیں۔ کہہ دیں۔ اس نے کہا:

"گوپال تم جا رہے ہو جاؤ۔ لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ہم یہ جنگ جیت نہیں سکتے۔ ہم ہاریں گے ہم قتل ہو جائیں گے اور مجھے اس کا کوئی غم بھی نہیں ہے، بھگوان سے جو حکومت ملی تھی ہم اسے اچھی طرح چلا نہیں سکے۔ ہم مسلمانوں کے خلاف تھے۔ لیکن وہ ہم سے بہت اچھے، اور بہت اچھے حکمران تھے، ہماری حکومت کو ختم ہونا ہی چاہیئے۔ لیکن بھیم چند کی ذات سے مجھے بہت ہی امید ہے کہ اس سے کہہ دینا کہ اگر ہم ہار جائیں۔ اگر ہم قتل ہو جائیں۔ اگر تغلق کو فتح ہو جائے تو وہ اپنا فرض ضرور پورا کرے، وہ میدان میں اترے اور تغلق سے حکومت چھین لے، وہ چھین سکتا ہے، وہ حکومت چلا سکتا ہے وہ ہندو حکومت قائم کر سکتا ہے!"

گوپال نے ان باتوں پر نہ کبھی غور کیا تھا، نہ ان کی اہمیت محسوس کی تھی اس وقت بھی اس نے یہ باتیں ایک کان سے سنیں، دوسرے کان سے اڑا دیں۔ اس کے ذہن میں تو صرف ایک خیال تھا، دہلی پر کسی کا بھی قبضہ ہو بھیکم پور بھیم چند سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ اور اب شیاما بھیم چند کی ہے۔

زلزلہ اور طوفان

جس طرح زلزلہ آتا ہے اور بڑی بڑی عمارتیں چشم زدن میں مٹی کا ڈھیر بن جاتی ہیں، جس طرح طوفان آتا ہے اور بڑے بڑے درخت چند لمحوں میں زمین پر آ رہتے ہیں جس طرح وبا آتی ہے اور منٹوں کے اندر آدمی ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تغلق کی فوج زلزلہ طوفان اور بلا بن کر نمودار ہوئی!

خسرو خاں نے پوری قوت اور طاقت سے اس چھوٹی سی فوج کو بظاہر بڑی زبردست شکست فاش دے دی۔ لیکن انسان کی ہر آرزو اور تمنا ہمیشہ پوری نہیں ہوتی۔ خسرو خاں کا خیال تھا کہ تغلق کے فتنہ سے نجات پانے کے بعد وہ بے خطر حکومت کرے گا۔ پھر اس کا کوئی حریف نہیں رہ جائے گا اور وہ اپنے مقاصد پوری کامیابی کے ساتھ پورے کر سکے گا۔

لیکن تغلق کو شکست دینا آسان نہ تھا!

تغلق تو قضائے الٰہی بن کر نمودار ہوا تھا اور قضائے الٰہی کا مقابلہ کون کر سکتا ہے، اس سے کون ٹکر لے سکتا ہے؟

دلی سے باہر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دونوں فوجیں اس طرح گتھی ہوئی تھیں کہ ہٹنے اور پلٹنے اور پیچھے دیکھنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ کئی مہینوں تک معرکہ کارزار گرم رہا شروع میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واقعی تغلق

کی فوجوں کو شکست ہو جائے گی، لشکر خاں کی مجاہدانہ سرگرمیاں ناکام ہو گئیں۔ تغلق اپنے خیمہ میں بیٹھا جنگ کے مناظر دیکھ رہا تھا، اور برابر وہ احکام و ہدایات نافذ کر رہا تھا۔

یوں تو سب ہی اس جنگ میں مردانہ وار حصہ لے رہے تھے۔ لیکن حسام الدین کی بات ہی اور تھی۔ وہ واقعی حسام — شمشیر آبدار — بنا ہوا تھا اور یہی بات تھی کہ تغلق نے جنگ کی کمانداری اس کے سپرد کر رکھی تھی!

آخر تھوڑی دیر کے بعد حالات نے پلٹا کھایا!

خسرو خاں کی فوج کثرت تعداد اور کثرت اسلحہ اور کثرت سازوسامان جنگ کے باوجود پیچھے ہٹنے لگی تھی۔ خسرو خاں کی فوج کے بہت سے آدمی کام آ گئے، زخمیوں سے میدان جنگ پٹا پڑا تھا۔ اگر تغلق کے لشکر کے دو سو آدمی مر گئے تھے اور پانچ سو زخمی ہوئے تھے، تو خسرو خاں کی پوری فوج کا تقریباً صفایا ہو گیا تھا۔ اور زخمیوں کی تعداد تو حد شمار سے خارج تھی۔ ہر طرف سے آہ و بکا، اور چیخ و پکار کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

اب تغلق بھی میدان جنگ میں آ گیا۔ اس نے حسام الدین کی پیٹھ ٹھونکی اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا:

"شاباش نوجوان تمہاری جرات، اور دلیری اور فنون جنگ میں مہارت سے مجھے یہی امید تھی — کارکردی۔ بس یہی موقعہ ہے، ایک آخری اور زوردار حملہ کر دو۔ ہم چاہتے ہیں کہ عصر کی نماز دہلی میں جا کر پڑھیں!"

حسام الدین نے اپنے آقا کی رکاب پر ادب سے ہاتھ رکھ کر کہا ایسا ہی ہو گا۔ میرے آقا بالکل مطمئن رہیے!

اور پھر اس نے واقعی ایسی جی داری کے ساتھ جنگ شروع کی کہ ایک گھنٹہ کے اندر فیصلہ ہو گیا۔ خسرو خاں کی فوج شکست فاش کھا چکی تھی۔

" آخر اتنا گہرا لگاؤ کیوں ہے تمہیں اس دشمن اور کافر سے۔؟"

حسام الدین نے جواب دیا۔

" اس لئے کہ یہ میرا محسن ہے، اس کے مجھ پر احسانات ہیں۔ میں اس کی قید میں تھا۔ میرے قتل کا فرمان خسرو خاں نے صادر کر دیا تھا لیکن اس نے مجھے قتل ہونے سے بچایا۔ اس نے اعزاز و احترام کے ساتھ مجھے اپنے گھر میں رکھا۔ اس کی بیوی اور سالی کا برتاؤ میرے ساتھ ایسا تھا جو گھر کے ایک فرد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی رعایت اور شفقت کی وجہ سے مجھے فرار ہونے کا موقع ملا اور میں اپنے آقا کی خدمت میں باریاب ہوا۔ میں نے پہلے دن آتے ہی نشاندہی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنی جلدی اور اتنی کامیابی کے ساتھ ہم نے دشمن کا تختہ الٹ دیا۔ ہیرا چند اگر بچ جاتا تو ہم ضرور اسے اپنا دوست بنا لیتے۔ وہ میدان جنگ میں اس لئے آیا کہ اسے آنا ہی چاہئے تھا۔ وہ اپنے بادشاہ کا وفادار تھا۔ اور اس کا یہ کیریکٹر مجھے پسند تھا۔

جونا خاں نے حسام الدین کی تائید کی اور کہا۔

" حسام الدین ٹھیک کہتا ہے، میں جانتا ہوں ہیرا چند سے ہمیں کتنی مدد ملی۔ میں ساری داستان سن چکا ہوں۔

تغلق نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

" بہر حال اگر ہیرا چند کے قتل کا حسام الدین کو افسوس ہے تو ہمیں بھی ہے۔ اگر بچ جاتا تو ضرور حسام الدین کے کہنے سے ہم اس کی جان بخشی کرتے ——— سوال خسرو خاں کا ہے، اگر مقتولوں اور زخمیوں میں موجود نہیں ہے تو ضرور جان بچا کر بھاگ گیا ہے، اور اسے ہر قیمت پر تلاش کرنا ہمارا فرض ہے۔"

کشلو خاں نے کہا اگر وہ بھاگا گیا ہے تو زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ آس پاس کے مقامات پر تلاش میں سپاہی بھیج دیجئے۔

کٹا ہوا سر

سب سے پہلے خسرو خاں کی تلاش شروع ہوئی۔ تمام زخمیوں اور مقتولوں کو چھان مارا گیا لیکن خسرو خاں نہ زخمیوں میں تھا نہ مقتولوں میں۔ البتہ ہیرا چند کی لاش دستیاب ہو گئی اور یہ معلوم کر کے کہ یہ خسرو خاں کا وزیر اعظم تھا۔ ایک شخص اس کا کٹا ہوا سر لے کر خوشی خوشی انعام کی امید میں خیمۂ شاہی تک پہونچا۔ جہاں کشلو خاں۔ ہیرا جونا خاں اور حسام الدین بیٹھے ہوئے تھے۔ تغلق اور کشلو خاں، ہیرا چند کا سر دیکھ کر بہت خوش ہوئے لیکن حسام الدین اپنے تاثرات ضبط نہ کر سکا۔ اس نے کہا۔

" کاش یہ بچ جاتا ——— اگر یہ میرے سامنے آ جاتا تو ہر قیمت پر میں اس کی جان بچا لیتا۔!

کشلو کو یہ بات ناگوار گزری اس نے تلخ لہجہ میں کہا:۔

تم اتنے بڑے دشمن کے وزیر اعظم کے قتل پر ملول ہو؟ جو میدان جنگ میں اس لئے آیا تھا کہ ہمیں قتل کر دے؟"

حسام الدین نے قدرے تلخ لہجہ میں جواب دیا۔

" ہاں یقیناً وہ اسی لئے آیا تھا۔ لیکن اگر وہ میری زد پر آ جاتا تو میں اسے بچا لیتا اور اپنے آقا (تغلق) سے اس کی جان بخشی کرا لیتا۔"

کشلو خاں یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

تغلق کا استقبال

کشلو خاں کی یہ بات تغلق خاں کو پسند آئی۔ اس نے ایک دستہ سپاہ کے ساتھ جونا خاں کو اور سواروں کے ایک گروہ کے ساتھ حسام الدین کو خسرو خاں کی تلاش میں روانہ کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ شہر میں داخل ہوا۔

سارا شہر استقبال کے لئے امنڈ آیا۔

یوں بھی تغلق محبوب عوام تھا۔ اس کے عظیم و جلیل کارنامے لوگوں کے دلوں پر نقش تھے وہ نہ ہوتا تو ہندوستان کی سرزمین بھی وحشی اور درندہ صفت تاتاریوں کی جولاگاہ بن گئی ہوتی یہاں کے شہر ویران ہو گئے ہوتے، آبادیاں تباہ ہو گئی ہوتیں۔ ہزاروں کی تعداد میں ہر شہر کے اندر بے پناہ لوگ قتل ہوتے اور ان کے سروں کے مینار بنائے جاتے، یہاں کی مسجدیں اور خانقاہیں مسمار کر دی گئی ہوتیں، یہاں تہذیب، تمدن، ثقافت ہر چیز کا گلا ہی گھونٹ دیا گیا ہوتا۔ یہاں کی سرسبزی اور شادابی ختم ہو گئی ہوتی۔ یہاں کا امن و امان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا ہوتا یہاں کی خوش حالی

کا وجود بھی نہ رہتا۔

لیکن وہ تغلق تھا جو سد سکندری بن کر یورش تاتار کے مقابلہ میں حائل ہوا اور اس نے انہیں اس سرزمین پر قدم نہیں رکھنے دیا۔ وہ جب کبھی بھی ہوا اور اس نے انہیں اس سرزمین سے مار بھگایا، انہیں شکست دی انکے مقتولوں کے کٹے ہوئے سروں کے اونچے اونچے مینار اس نے خود قائم کئے۔

اس کے یہ کارنامے ایسے نہیں تھے جنہیں فراموش کیا جا سکتا۔ یہی کارنامے تھے جن کے باعث علاؤالدین خلجی جیسا درشت مزاج فرمان روا اس کا اعزاز و احترام کرنے، اسے نوازنے اور طرح طرح کے القاب و خطابات دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد اپنی تمام نااہلیوں اور بدکرداریوں کے باوجود قطب الدین خلجی نے بھی خسرو خاں کے ہاتھ کا کھلونا بن چکنے کے بعد اس کے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کی نہ اس کے اعزاز و اکرام میں فرق آنے دیا۔

لیکن اس کی آج کی آمد چیز ہی دوسری تھی!

اب تک تو وہ ملک کا نجات دہندہ تھا ایسے فتنہ سے جو طوفان اور سیلاب کی طرح کبھی بھی یورش کیا کرتا تھا!

لیکن آج اس نے دہلی کو دہلی کے باشندوں کو، ایک ایسے غاصب ظالم اور احسان فراموش شخص کے پنجہ سے نجات دلائی تھی جس نے اپنے مختصر سے دور حکومت میں سارے شہر کو تہ و بالا کر ڈالا تھا۔ اس کے دور فرمانروائی میں نہ کسی کی عزت محفوظ تھی، نہ جان و آبرو، نہ امن حاصل تھا۔ نہ عافیت لوگ گھر سے نکلتے تو گھر والے دل ہی دل میں دعا کرتے کہ زندہ سلامت واپس آئیں۔ اگر زندہ سلامت واپس آ جاتے تو بارگاہ الٰہی میں دوگانہ شکر ادا کرتے کہ قتل عام اور غارت گری کے اس دور میں صحیح سالم واپس آ گئے۔

خسرو خاں کے مختصر سے دور حکومت میں رذیلوں اور کمینوں کو بڑے بڑے مناصب پر فائز کیا گیا تھا۔ انہیں جاگیریں دی گئی تھیں، انہیں القاب

خطابات سے نواز اگیا تھا۔ شریفوں اور باعزت لوگوں کو ذلیل کیا گیا تھا ہر رذیل وزیر بن سکتا، اور ہر شریف، ذلیل بے عزت اور قتل کیا گیا جا سکتا تھا اس کی املاک و جائداد ضبط کی جا سکتی تھی اس کا مال و متاع چھینا جا سکتا تھا۔ اسے جیل میں غیر معینہ مدت کے لئے ڈالا جا سکتا تھا!

دلی کے باشندے ہر روز حسرت سے آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ یا بارگاہ الٰہی یہ دورِ عذاب کب ختم ہو گا؟ اس قہر الٰہی سے کب نجات ملے گی؟"

اور پھر یہی نہیں تھا کہ لوگوں پر آفتیں ٹوٹ رہی ہوں،!
مذہب کی مٹی بھی پلید ہو رہی تھی۔"

خسرو خاں بظاہر مسلمان تھا، لیکن درحقیقت ہندو تھا، بادشاہ بننے کے بعد وہ اپنے اصل آپ و رنگ کے ساتھ نمایاں ہونے لگا۔

بہت سی مسجدیں شہید کر دی گئیں۔ بہت سی مسجدوں میں مورتیاں رکھ دی گئیں۔ بہت سی مزارات مندر بنا دیئے گئے کئی مقامات پر اذان اور نماز ممنوع قرار پائی۔ گائے کشی حکماً اور جبراً بند کر دی گئی کلیدی مناصب مسلمانوں سے چھین لئے گئے اور ان پر سے گجرات کے ہندو اور ہزاروں کی تعداد میں دلی کے ہندو فائز کر دیئے گئے۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر یہی حال رہا تو کچھ ہی دنوں میں باقاعدہ اعلان ہو جائے گا کہ خسرو خاں نے پھر سے ہندو مذہب قبول کر لیا ہے اور حکومت مسلمانوں کی نہیں ہندوؤں کی ہے اور اس کے بعد اور زیادہ مسلمان پر سختیاں ہونے لگیں گی!

ان حالات نے مسلمانوں کو اور زیادہ آشفتہ اور مضطرب کر رکھا تھا، مذہب جو انہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا، اب رخصت ہوتا نظر آ رہا تھا۔ یہ اگر ختم کر دیا گیا تو کیا ہو گا!"

پھر زندگی کس کام کی۔؟

جہاد کا جذبہ اور ولولہ دلوں میں تھا۔ لیکن ایک مسلح اور منظم حکومت کے مقابلے میں نہتے لوگ کس طرح جہاد کر سکتے تھے،؟

لیکن تغلق فرشتۂ رحمت بن کر فاتح اور غازی کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا۔

وہ صرف ملک کو یورش، تاتار سے نجات دلانے والا ہی نہیں تھا،
وہ اسلام کو دشمن کی زد سے بچانے والا تھا!
اس نے آ کر اسلام کو زندہ کر لیا۔
اس نے دلی فتح کر کے مسلمانوں کو نئی زندگی مرحمت فرما دی۔
اس نے خسرو خاں کو شکست دے کر ان تمام فتنوں اور خطروں کا خاتمہ کر دیا جنہوں نے ہر چہار طرف سے مسلمانوں کو گھیر رکھا تھا؟"

آج وہ صرف ایک فاتح نہ تھا!
"ہیرو تھا۔!
جس کے قدموں پر لوگ سر جھکانے کو تیار تھے،
جس کی خاک پا آنکھوں سے لگانے کو تیار تھے؟"
جس کے پسینے پر خون بہانے کو تیار تھے!"

جسے ایک نظر دیکھ لینے کے لئے وہ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے!

انہوں نے بارہا تغلق کو دیکھا تھا، تحسین، احترام اور اعزاز کی نظروں سے دیکھا تھا لیکن جو تغلق آج دہلی میں داخل ہوا تھا!

وہ کون تغلق تھا؟
فرشتۂ رحمت!!
جو نہ آتا تو قیامت گزر جاتی،!"

اس کے خیر مقدم میں اس کی پیشوائی میں اس کی آمد پر دیدہ و

دل فرش راہ کرنے کے لئے ہر شخص بیتاب اور بے قرار نظر آ رہا تھا۔
عوام بھی اور خواص بھی، امیر بھی اور غریب بھی، جوان بھی اور بوڑھے بھی، بیمار بھی اور تندرست بھی، امرد بھی اور عورت بھی۔ اور بچے بھی، سب اسے ایک نظر دیکھنے کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے۔

کشلو خاں تغلق کا یار وفادار تھا وہ اس کی محبوبیت عوام سے واقف تھا، وہ خود بھی بہت بڑا شخص تھا۔ اس کی عظمت کے سامنے بھی خلقت سرنگوں ہوتی تھی۔ اس کا اعزاز و احترام بھی ہر شخص کی نظر میں تھا اس نے بھی بڑے وقیع، یادگار اور ناقابل فراموش کارنامے انجام دیئے تھے، بادشاہ کے دربار میں اور عوام کے دل میں اس کی جگہ تھی، لیکن آج اسے محسوس ہوا کہ اس میں اور تغلق میں کتنا فرق ہے؟

"زمین و آسمان کا فرق!"

تغلق محبوبیت اور عظمت کی جس بلندی پر فائز ہے وہاں تک کشلو خاں کسی طرح نہیں پہونچ سکتا۔

آخر وہ ضبط نہ کر سکا، اس نے کہا:۔

"تمہارا استقبال تو اس طرح دلی والے کر رہے ہیں جیسے کوئی بادشاہ آیا، کوئی شہریار آیا!"

تغلق ہنسنے لگا، اس نے کہا، کیا جل رہے ہو؟"

وہ بولا: "میں کیوں جلنے لگا، تمہارے سر پر تاج شہریاری جو ہاتھ رکھیں گے وہ میرے ہوں گے۔"

دفعتہ تغلق کا رنگ رخ بدل گیا، اس نے تیکھی نظروں سے کشلو خاں کو دیکھا اور کہا:۔

"کیا تم مجھے غدار سمجھتے ہو؟ کیا تم مجھے نمک حرام سمجھتے ہو؟ کیا تمہارا خیال ہے میں احسان فراموش ہوں؟"

کشلو خاں نے حیرت سے اسے دیکھا پھر گویا ہوا۔

"کچھ دیوانے ہوئے ہو، میں تمہیں ایسا سمجھ سکتا ہوں؟ — میں؟"

تغلق کی برہمی کم ہو گئی۔ اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا:۔

"میں نے جو کچھ کیا ہے اپنے لئے نہیں کیا ہے، میرے لئے یہ بس ہے کہ — سپاہی ہوں اور اپنے آقا کا جاں نثار ہوں!"

کشلو خاں نے کہا۔ یہ تو ٹھیک ہے اور جہاں تک میرا تعلق ہے آقا پرستی میں تم سے کم نہیں ہوں؟"

"پھر یہ الفاظ تمہارے منہ سے کیسے نکلے کہ تاج شہری یاری میرے سر پر رکھو گے؟"

"اس لئے کہ ہمارا آقا کمینے، رذیل، اور احسان فراموش دشمن کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے!"

"ہاں وہ قتل ہو چکا ہے لیکن اس کی اولاد تو موجود ہے، اس کا خاندان تو خدا کے فضل سے موجود ہے، نہ سہی وہ ان لوگوں میں سے کوئی تخت حکومت پر متمکن ہو تو بھی ہم اپنے سابقہ آقاؤں کی طرح اس کی چاکری بھی کریں گے۔ وفاداری کے ساتھ اس کی خدمت بھی کریں گے۔ اور اس طرح ایک دن سرخرو ہو کر اپنے خالق سے جا ملیں گے۔؟

کشلو خاں غور سے تغلق کی باتیں سنتا رہا۔ پھر اس نے احترام اور عزت کی نظر سے دیکھا اور گویا ہوا۔

"واقعی تم بہت بڑے، بہت اونچے اور نہایت شریف انسان ہو میری تمہاری دوستی کی بنیاد آج تک مساوات پر تھی، تم تلوار کے دھنی تھے میں بھی تھا۔ تم بہادر تھے مجھے بھی اپنی شجاعت پر فخر تھا، لیکن ایک انسان کی حیثیت سے تم آفتاب ہو اور میں بندۂ ناچیز!"

تغلق ہنسنے لگا، اور کہا خوب بنا لو جی بھر کے!"

تاج شہریاری

بعض وقت انسان کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے خواہ اس کے پورے ہونے کا وہم گمان بھی نہ ہو،

کشلو خاں نے باتوں باتوں میں تغلق سے کہا تھا۔

"تمہارے سر پر تاج شہریاری رکھنے والے میرے ہاتھ ہوں گے!"

اور تغلق نے اسے جھڑک دیا تھا۔ اس لئے کہ اس کے دل کے کسی گوشہ میں بھی بادشاہ بننے کا سودا نہیں ہوا۔

لیکن ہوا کیا؟

تاج شہریاری اس کے سر پر رکھا گیا اور وہ مجبور ہو گیا کہ بادشاہت کا منصب قبول کرے۔

تغلق نے کشلو خاں سے کہا تھا، کیا ہوا اگر قطب الدین خلجی قتل ہو گیا اس کی اولاد موجود ہے، اس کا خاندان موجود ہے، ان میں سے جو اہل ترین شخص ہو گا ہم اس کے سر پر تاج شہریاری رکھ دیں گے۔ اسے بادشاہ بنا لیں گے، اس کی اطاعت اور حکومت میں زندگی بسر کر دیں گے ہم سپاہی ہیں، ہمیں بادشاہت سے کیا سروکار!

اور کشلو خاں نے یہ بات مان بھی لی تھی۔ کیونکہ بادشاہ پرستی میں وہ بھی کسی طرح تغلق سے کم نہ تھا!

لیکن دل میں امن و امان قائم کرنے کے بعد جب اس نے قطب الدین کی اولاد اور خاندان خلجی کے افراد کی تلاشی شروع کی تو مایوسی کے سوا اس کو اور کچھ نہ ملا۔

معلوم ہوا کہ خسرو خاں نے اس اندیشہ سے کہ کہیں آگے چل کر ان میں کوئی خطرناک نہ ثابت ہو۔ ایسے تمام افراد کو تہ تیغ بے دریغ کر دیا تھا۔ خانوادۂ خلجی کا خاتمہ کرنے کے بعد وہ مطمئن ہو گیا تھا کہ اب کوئی حریف باقی نہیں رہ گیا۔!

اس صورت حال نے بڑی مشکل اور دشواری پیدا کر دی، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا کیا جائے؟"

ملک کا انتظام بہر حال چلانا تھا۔ اور یہ کام بغیر ایک بادشاہ کے انتخاب کے ممکن نہ تھا۔

پھر یہ مسئلہ کیونکر حل کیا جائے؟

آخر تغلق اور کشلو خاں نے شہر کے تمام سربرآوردہ اشخاص، علماء فضلاء، امراء حکام، عمال، اور منصب دار مناسب لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اس نے ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی اس نے کہا۔

"تم لوگ خسرو خاں کا مقابلہ نہ کر سکے، وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا اس نے اپنے آقا، ہم سب کے بادشاہ قطب الدین خلجی کو قتل کر دیا، اور خود تخت حکومت پر قابض ہو گیا۔ وہ غاصب تھا، لٹیرا تھا۔ لیکن اس نے بڑی ہوشیاری اور چابکدستی سے اپنا کام انجام دے لیا، اس کی چالاکی، اور شرارت کی انتہا یہ ہے کہ اس نے خاندان شاہی کے ایک ایک افراد کو چن چن کر قتل کر دیا۔ اس نے ننھے اور معصوم بچوں تک پر رحم نہیں کیا!

یہ کہتے کہتے تغلق کی آواز گلوگیر ہو گئی، اس کی آنکھوں سے دریائے اشک رواں ہو گیا۔ لیکن جلد ہی اپنی اس کیفیت پر وہ غالب آ گیا، اس نے کہا:۔

خلجی خاندان نے دبدبہ اور طنطنہ کے ساتھ جاہ و جلال کے ساتھ اس ملک پر حکومت کی تھی۔ علاؤ الدین خلجی کے کارنامے رہتی دنیا تک قائم رہیں گے، جب تک یہ ملک قائم ہے۔ اس کے کارنامے بھی زندہ رہیں گے۔ اس خاندان کو حق تھا کہ ایک عرصہ دراز اور مدت مدید تک حکمرانی کرتا، لیکن خدا کی مرضی کچھ اور تھی۔ اب اس خاندان کا ایک فرد بھی زندہ نہیں ہے۔

ہمیں اگر زندہ رہنا ہے، امن و امان قائم رکھنا ہے اور اسلامی حکومت باقی رکھنی ہے، لوگوں کو ان کے جان و مال اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت دینی ہے، تو بادشاہ کا انتخاب کئے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ آپ لوگ اس ملک کے بہی خواہ ہیں! اس ملک کے شہری ہیں، آپ کی خدمات ہیں، قربانیاں ہیں! آپ ہی کو حق ہے کہ جسے چاہیں بادشاہ منتخب کریں میں ایک جاں نثار سپاہی کی طرح اس کی خدمت کروں گا اور زندگی کی آخری سانس تک راہ وفا سے منہ نہ موڑوں گا!"

ہر طرف سے زور شور اور جوش و خروش کے ساتھ آوازیں بلند ہوئیں کہ آپ کو بادشاہ بنانا چاہتے ہیں۔

ایک امیر و کبیر جو اب خسرو کے عہد میں امیر نہیں رہ گیا تھا اٹھا اور کہنے لگا۔

تغلق کے سوا کسی کے سامنے ہماری گردن نہیں جھک سکتی!"

اسی طرح دوسرے امیروں، سرداروں اور معزز ین شہر نے بھی تقریباً بالاتفاق رائے کہا کہ تغلق بادشاہت قبول کرلے۔

تغلق یہ باتیں سن رہا تھا۔ اور اس کا رنگ رخ بدلتا جا رہا تھا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے، آخر وہ خاموش نہ رہ سکا۔ اٹھا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اس ذرہ نوازی اور قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن میری سپاہیانہ زندگی شاہانہ زندگی میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ مجھے بادشاہت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، میں سپاہی ہوں۔ اور سپاہی ہی رہنا چاہتا ہوں، آپ کسی اور کو منتخب کر لیجئے۔"

اس تقریر کے جواب میں پھر ہر طرف سے شور بلند ہوا اور لوگوں نے بار بار تغلق کا نام لینا شروع کیا۔

تیسری مرتبہ تغلق پھر کھڑا ہوا۔ اور اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا "اگر آپ کسی شخص کا انتخاب نہیں کر سکتے، اگر مجھ نا اہل کے سوا کسی مرد معقول پر آپ کی نظر نہیں پڑ سکتی تو پھر یہ ذمہ داری میں اپنے سر لیتا ہوں، میں اعلان کرتا ہوں کہ ہمارا بادشاہ آج سے کشلو خاں ہے۔ یہ وہ مرد مجاہد ہے جس نے اسلام کے اور مسلمانوں کے اور اس وطن عزیز کے گراں بہا خدمات انجام دیئے ہیں، یہ بے لوث ہے، بے غرض ہے، ایثار پسند ہے، اس میں غرور نہیں رعونت نہیں۔ نخوت نہیں اس کا دل ہمدرد وفا کا گنجینہ ہے، اس کی حکومت کی قابلیت مسلّم ہے، اس کے عدل و انصاف پر اس کے بدترین دشمن بھی حرف گیری نہیں کر سکتے اس نے بڑے آڑے وقتوں میں اپنے ملک اور مالک کے خدمات انجام دیئے ہیں۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے گراں بہا اور ناقابل فراموش خدمات کا صلہ اپنی قوم اور ملت کی طرف سے پائے۔"

کشلو خاں ۔ زندہ باد، شہنشاہ کشلو خاں زندہ باد!"

یہ تقریر ابھی ختم نہیں ہوئی تھی، کشلو خاں اٹھا اور اس نے کہا:۔

"بادشاہ کا انتخاب ایک اختلافی مسئلہ بن گیا ہے اور یہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ تغلق کو انکار ہے۔ وہ بادشاہت قبول نہیں کرے گا۔ مجھے اس سے زیادہ سختی کے ساتھ انکار ہے میں اپنے آپ کو اس منصب بلند کا سزاوار اور مستحق نہیں پاتا۔ لیکن ہم دونوں کے انکار کے باوجود بادشاہ کا انتخاب بہر حال ہونا ہے اور اس وقت تک جو بحث و گفتگو ہو چکی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اس کا جلد از جلد فیصلہ نہ ہوا تو بہت سے امیدوار میدان میں آ جائیں گے اور بہت سی چمکتی ہوئی تلواریں کھنچ جائیں گی!

لہذا میری رائے میں اس مسئلہ کے حل کا بہترین فیصلہ یہ ہے کہ آپ سب کسی کو حکم منتخب کر لیجئے اور حکم جو فیصلہ بھی کر دے اسے بے چون و چرا سب تسلیم کریں، اگر آپ چاہیں تو میں بھی یہ خدمت انجام دے سکتا ہوں۔ ورنہ جسے چاہے حکم بنا لیجئے۔!"

ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔!"

"ہم کشلو خاں کو حکم بناتے ہیں!"

گویا حکم کی حیثیت سے کشلو خاں کا بالاتفاق انتخاب ہو گیا! اس کے بعد کشلو خاں اٹھا، اٹھتے ہی جو تاج اس کے ہاتھ میں تھا اس نے وہ تاج تغلق کے سر پر رکھ دیا۔"

تغلق پیچ و تاب کھا کر رہ گیا!"

مقامِ عبرت

کیسی عجیب جگہ ہے یہ دنیا بھی،!
عجیب بھی، عبرت انگیز بھی اور سبق آموز بھی!

لوگ کتنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں، اور کتنی بے بسی کے ساتھ پردۂ عدم میں پہنچ جاتے ہیں۔ جو ریشم اور کمخواب کے بستر پر آرام فرماتے ہیں، جن کی خدمت کے لئے غلام اور لونڈیوں اور خادموں کا پرا کا پرا موجود ہوتا ہے۔ جن کی بارگاہ میں بے اذن پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا جن کے نام سے در و دیوار کانپتے ہیں۔ جن کے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ لوگوں کی زندگی اور موت کا فیصلہ کر دیتا ہے، جن کے نام سے وقت کے بادشاہ کانپتے اور اصحاب طبل و علم دہلتے ہیں۔ جب پیکر اجل آتا ہے تو اس طرح دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں کہ ـــــ سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے۔

نہ اس کے ساتھ مال و منال جاتا ہے، نہ فوج اور اسلحہ، نہ وہ ریشم اور کمخواب کا بستر نہ غلاموں اور باندیوں کے پرے!"

بس صرف دو گز کفن۔!"

بس صرف دو گز زمین۔!

بس صرف وہ اعمال جو انہوں نے دنیا میں کیے تھے،!

بس صرف وہ کارنامے یا جو انہوں نے دنیا میں انجام دیئے تھے۔!

یہی اعمال اور کارنامے باقی رہ جاتے ہیں انہی پر یا تو نفرت کی جاتی ہے یا رحمت بھیجی جاتی ہے، یا تعریف کی جاتی ہے یا برائی کی جاتی ہے۔

خلجی خاندان کس دبدبہ اور آن بان کا خاندان تھا۔؟

اور اس خاندان میں علاؤ الدین خلجی کیا عالی حوصلہ اور کروفر کا سلطان تھا۔ اور اس کی اولاد میں قطب الدین کتنا پست، کتنا کمزور اور کتنا ناکارہ بادشاہ تھا۔!

رخصت ہو گئے جو اچھے تھے وہ بھی، جو برے تھے وہ بھی،!

جو نامور تھے وہ بھی جو بدنام تھے وہ بھی،!

اور ایک نیا خاندان افق سلطنت پر ابھرا تھا،!

تغلق خاندان!

اب تک یہ ایک معمولی خاندان تھا،!

اس خاندان کے لوگ بھی کوئی خاص اہمیت نہ رکھتے تھے،

یہ حکومت کے کل پرزے کی حیثیت تو رکھتے تھے لیکن حکومت کے بنانے اور بگاڑنے میں ان کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔!

لیکن آج سے ان کی قسمت کا ستارہ بدلا تھا، اب حکومت ان کے قبضہ قدرت میں تھی۔ اب دنیا کی تاریخ میں ان کا ایک خاص مقام بننے والا تھا۔ اب ان کی سعی پیہم اور یا حسن عمل پر، خاندان کی نیک نامی یا بدنامی کا انحصار تھا!

تغلق کو ان سب باتوں کا احساس تھا!

وہ بادشاہ بن جانے کے بعد بھی اتنا ہی خاکسار، اتنا ہی پاکیزہ اخلاق!

اور اتنا ہی مرد مسلمان تھا، جتنا بادشاہ بننے سے پہلے تھا۔

اپنے آقا کا وفادار وہ پہلے سے تھا۔ لیکن اب تو اپنے آقا کے خاندان کی تباہی کے بعد سے اس کا یہ حال تھا۔ جب نام ترا لیجئے، تب اشک بھر آئے!

اپنے آقا کے خاندان کی تباہی پر، اپنے آقا کے لئے اور اس کے درشتار کے لئے وہ خون کے آنسو رویا کرتا تھا،!

لیکن اس جذباتی لگاؤ سے قطع نظر اس نے تخت حکومت پر جلوہ فرماتے ہوتے ہی سارا انتظام اس خوبی سے سنبھال لیا اور حالات اس سرعت کے ساتھ معمولی پر لے آیا کہ گویا کوئی خاص بات ہوئی ہی نہیں تھی گویا خسرو خاں نام کے کسی غدار نے نہ دلی کو لوٹا تھا، نہ دلی والوں پر ستم کے پہاڑ توڑتے تھے، نہ مسجدیں ویران کی تھیں نہ خانقاہیں برباد کی تھیں، سب کام اس طرح چل رہے تھے جیسے کسی طرح کا کوئی خلل واقع ہی نہیں ہوا تھا۔

اس چیز نے اس کی ہر دلعزیزی، مقبولیت، اور محبوبیت میں اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔ تغلق کا نام علامت بن گیا تھا عظمت اور بزرگی کا۔

وہ تمام لوگ چن چن کر نکال دیئے گئے جنہیں نااہلیت کی بنا پر خسرو نے فرش سے عرش پر پہونچا دیا تھا۔ وہ تمام لوگ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان مناصب پر فائز کئے گئے جن کے لئے وہ موزوں اور مناسب تھے۔

اس نے کسی سے انتقام نہیں لیا، کسی کو سزا یا نہیں، کسی کو ہدف جور نہیں بنایا۔ لیکن کسی خطاکار کو معاف بھی نہیں کیا۔

جن لوگوں نے اپنے ملک سے، اپنی قوم سے، اپنے بادشاہ سے غداری کی تھی انہیں عبرت ناک سزائیں دیں، جن لوگوں کا ضمیر خریدنے کے لئے خسرو خاں نے سیم و زر کی تھیلیوں کے منہ کھول دیئے تھے، ان سے ایک ایک پائی وصول کر لی،!

جونا خاں آگیا

خسرو خاں کی تلاش میں گئے ہوئے، جونا خاں اور حسام الدین کو کئی دن ہوگئے تھے، مگر دونوں میں سے اب تک کوئی واپس نہیں آیا تھا، تغلق کو سخت تشویش تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کہیں یہ لوگ کسی خطرے یا مصیبت میں تو گرفتار نہیں ہوگئے؟

ان کی تلاش میں وہ ایک اہم بھیجنے کے مسئلہ پر غور کر ہی رہا تھا کہ دفعۃً جونا خاں اس کا لخت جگر اور نور نظر، شاداں و فرحاں حاضر خدمت ہوا۔!

جونا خاں کو دیکھ کر تغلق پھول کی طرح کھل گیا اس نے کہا۔

"تم کہاں رہے اتنے روز تک؟ — ہم سخت فکر مند اور پریشان تھے۔"

جونا خاں نے دست بستہ عرض کیا۔

"غلام خسرو کی تلاش میں تگ و دو کر رہا تھا!"

تغلق نے کہا "ہاں تم اس لئے گئے تھے اور تمہارا دوست اور ہمارا معتمد حسام الدین بھی اس کام پر روانہ ہوا تھا، تم تو آگئے مگر اس کا اب تک پتہ نہیں ہے۔ خیر تم آگئے ہو تو وہ بھی آجائے گا۔ بتاؤ خبر کیا لائے؟"

جونا خاں نے عرض کیا۔

خسرو خاں کو گرفتار کر لائے ہیں!

تغلق خوش ہوگیا! "کیا کہا؟ — تم خسرو خاں کو گرفتار کر لائے؟"

"جی ہاں، میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں — عجیب اتفاق ہے ہم اسے دور دور نہ جانے کہاں کہاں تلاش کرتے۔ مگر وہ کہیں نہ ملتا تھا نہ مل سکتا تھا؟"

"کہاں ملا؟"

"یہیں دہلی کے پاس کوئی میل بھر کے فاصلے پر ایک باغ میں! وہاں روپوش تھا!"

"جی ہاں بھیس بدل کر وہاں مقیم تھا اور موقع کا منتظر تھا کہ کسی طرح بچ کر بھیم چند کے پاس بھیکم پور چلا جائے!"

"بھیم چند؟ بھیکم پور؟ — ہاں یاد آیا، مگر وہاں جا کر کیا کر لیتا؟ کیا بچ جاتا؟"

"جی ہاں اس کے بعض ساتھیوں کا جو اب تک اس کے ساتھ ہیں یہی خیال تھا۔ ان کے نزدیک بھیکم پور کا قلعہ ناقابل تسخیر ہے!"

— ناقابل تسخیر ہے، لیکن کیا تغلق کے لئے بھی؟

وزیر لب تبسم کے ساتھ ادب کا پہلو لئے ہوئے، جونا خاں کے منہ سے "بھی نہیں!"

یہ سن کر تغلق کو ہنسی آگئی۔ وہ ہنسنے لگا، اس نے کہا۔

"ہاں ہمارا بیٹا ایسا ہی جری اور دلیر ہے! — لیکن تم نے اس سے کچھ باز پرس، کچھ پوچھ گچھ بھی کی؟"

"کی تھی، وہ تو اتنا حواس باختہ ہے کہ بات تک نہیں کی جاتی اس سے!"

"کہاں وہ دم خم کہ دلی کا سلطان بن بیٹھا! کہاں بزدلی کا یہ عالم!"

"بزدل نہ ہوتا خداوند نعمت تو اپنے آقا کو قتل کرنے کی جرأت کیسے کرتا!"

"ٹھیک کہتے ہو — لیکن اسے ہماری خدمت میں کب پیش کرو گے؟"

"جب خداوند نعمت کا ارشاد ہوگا؟"

"کل ہم دربار خاص منعقد کریں گے، اسی موقع پر اسے پیش کر دو، وہیں اس کی قسمت کا آخری فیصلہ کیا جائے گا — کیا تمہیں ہماری رائے سے اتفاق ہے؟"

"خداوند نعمت ایسا ہی ہوگا!"

دربار خاص

دوسرے دن فیروز شاہ نے دربار خاص منعقد کیا۔
خسرو خاں پابجولاں پیش کیا گیا!
اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھیں حلقوں میں دھنس گئی تھیں، چہرہ اترا ہوا تھا۔ رنگ فق تھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا، جی سے بیزار اور زندگی سے مایوس ہے، دہشت اور سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ سارے بدن سے کانپ رہا تھا! جیسے شیر کے سامنے بکری!
تغلق نے قہر و غضب کی ایک نظر خسرو خاں پر ڈالی اور کہا:۔
"تو ہے خسرو خاں ۔؟
وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔
تغلق نے پھر سوال کیا" تو ہے جس نے اپنے آقائے ولی نعمت، اپنے محسن اور مربی قطب الدین علجی کو بغیر کسی خطا اور قصور کے قتل کیا تھا؟
اس سوال کے جواب بھی خسرو خاں کے پاس نہ تھا!
تغلق نے دریافت کیا۔
"تو ہی ہے جس نے یہاں کی مسجدیں ویران کیں، خانقاہیں مسمار کر دیں۔ شریفوں کو ذلیل کیا، رذیلوں کو اوج ثریا پر پہونچا دیا۔ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔؟
خسرو خاں ان سوالوں کا جواب بھی نہ دے سکا۔
تغلق نے پوچھا، کیا تمہیں وہ شخص نہیں ہو جس نے بے گناہ ہندوں کو قتل کیا اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیں۔؟

اس سوال کے جواب میں اس نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر زبان نے یاری نہ دی!
تغلق نے ایک مرتبہ خون آشام نظروں سے اسے گھورا اور کہا۔
"کیا تو نے بڑے بڑے عالموں، فقیہوں، اور مردان صالح کو قتل نہیں کیا!
خسرو خاں کیا جواب دے سکتا تھا۔ اس سوال کا!
آخر میں تغلق نے اس سے پوچھا۔
"اب بتا کیا سلوک کیا جائے تیرے ساتھ!"
اب خسرو خاں کی زبان کھلی اس نے کہا۔
"وہی جو بادشاہوں کے ساتھ کیا جاتا ہے!
غصہ سے تغلق کا چہرہ تمتما اٹھا، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا اور کہا۔
"تو نے ٹھیک کہا ہے، تیرے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو کہ بادشاہوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ۔!"
پھر اس نے ایک درباری سے سوال کیا۔
"اس نے قطب الدین علجی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟"
اس نے جواب میں عرض کیا۔
اس نے قصر ہزار ستون کی چھت پر لے جبری کے عالم میں اس کے سینے میں خنجر بھونکا تھا۔ پھر اس کی لاش چھت سے نیچے پھینک دی تھی!
تغلق نے کہا" بادشاہ بادشاہوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں!
پھر اس نے جونا خاں کی طرف دیکھا اور کہا۔
"اس بادشاہ کو لے جاؤ اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرو جو اس نے ایک بادشاہ کے ساتھ کیا تھا!"

خسرو خاں کا قتل

جونا خاں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی

خسرو خاں کو قصر ہزار ستون کی چھت پر لے گیا اور جب اس کے سینہ میں بھونکنے کے لئے خنجر نکالا تو وہ بزدلوں کی طرح ہاتھ جوڑ کر گڑگڑا کر اور رونے اور دھاڑنے لگا اور جان بخشی کی استدعا کرنے لگا، جونا خاں نے کہا۔

"تم نے اپنے آقا پر رحم نہیں کیا تم کس طرح رحم کی بھیک مانگنے میں حق بجانب ہو سکتے ہو!

"اس نے کہا میں پیاسا ہوں!"

جونا خاں نے کہا۔ تمہیں پانی ملے گا۔ شربت لاؤ بادشاہ سلامت کے لئے!"

فوراً شربت حاضر کیا گیا اور سابق بادشاہ سلامت نے ایک ہی سانس میں سارا گلاس پی لیا۔

جونا خاں نے کہا۔ اگر کوئی حسرت اور ہو تو وہ بھی بیان کر دو۔ بھی پوری

کر دی جائے گی۔"

جونا خاں کی طرف خسرو خاں نے حسرت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا:

"اگر مجھے جان کی امان مل جائے تو میں کسی جنگل میں چلا جاؤں گا اور باقی زندگی یاد خدا میں بسر کر دوں گا۔!

جونا خاں نے جواب میں کہا:۔

"بھائی جنگل میں جانے اور باقی زندگی یاد خدا میں بسر کرنے کی کیا ضرورت ہے، ؟ کیوں نہ تمہیں خدا کے پاس پہونچا دیا جائے؟

خسرو خاں لرز گیا۔ وہ جونا خاں کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔"

"میں بہت بڑا پاپی ہوں، مجھ پر رحم کیجئے!"

جونا خاں نے اسے کھڑا کر دیا اور کہا:۔

"وہ باتیں کیوں کرتے ہو جو بادشاہوں کی شان کے خلاف ہیں کہیں بادشاہ بھی کسی کے پاؤں پر سر رکھتے ہیں۔؟ کہیں بادشاہوں کا یہ دستور ہے کہ وہ دشمنوں سے زندگی کی بھیک مانگیں؟ ایک بادشاہ کو ایک عالی طبع بلند حوصلہ اور خود دار ہونا چاہیئے کہ وہ زندگی سے گزر جائے مگر اپنی عزت پر آنچ نہ آنے دے، تم جب تخت حکومت پر بیٹھے تھے تو اپنے دل سے رحم کا مادہ تم نے نکال کر باہر پھینک دیا تھا۔ اور اب کہ تخت حکومت سے محروم ہو چکے ہو، دوسروں سے رحم کرم کی بھیک مانگتے تمہیں شرم نہیں آتی۔؟ ۔۔۔ نہیں تم پر رحم نہیں کیا جا سکتا۔ تم رحم کے مستحق نہیں ہو۔ تم ضرور قتل کئے جاؤ گے۔ اور پھر قبل اس کے کہ خسرو خاں کچھ کہہ سکے جونا خاں کا خنجر اس کے سینہ کے پار تھا! اور پھر اس کی لاش قصر ہزار ستون کی چھت سے نیچے پھینک دی گئی!"

حسام الدین کی تلاش

تغلق کو بڑی فکر تھی کہ حسام الدین کہاں گیا ہے؟ اسے زمین کھا گئی، یا آسمان نگل گیا اور تغلق سے زیادہ جونا خاں کو اس کی فکر تھی کیونکہ وہ جونا خاں کا گہرا دوست تھا۔ دونوں شروع سے ایک دوسرے کے یار وفادار چلے آرہے تھے، بہت سی خوشگوار یادیں دونوں کے واقعات زندگی سے وابستہ تھیں، جس بہادری اور دلیری سے وہ ہیرا چند کی قید سے نکل کر تغلق کے لشکر میں پہنچا اور پھر جس قابلیت سے اس نے میدانِ جنگ میں اپنی چھوٹی سی فوج کو غیر معمولی جنگی مہارت سے کام لے کر ایک بہت بڑی مسلح اور ہر طرح سے ساز و سامانِ جنگ سے لیس فوج سے لڑایا تھا اور اسے شکستِ فاش دی تھی یہ ایسی چیزیں نہ تھیں جنہیں تغلق فراموش کر سکتا یا جونا خاں بھول سکتا۔

حسام الدین کی تلاش میں فوج کے کئی دستے مختلف اطراف میں روانہ کئے گئے تھے ــــ!

یہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد واپس آئے ــــ لیکن ناکام، سب نے یہی کہا کہ ہم نے آس پاس کا کونہ کونہ اور چپہ چپہ چھان مارا۔ لیکن اس گوہرِ نایاب کا سراغ نہ لگا۔

آخر تغلق اور جونا خاں کو یقین کر لینا پڑا کہ وہ اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ جنہیں لے کر وہ خسرو خاں کی تلاش میں نکلا تھا، کسی حادثہ کا شکار ہو گیا۔ حالات ایسے ہی تھے کہ اس دل دوز سانحہ پر یقین کرنا پڑا، لیکن دل

خون کے آنسو رو رہا تھا، یہ ایسا غم تھا جو زندگی بھر کا تھا، یہ ایسا زخم تھا جو زندگی کی آخری سانس تک مندمل نہیں ہو سکتا تھا ــــ!

خسرو خاں نے اپنے دورِ فرماں روائی میں حسام الدین کی ساری جائداد ضبط کر لی تھی، اس کی حویلی مسمار کر دی تھی اور جو جائداد ضبط کی تھی اسے کوڑیوں کے مول نیلام کرا دیا تھا ــــ!

حسام الدین کو اس کا کوئی غم نہیں تھا، اس نے جب میدانِ جہاد میں قدم رکھا تو یہ سوچ کر رکھا تھا کہ اس سودے میں نفع نہیں نقصان ہے مال و متاع اور املاک و جائداد کیا سر تک کی قربانی دینے کی ضرورت پڑے گی۔

لیکن تغلق نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کے نقصانات کی تلافی کرے گا جو کچھ اس کا گیا تھا اس سے کئی گنا زیادہ اسے عطا کرے گا۔ اور مالا مال کر دے گا اس کو ــــ!

لیکن حسام الدین اس سے انعام نہ لے سکا اس نے اپنی زندگی راہِ وفا میں ہی صرف کر دی ــــ!

ایک روز جب تغلق کشلو خاں اور دوسرے دوستوں سے مصروفِ تکلم تھا۔ کہیں حسام الدین کا ذکر چھڑ گیا، اس کے کارنامے اور اس کی وفاداریوں کی داستان بیان کر کے تغلق ضبط نہ کر سکا۔ رونے لگا ــــ!

قید

قید میں بھی ترے قیدی کو رہی زلف کی یاد
ہاں مگر رنجِ گراں بارئ زنجیر بھی تھا

قلعہ

رادھا اور شیاما بھیم چند کے قلعہ میں ہر طرح سے محفوظ اور عزت کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ گوپال خدمت گزاری کے لئے موجود تھا، کبھی کبھی بھیم چند بھی آجاتا تھا، ذرا دیر بیٹھ کر اخلاق اور یگانگت کی باتیں کر کے رخصت ہو جاتا تھا۔

اب تک اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس سے شیاما کو شبہ ہوتا کہ اس کی نیت بد ہے، یہ خسرو کا قائم مقام بننا چاہتا ہے۔ یہ اس کا طلب گار ہے۔

یہی وجہ تھی کہ نہ رادھا کو اس سے کوئی بدگمانی تھی نہ شیاما کو بلکہ دونوں ایک حد تک اس کی ممنون تھیں کہ اس کی وجہ سے ان ہنگامہ آرائیوں سے محفوظ رہیں جن میں نہ جان سلامت رہتی ہے نہ آبرو ــــ!"

لیکن اس آسائش اور آرام اور اس اطمینان کے باوجود ایک خلش تھی

جو دونوں کے دلوں کو برما رہی تھی۔

رادھا کو ہیرا چند کی فکر کھائے جاتی تھی اور شیاما حسام الدین کی فکر میں گھلی جا رہی تھی۔

فرق یہ تھا کہ رادھا ہیرا چند کے بارے میں اپنی پریشانی اور تشویش کا اظہار کر سکتی تھی اور کرتی تھی۔ لیکن شیاما حسام الدین کا نام بھی زبان پر نہیں لا سکتی تھی ــــ!

رادھا عجب کشمکش میں مبتلا تھی وہ ہیرا چند کی سلامتی کی جویا تھی۔ لیکن نہیں چاہتی تھی کہ حسام الدین کو کوئی گزند پہونچے، شیاما کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھگوان سے گڑگڑا کر دعائیں مانگا کرتی تھی کہ اس جنگ میں خسرو خاں کو شکست ہو۔ لیکن اس کی یہ دعا بھی تھی کہ ہیرا چند کو آنچ نہ آئے۔ وہ صحیح سلامت میدانِ جنگ سے لوٹے، اسی طرح حسام الدین کے لئے اس کا دل تڑپتا رہتا تھا، وہ سوچا کرتی تھی نہ جانے اس کا کیا حال ہوگا۔

جیالا اور بیباک تر، ہستی ہے، میدانِ جنگ میں سب سے پیش پیش ہوگا ــــ کہیں زخمی نہ ہو گیا ہو، کہیں جنگ میں کام نہ آگیا ہو۔؟

اگر ایسا ہوا تو میں کیا کروں گی ــــ؟ کیا خودکشی کے سوا کوئی اور چارۂ کار بھی باقی رہ جائے گا میرے لئے ــــ؟"

بھیم چند کی آمد

گوپال روزانہ رادھا اور شیاما کی خدمت میں بھیم چند کی طرف سے حاضر ہوا کرتا تھا۔ لیکن ادھر کئی دن سے وہ بھی غایب تھا۔!

یہ چیز رادھا اور شیاما دونوں کے لئے تشویش انگیز تھی۔ ان کے دل میں اندیشہ ہائے دور و دراز پیدا ہو رہے تھے۔

ایک روز اس موضوع پر ہی دونوں بہنیں باتیں کر رہی تھیں کہ بھیم چند آگیا، تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا گیا۔

رادھا نے کہا "کیا بات ہے کئی دن سے گوپال نظر نہیں آرہا ہے!"

بھیم چند نے جواب دیا:-

"اسے میں نے ہی بھیجا ہے تاکہ میدانِ جنگ کی خبر لائے۔!"

رادھا نے کہا "جنگ تو بڑے زوروں پر ہو رہی ہوگی۔؟"

بھیم چند نے جواب دیا،

"یقیناً بڑے زوروں کا رن پڑ رہا ہوگا۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ خسروخاں کو شکست ہوگی، وہ مارا جائے گا۔!"

یہ کہہ کر اس نے شیاما کی طرف دیکھا، ظاہر ہے یہ الفاظ شیاما کے لئے مسرت بخش تھے اور یہ کیفیت اس کے چہرے پر نمایاں ہو کر رہی۔

لیکن بھیم چند کے یہ الفاظ رادھا کے لئے سوہانِ روح ثابت ہوئے اس نے اضطراب اور پریشانی کے عالم میں کہا:-

"بھران کا (ہیرا چند کا) کیا ہوگا۔؟"

بھیم چند ہنسنے لگا اس نے کہا:

"ہیرا چند کو کیا گزند پہنچ سکتی ہے؟ وہ کوئی فوجی جرنل تو ہے نہیں۔ نہ سپہ سالارِ افواج ہے، وہ تو صرف خسروخاں کا ساتھی ہے، وہ کیوں قتل ہونے لگا۔!

بات رادھا کی سمجھ میں آگئی، وہ مطمئن ہو گئی اس نے کہا:

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔!"

بھیم چند نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا:-

"ایسا ہی ہوگا۔ لیکن تشویش کی اگر بات ہے تو شیاما دیوی کے لئے۔!"

وہ بولی "اور مجھے کوئی فکر نہیں، میری بلا سے کوئی مرے یا جیئے۔!"

بھیم چند کو دل کی بات زبان پر لانے کا موقع مل گیا، کہنے لگا۔

"ہونی بھی نہیں چاہیئے۔ بھلا آپ کا اور خسروخاں کا کیا جوڑ؟ میرا خیال ہے آپ اسے پسند نہیں کرتیں اور وہ آپ کے شایانِ شان بھی نہیں ہے۔!"

رادھا بولی "لیکن وہ بادشاہ ہے اور تلا ہوا ہے کہ شیاما سے بیاہ کر کے رہے گا۔!"

نخوت اور تکبر کے ساتھ بھیم چند نے کہا:-

"وہ احمق ہے،۔۔۔ اگر بہ فرضِ محال وہ جیت بھی جائے، تغلق کے لشکر کو شکست بھی دے دے تو بھی وہ بھیکم پور کا قلعہ فتح نہیں کر سکتا وہ شیاما پر دسترس نہیں حاصل کر سکتا۔۔۔ سچ پوچھئے تو میں آپ دونوں کو لایا ہی اس لئے ہوں کہ شیاما کو اس کے پنجہ سے چھڑاؤں وہ بھیکم پور کی مہارانی بنے گی۔!"

چلتا بنا ـــ!"

رادھانے پیار بھری نظروں سے شیاما کو دیکھا اور کہنے لگی۔

"بڑی مورکھ ہے، جو میں کہتی ہوں وہ کر ـــ!"

وہ اٹھلاتی ہوئی اور ناز کرتی ہوئی بولی:-

"دیدی! کروں کیا! ایسی باتیں سن کر ضبط نہیں ہوتا کسی طرح ـــ!"

رادھانے کہا ـ "کرنا پڑے گا ـــ!"

وہ کہنے لگی ـ "اچھا مان لیا، اس طرح کی باتیں سنوں گی اور ضبط کروں گی لیکن سوال یہ ہے کہ کب تک ـــ؟"

وہ بولی "جب تک لڑائی ختم نہ ہو جائے ـــ!"

اس نے کہا ـ "اور لڑائی نہ جانے کب ختم ہو ـــ؟"

رادھانے پیار سے اس کے گال پر ایک ہلکا سا تھپڑ لگایا اور کہنے لگی:

اس لڑائی کو جلدی ہی ختم ہونا ہے ـــ!"

جیسے دفعتہً شیاما کو کچھ یاد آگیا ہو، کہنے لگی:-

"اور اگر لڑائی ختم ہونے سے پہلے بھیم چند نے وہی کرنا چاہا جو کہہ گیا ہے۔ تو کیا ہوگا؟" کیا تب بھی ضبط کروں؟ چپ رہوں ـــ؟"

وہ ہنستی ہوئی بولی "تو بڑی مورکھ ہے ـــ!

"اطمینان رکھ جب تک لڑائی ختم نہیں ہو جاتی بھیم چند باتوں کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔ وہ بے وقوف نہیں ہے۔!"

شیاما نے کچھ سوچتے ہوئے رادھا سے کہا:-

"دیدی مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ گوپال بھی بھیم چند سے ملا ہوا ہے، کیا سچ ـــ؟"

رادھانے جواب دیا "ہاں میرا بھی یہی خیال ہے ـــ!"

دونوں میٹھے

بھیم چند تو کہہ کر چلا گیا، لیکن شیاما پر سناٹا طاری ہو گیا اس نے رادھا سے کہا:-

"دیدی تم نے سنا یہ کیا کہہ گیا ہے ـ؟"

وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی:-

"سن لیا ـــ نہ جانے قسمت میں کیا لکھا ہے۔؟ بھگوان کو کیا منظور ہے؟

وہ بولی، "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک مصیبت سے چھٹے دوسری میں گرفتار ہو گئے!"

وہ کہنے لگی "ہاں شیاما بات تو ایسی ہی نظر آتی ہے ـ!"

وہ اور زیادہ آشفتہ اور سراسیمہ ہو کر گویا ہوئی ـــ

"پھر اب کیا ہوگا ـ؟"

رادھانے دل دہی کرتے ہوئے کہا:-

"پگلی گھبرائی کیوں جا رہی ہے۔ بھیم چند اور خسرو خاں جیسے کتنے بھونکتے رہ جائیں گے۔ مگر کچھ نہ کرسکیں گے ـــ ہمارے تو دونوں میٹھے ہیں ـ!"

"وہ کیسے ـــ؟"

"اگر خسرو خاں جیت گیا تو دیکھ لینا وہ (ہیرا چند) کچھ نہ کچھ جتن کر کے حسام الدین کو بچالیں گے اور اس پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے اور موقع محل دیکھ کر تجھے اس کے ساتھ رخصت کر دینگے اور اگر تغلق کی جیت ہوئی تو حسام الدین ہی سب کچھ ہوگا۔ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہیں ہو جاتا کسی نہ کسی طرح گزارا کرنا ہی ہے۔!"

"وہ تو سچ ہے دیدی لیکن ـــ

"نہیں شیاما مصلحتاً تمہیں بھی احتیاط سے کام لینا چاہئیے۔ میں ڈر رہی تھی کہیں بھیم چند کو کچھ سنا نہ دو ـــ!"

"میں تو ایسا آڑے ہاتھوں لیتی کہ یاد کرتا زندگی بھر لیکن وہ تو اپنی سنا کر فوراً ہی

خبرِ بد

کئی دن اور کئی ہفتے ہو گئے مگر نہ گوپال آیا، نہ کوئی خبر معلوم ہوئی، رادھا اور شیاما دونوں بیٹھی اس موضوع پر بات چیت کر رہی تھیں کہ بھیم چند آیا۔ اس نے آتے ہی کہا:۔

"وہی ہوا جو میں نے کہا تھا ——!"

رادھا کا دل دھڑکنے لگا، اس نے پوچھا:۔

"کیا خسرو خاں ہار گیا ——؟"

بھیم چند نے تائید کرتے ہوئے کہا:۔

"ہاں ہار گیا —— اس کی ساری فوج کو تغلق کے سپاہیوں نے کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا ——!"

اب تو رادھا کا دل —— ہونے لگا، اس نے پوچھا:۔

"کچھ ان (ہیرا چند) کے بارے میں بھی معلوم ہوا ——؟"

وہ بے پروائی سے بولا:۔

"ابھی مفصل حالات معلوم نہیں ہوئے ہیں، کمبخت گوپال نہ جانے کہاں مر گیا ہے جا کر، جب تک وہ نہ آجائے پورے حالات کیسے معلوم ہو سکتے ہیں!"

شیاما نے سوال کیا:۔

"تو پھر یہ خبر آپ کو کہاں سے ملی ——؟"

"وہ کہنے لگا یہ خبر میرا ایک خاص مخبر ابھی ابھی لایا ہے اور میں نے مناسب سمجھا کر اطلاع دے دوں ——!"

رادھا چپ بیٹھی رہی، شیاما بھی خاموش ہو گئی، پھر جیسے دفعتہً کوئی اور بات بھیم چند کو یاد آ گئی اس نے کہا:۔

"ہاں اتنا اور معلوم ہوا ہے کہ خسرو خاں نہ مقتولین میں دستیاب ہوا نہ مجروحین میں، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ——!"

شیاما نے پوچھا۔ پھر تو بھیّا (ہیرا چند) بھی انہی کے ساتھ ہونگے۔!"

رادھا کے چہرے پر رونق آ گئی۔ کہنے لگی۔

"ہاں اور کیا وہ ان کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتے ہیں ——!"

شیاما نے براہِ راست بھیم چند سے سوال کیا ——

"پھر خسرو خاں سیدھا یہیں بھیکم پور آئے گا۔ آپ سے بڑھ کر اس کا ہمدرد اس دنیا میں اور کون ہے ——؟"

بھیم چند ہنسنے لگا اس نے کہا:

"میں تمہارے اس دلچسپ سوال کی داد دیتا ہوں —— لیکن شیاما وہ یہاں نہیں آسکتا، اگر آگیا تو میں خود اسے گرفتار کر کے تغلق کے حوالے کر دوں گا!"

رادھا سہم گئی۔ اس نے پوچھا:۔

"ارے یہ کیوں ——؟"

وہ بولا، اب تغلق بادشاہ ہے۔ اب اس دیس کی حکومت پھر مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی ہے وہ بہت بڑا شخص ہے، بہت بڑا سپہ سالار ہے، بہت بڑا فاتح ہے۔ اس کے کمال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مٹھی بھر سپاہیوں کو ساتھ لیکر وہ جنگ کے میدان میں آیا اور کتنی بڑی فوج کو شکست دے دی۔ میں احمق نہیں ہوں کہ اسے دشمن بنالوں، اس سے دشمنی مول لوں ——!"

"رادھا نے پوچھنا چاہا ——،

"اور ـــــ

وہ بولا "میں آپ کا مطلب سمجھ گیا، آپ ہیرا چند کے بارے میں فکرمند ہیں ـــــ ؟"

شیاما بولی "ہاں، وہ ہمارے لئے سب کچھ ہیں ـــــ !"

بھیم چند نے تائید میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں مجھے آپ کے جذبات کا احساس ہے، اور یقین کیجئے ہیرا چند کو بچانے کے لئے میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا" اسے کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا، وہ ہر طرح محفوظ رہے گا ـ !"

رادھا ان باتوں سے مطمئن ہو گئی۔ کہنے لگی ـــــ !

"یہ آپ کا وعدہ ہے ـــــ ؟"

وہ بولا ـ "وعدہ نہیں عہد، قول ـــــ قولِ مرداں جان دارد ـ !"

رادھا اور زیادہ مطمئن ہو گئی، شیاما نے پوچھا ؛

"لیکن خسرو خاں اگر آپ کے پاس آگیا تو آپ اسے دھتکار سکیں گے۔؟"

وہ مسکراتا ہوا گویا ہوا ـــــ !

"کیوں نہیں ـــــ اب میرا اس کا ناتہ کیا، پہلے وہ دہلی کے بادشاہ کا مصاحب اور محبوب تھا۔ پھر خود بادشاہ بن گیا ان دونوں حیثیتوں میں اس کی دوستی میرے لئے مضر نہ تھی، اب وہ ایک غدار ہے، بھگوڑا ہے، بادشاہِ وقت کا مجرم ہے۔ میں اسے پناہ دے کر خود اپنی جان سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا۔ یہ تو خودکشی ہوگی ـــــ !"

پھر کچھ رک کر سوچتے ہوئے کہا۔

"بے شک میرا قلعہ ناقابلِ تسخیر ہے۔ لیکن ـــــ ہندوستان کے مقابلہ میں میرا رجواڑا چھوٹا ہے۔ میں حکومتِ ہند کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر خسرو خاں آیا تو دو ہی باتیں ہوں گی یا تو وہ الٹے پاؤں واپس چلا جائے گا یا پھر میں اسے گرفتار

کرلوں اور تغلق کے پاس بھیج دوں ـــــ ؟"

شیاما کو خسرو خاں سے نہ صرف کوئی محبت نہ تھی بلکہ نفرت تھی۔ لیکن وہ پھر بھی نہ رہ سکی۔

"واقعی حقِ دوستی یہی ہے ـــــ !"

اس طنز کو بھیم چند نے محسوس کر لیا، اس نے کہا :۔

"میری اس کی دوستی تو اسی دن ختم ہو گئی جب میں نے آپ کو دیکھا تھا ـــــ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ ہم دونوں میں سے ایک کو آپ سے دستبردار ہونا پڑے گا ـ اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو نہیں ہو سکتا !"

شیاما کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس کا جی چاہا، ایسی کھری کھری سنائے کہ پھر ایسی باتیں کرنے کا نام نہ لے، لیکن رادھا کی نصیحت یاد آگئی اور رادھا نے آنکھ کے اشارے سے روک بھی کہ کوئی جواب نہ دے۔ اس لئے اور بھی ضبط کر گئی۔ اور اس بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

رادھا اور شیاما کی خاموشی سے بھیم چند کا حوصلہ اور بڑھ گیا اس نے خیال کیا کہ میں کامیاب ہو گیا، اس کو یاد آیا کہ گوپال سے اس نے کہا تھا "شیاما خسرو خاں سے نفرت کرتی ہے، یہی نفرت ہے جس نے اسے حسام الدین کی طرف مائل کر دیا ہے، ورنہ درحقیقت اسے حسام الدین سے نہ محبت ہے۔ نہ ہو سکتی ہے۔ اس نے سوچا آج میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ شیاما کی خاموشی اس بات کا ثبوت ہے، پھر اس نے گفتگو کو زیادہ طول دینا مناسب نہ سمجھا، ذرا دیر کے بعد رخصت ہو گیا ـــــ !

شکست

تھوڑی دیر گزری تھی کہ گوپال آگیا ــــ!

گوپال کو دیکھ کر شیاما اور رادھا دونوں امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں، دونوں کے دل میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے۔! دونوں کو بہت کچھ پوچھنا اور دریافت کرنا تھا، مگر حرفِ مطلب زبان تک لانے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی ــــ!

آخر گوپال نے خود قفلِ خاموشی توڑا اور کہا:۔

"آپ کو حالات تو معلوم ہو ہی چکے ہوں گے ــ؟"

رادھا نے کہا "ہاں اتنا معلوم ہوا ہے کہ خسرو خاں کو شکست ہوگئی ــــ اور وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ــ!"

"فرار ہونے میں وہ کامیاب تو ضرور ہوئے، لیکن ــــ پھر پکڑ بھی لیے گئے ــ!"

"پھر کیا ہوا ــ؟"

"وہی جو ہونا چاہیئے تھا ــ!"

شیاما نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"چبا چبا کے باتیں کیوں کر رہے ہو صاف صاف کیوں نہیں کہتے؟ــ کیا وہ مار ڈالا گیا۔؟"

گوپال نے جواب دیا:۔

"جی ہاں ــــ جونا خاں نے اسے گرفتار کیا اور تغلق کے حکم سے قتل کردیا ــ! اس نے بہت رو رو کے معافی مانگی، گڑگڑایا جان بخشی کی التجا کی، لیکن ایک نہ سنی گئی، ہلاک کردیا ــــ اسی طرح ہلاک کیا گیا جس طرح اس نے قطب الدین خلجی کو ہلاک کیا تھا ــ!"

بے ساختہ شیاما کے منہ سے نکلا

"کایر (بزدل) ــــ وہ اسی قابل تھا کہ اتنی ذلت کے ساتھ قتل کیا جائے ــ!"

گوپال نے تائید کی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے!"

شیاما بولی۔ "جو دوسروں کو قتل کرنے میں شیر تھا۔ جب خود اس کے قتل ہونے کا وقت آیا، تو بزدل ہوگیا ــ!"

"جی اور کیا ــــ دراصل وہ بادشاہ تھا ہی کب، لیکن زبردستی دھوکہ اور فریب سے بادشاہ بن گیا۔ ایک وہ تھا، بزدلوں کا بادشاہ، ایک یہ ہیں ہمارے راجہ صاحب بھیم چند بھیکم پور کے فرماں روا، شیر کے سامنے بھی ان کے پاؤں نہ ڈگمگائیں، موت ان کے سامنے کھڑی ہو، اور یہ اس سے بھی دو دو ہاتھ کرنے پر تیار ہو جائیں ــ!"

اور پھر ایک لمحہ توقف کرنے کے بعد اس نے کہا

"مجھے تو خوشی ہے کہ آپ کو ایک نہایت بدتخص سے نجات ملی، مجھے بڑی خوشی ہے کہ اب آپ ایک ایسے شخص سے جو خاندانی راجہ ہے۔ جو صورت شکل

وضع، قطع، بہادری، شجاعت میں یکتا ہے، جو آپ کی ٹکر کا ہے۔
جو آپ کی قدر کرے گا، آپ کو ——

اس سے زیادہ شیاما نہ سن سکی۔ اس نے کہا:۔

"گوپال تم اپنی حیثیت بھول گئے۔ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو جن کا تمہیں حق نہیں ہے۔ خبردار آئندہ ایسی باتیں نہ کرنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ میرے غصہ کو تم جانتے ہو ——!"

گوپال بھیم چند کا بھیجا ہوا آیا تھا، گوپال سے پہلے بھیم چند نے جو خبر آکر دی تھی۔ وہ کسی مخبر کی لائی ہوئی نہیں تھی، گوپال ہی نے آکر سب کچھ بتایا تھا، لیکن بھیم چند نے مناسب یہ سمجھا کہ پہلے خود جا کر پس منظر بیان کر آئے۔ پھر گوپال کو بھیجے جو واقعات کی تفصیل بتا دے اور اس کے عزائم اور ارادوں کی ترجمانی بھی کر دے ——!

لیکن یہ تدبیر بھی کچھ کامیاب نہیں ہوئی، شیاما نے بری طرح اسے جھڑک دیا، اور اسے مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔

گوپال اور شیاما کی نوک جھونک میں رادھا وہ سوال نہ کر سکی تھی جو اس کے دل میں بار بار اٹھ رہا تھا —— جب شیاما کی جھاڑ کھا کر گوپال خاموش ہوا تو موقع ملا، اس نے کہا۔

"گوپال کچھ ان کی (ہیرا چند کی) بھی خبر نہیں ملی ——؟"

گوپال نے کہا۔ "وہ بہادر آدمی تھے —— !"

رادھا کو اس جواب سے تسکین نہ ہوئی، وہ ذرا الجھتے ہوئے لہجہ میں گویا ہوئی ——

"یہ تو میں تم سے زیادہ جانتی ہوں کہ وہ بہادر تھے، لیکن وہ ہیں کہاں ——؟"

بے ساختہ گوپال کے منہ سے نکل گیا

"سورگ (جنت) میں ——!"

شیاما نے بے تاب ہو کر پوچھا ——!

"گوپال یہ تم کیا کہہ رہے ہو —— ؟ میرے بھیّا ——!"

رادھا کو جیسے سکتہ ہو گیا۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی، وہ بولنا چاہتی تھی، مگر لب جنبش نہیں کرتے تھے، شیاما نے پھر پوچھا:۔

"لیکن ہوا کیا —— کچھ بتاؤ تو سہی ——!"

گوپال نے پھر کہا —— وہ بہادر آدمی تھے، بہادر آدمیوں کی طرح لڑتے لڑتے انہوں نے جان دے دی، انہوں نے پیٹھ نہیں دکھائی —— انہوں نے پیٹھ پر زخم نہیں کھایا —— مجھے معلوم ہوا ہے حسام الدین کو ان کے ہلاک ہونے کا بہت غم ہوا، اس نے تخلیہ کے سامنے ان کی بڑی تعریف کی اور کہا اگر وہ زندہ گرفتار ہو جاتے تو میں انہیں انعام دلواتا، اگر جنگ کے میدان میں میری ان سے مڈبھیڑ ہو جاتی تو میں تلوار میان میں کر لیتا اور لڑنے کے بجائے ان سے معانقہ کرتا۔ انہیں اپنا بھائی بنا کر اپنے ساتھ رکھتا ——!

رادھا اس سے زیادہ نہ سن سکی، اس نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا:۔

"شیاما —— !"

شیاما لپک کر اس کے پاس پہونچی —— رادھا بے ہوش ہو چکی تھی ——!

قیامت گزر گئی

یہ بڑی دل دوز خبر تھی ——!

یہ بڑا دل دوز اور جگر فگار سانحہ تھا ——!

ہیرا چند کی موت ایک قیامت تھی جو رادھا اور شیاما پر گزر گئی —

رادھا بیہوش پڑی رہی، شیاما روتی رہی، بڑی دیر کے بعد رادھا کو ہوش آیا۔ لیکن حواس باختہ، کھوئی کھوئی سی، افسردہ اور دلگیر۔

شیاما بار بار اس کے پاس جاتی اور خود بھی اس کے کندھے پر سر رکھ کر اس کے سینہ سے لگ کر رونے لگتی، وہ اسے تسلی دینا چاہتی، دل دہی کرنا چاہتی، صبر کی تلقین کرنا چاہتی، مگر نہ کر پاتی وہ خود دلدہی کی اور تلقینِ صبر کی محتاج تھی۔

اسے ہیرا چند سے اتنی ہی محبت تھی جتنی ایک لڑکی کو باپ سے ہو سکتی ہے۔ اس غم میں وہ سب کچھ بھول گئی تھی —— حسام الدین تک کو اسے کچھ بھی یاد نہ تھا۔ سوا ہیرا چند کی حسرتناک موت کے —!

رادھا کی زار و زبوں حالت اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی اس کا کھانا پینا چھوٹ گیا تھا، وہ ہر وقت گم صم رہتی، مشکل ہی سے کسی بات کا جواب دیتی

لیکن زمانہ خود بہت بڑا مرہم ہے، رفتہ رفتہ اس کی حالت اصلاح پذیر ہوتی گئی۔ لیکن صرف اس حد تک کہ اس نے ہیرا چند کی موت کو برداشت کر لیا۔

لیکن جہاں تک نشاطِ حیات کا تعلق تھا وہ اس سے ہمیشہ کے لئے چھن چکی تھی۔ اب وہ ایک پیکرِ الم کے سوا کچھ نہ تھی ——!

چپ کیوں؟

ہیرا چند کے حادثہ نے کئی دن تک شیاما کو حسام الدین کے بارے میں سوال کرنے سے روکے رکھا۔

جب رادھا کی حالت ذرا سنبھلی تو ایک روز اس نے گوپال سے جسے وہ بالکل منہ نہ لگانا چاہتی تھی کہا:-

" لیکن تم نے حسام الدین کے بارے میں کچھ نہیں بتایا —— وہ زندہ اور سلامت ہے؟ وہ تو تغلق کے لشکر میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہوگا —؟

گوپال خاموش رہا، اسے خاموش دیکھ کر شیاما پریشان ہو گئی ——

اس نے کہا:-

" چپ کیوں ہو، تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے ——؟"

ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے بتایا:-

" سچ پوچھئے، تو یہ جنگ نہ تغلق نے جیتی ہے، نہ جونا خاں نے نہ کشلو خاں نے، اگرچہ یہ سب بہادری میں یکتا ہیں، بے شک جنگ کی کمان تو تغلق خود کر رہا تھا، بے شک جونا خاں اور کشلو خاں کفن سر سے باندھے، زندگی سے بے پروا، موت سے نڈر لڑ رہے تھے، لیکن حسام الدین کی بات ہی اور تھی، فوج کی کمان تغلق نے اس کے ہاتھ میں دے رکھی تھی، اور یہ اس کا کمال تھا کہ مٹھی بھر سپاہیوں کی مدد سے خسرو خاں کی مور و ملخ کی سی فوج کو آناً فاناً شکست دے دی —— ہم تو سچ کہنے کے عادی ہیں، سچی بات یہی ہے —— لیکن ایک اور عجیب سانحہ پیش آیا ہے ——؟"

شیاما گوپال سے زیادہ بات کر کے اس کا حوصلہ نہیں بڑھانا چاہتی تھی لیکن پوچھنے پر مجبور ہو گئی۔

"وہ سانحہ کیا تھا ——؟"

گوپال نے بتایا :-

"خسرو خاں جب روپوش ہو گیا تو تغلق نے ایک ایک دستہ سپاہ کے ساتھ اس کی تلاش میں اپنے بیٹے جونا خاں اور اپنے سپہ سالار حسام الدین کو روانہ کیا۔

جونا خاں تو دو تین دن کی دوڑ دھوپ کے بعد خسرو خاں کا پتہ چلانے اور اسے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن ——

"لیکن کیا —— ؟"

"لیکن حسام الدین اب تک لاپتہ ہے —!"

"یعنی وہ اب تک واپس نہیں آیا ——؟"

"جی ہاں وہ اب تک واپس نہیں آسکا۔ تغلق نے اس کی تلاش میں چاروں طرف سپاہی، مخبر، جاسوس اور ہرکارے دوڑا رکھے ہیں۔ دم بدم کی خبریں اسے مل رہی ہیں لیکن کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا —— بے چارہ حسام الدین —!"

"ممکن ہے چند روز میں واپس آجائے —!"

"ممکن تو سب کچھ ہے، لیکن تغلق اور جونا خاں۔ نیز لشکر کے دوسرے لوگوں نے تو صبر کر لیا ہے —!"

"صبر کر لیا ہے —؟"

"جی ہاں، سب کا خیال ہے وہ کسی حادثہ کا شکار ہو گیا ہے، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ اب تک اس کا پتہ نہیں چل سکا ——"

پھر ذرا دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔

"ہمارے رحم دل، نیک اور شریف راجہ بھیم چند کو بھی اس بہادر کی موت کا بہت قلق ہے —— خود بہادر ہیں اس لئے بہادروں کے قدرداں

بھی ہیں، وہ تو کہہ رہے تھے، اگر وہ زندہ ہوتا تو ہم اسے یہاں بلاتے اس کی دعوت کرتے، اس سے پیمان دوستی استوار کرتے اور اگر وہ منظور کرتا تو اسے اپنی فوج کا سپہ سالار بنا لیتے —!"

اتنا کچھ سننے کے بعد بھی شیاما کو حسام الدین کے مرنے کا یا کسی حادثہ کا شکار ہو جانے کا یقین نہیں آیا، اس نے کہا۔

"گوپال، حسام الدین مر نہیں سکتا —!"

"وہ بولا" میں بھی یہی کہتا ہوں کہ اسے مرنا نہیں چاہیئے تھا۔ ابھی اس نے دنیا کو دیکھا بھی کیا تھا —!"

"کیا تم میرا ایک کام کرو گے —؟"

"میں تو آپ کا غلام ہوں، مجال ہے کہ آپ کوئی حکم دیں اور میں اس کی تعمیل نہ کروں —!"

"دلی جاؤ اور ایک مرتبہ پھر پتہ لگاؤ۔ معلوم کر کے بتاؤ کہ حسام الدین کا سراغ لگا —— یا نہیں —— میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گی —!"

"ضرور جاؤں گا، کل ہی روانہ ہو جاؤں گا —!"

"کل کیوں؟ آج کیوں نہیں —!"

"اگر آپ کا حکم یہ ہے تو آج روانہ ہو جاؤں گا ——؟"

"لیکن اپنے کسی کام کا بہانہ کر کے جانا، یہ ظاہر نہ ہونے دینا کسی پر کہ میں تمہیں بھیج رہی ہوں —!"

"ایسا ہی ہوگا، بالکل مطمئن رہیئے —!"

شیاما نے اپنے ہاتھ سے سونے کے جڑاؤ کنگن اتارے جن کی مالیت دس ہزار سے ہرگز کم نہ ہوگی، وہ گوپال کو دیتے ہوئے کہا :-

"اس وقت یہ قبول کرو —— لیکن یہ آخری انعام نہیں ہے، اس کے بعد بھی بہت کچھ تمہیں دوں گی، خوش کر دوں گی۔!

بندۂ زر

گوپال بندۂ زر تھا ——!

اسے نہ خسرو خاں سے عقیدت تھی، نہ بھیم چند سے تعلق خاطر، نہ شیاما یا رادھا سے لگاؤ ——!

بے شک خسرو خاں نے اسے نوازا اور زیادہ سے زیادہ مالی منفعت پہنچائی۔ جب تک یہ سلسلہ جاری رہا، وہ دل و جان سے اس کی خدمت کرتا رہا۔

پھر بھیم چند سے مڈبھیڑ ہوئی، بھیم چند اس کا پرانا آقا تھا۔ وہ بھیکم پور ہی کا رہنے والا تھا۔ پردیس میں رہ کر جو عروج اور اقتدار اس نے حاصل کیا تھا۔ اس سے نصف بھی اگر اپنے وطن میں حاصل ہوتا تو قابل ترجیح تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے دامِ فریب میں آگیا۔ اس نے بہت کچھ وعدے کر رکھے تھے۔ اس سے لیکن اب تک ایفا کی نوبت نہیں آئی تھی، اب تک کوئی انعام نہیں ملا اس کے حکم سے، اس کی فرمائش سے وہ بھیس بدل کر اپنی جان خطرے میں ڈال کر دلی پہونچا اور ایک ایک خبر معلوم کر کے حاضر ہوگیا، مگر شاباش اور تحسین و آفرین کے سوا کچھ نہ ملا —— ایک اشرفی بھی نہیں ——!

اور شیاما نے پہلی ہی مرتبہ ایک ذرا سے کام کے لئے اسے دس ہزار کا انعام دے دیا، جس نے ایک معمولی سے کام کے لئے دس ہزار کا تحفہ دیا اس سے

آگے چل کر اور انعام بھی مل سکتے ہیں ——،

پھر اس نے یہ بھی سوچا کہ یہ مسلمان قوم اس دیس سے نکلنے والی نہیں، اس کا ستارۂ بام عروج پر ہے، خسرو خاں کتنی آسانی سے حکومت کا مالک بن بیٹھا تھا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا، مسلمان گئے، مسلمانوں کی حکومت ختم ہوگئی، مسلمانوں کا اقتدار و اختیار کا خاتمہ ہوگیا۔

لیکن ایک گردشِ چرخ نے سب کا خاتمہ کر دیا، خسرو خاں اور ہیرا چند قتل ہوگئے اور ساری فوج کا صفایا ہوگیا مسلمان پھر حکمراں، اب دہلی جاؤ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا، وہی قہقہے، وہی چہچہے، وہی مجلس آرائیاں، وہی مجالس وعظ و وہی شہروں کی رونق، وہی خانقاہوں میں ذکر اذکار۔

یہ قوم مر نہیں سکتی ——!

اس قوم کو نکالا نہیں جا سکتا۔

عافیت اسی میں ہے کہ اس کا ساتھ دیا جائے۔ زندہ رہنا ہے تو مسلمانوں سے مل کر ہی زندہ رہا جا سکتا، ان کا ساتھ دینا ہی پڑے گا۔

یہ بھیم چند جو ایک چھوٹے سے رجواڑے کا مالک ہے اسے اپنے ناقابلِ تسخیر قلعہ پر فخر ہے۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک سیکنڈ بھی نہیں ٹھہر سکتا ——!

آن کی آن میں یہ قلعہ مٹی کا ڈھیر بن جائے گا ——!

اور بھیکم پور میں خاک اڑنے لگے گی،

بھیم چند کا ساتھ دینا خسرو خاں کا ساتھ دینے سے خطرناک ہے ——

لہٰذا تقاضائے عقل اور مصلحت یہی ہے اور مفر بھی اسی میں ہے کہ شیاما کا ساتھ دیا جائے، اس ذریعہ سے حسام الدین کو دوست بنایا جائے اور پھر تعلق کے دربار میں رسائی حاصل کی جائے ——

بہ فرضِ محال اگر حسام الدین کسی حادثہ کا شکار ہو گیا ہے تو بھی شیاما اب یہاں نہیں رہ سکتی، وہ جس طرح خسرو خاں سے نفرت کرتی تھی اسی طرح

بھیم چند سے بھی کرتی ہے، وہ مسلمانوں ہی کے پاس جائے گی اور وہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے، حسام الدین کی محبوبہ کو تغلق سر پہ بٹھائے گا۔ اس کے اعزاز و احترام میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا، اسے جاگیر دیگا، دولت دے گا۔!

پھر کیوں نہ اس کا ساتھ آنکھ بند کرکے دیا جائے ——!

کنگن پانے کے بعد گوپال بالکل بدل گیا۔

اس نے اپنی پالیسی تبدیل کرلی اور وہ صدق دل سے شیاما کا وفادار بن گیا ——!

شیاما کے پاس سے جب وہ بھیم چند کے پاس پہنچا اور اس نے پوچھا،

"کیا کر آئے؟" —— کچھ دال گلتی نظر آتی ہے ——؟"

تو اس نے جواب دیا:۔

"ضرور گلے گی، لیکن مدھم آنچ میں، ذرا صبر کیجئے ——!

گوپال

دوسرے روز گوپال پھر، شیاما کی خدمت میں حسبِ معمول حاضر ہوا۔

شیاما نے پوچھا۔

"گوپال تم دہلی گئے نہیں؟ —— کب ارادہ ہے جانے کا ——؟"

وہ کہنے لگا۔" ابھی وہاں جانا خلافِ مصلحت ہے، مجھے ڈر ہے راجہ صاحب (بھیم چند) کھٹک جائیں گے، چند دن گزر جانے دیجئے۔ پھر چلا جاؤں گا ——!"

شیاما خاموش ہوگئی، گوپال بھی کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

" —— ایک بات کہنا چاہتا ہوں ——!"

شیاما نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا:۔

"مجھ سے کوئی بات کہنا چاہتے ہو ——؟ کہو کیا بات ہے؟"

"میں آپ کی ہر خدمت بجا لاؤں گا، لیکن ایک شرط ہے ——"

شیاما کو اور زیادہ حیرت ہوئی —— اس نے کہا۔

"شرط کیسی ——؟"

"وہ بولا ——" مجھ سے اپنا دل صاف کرلیجئے ——!"

وہ کہنے لگی ——" آج تو تم کچھ عجیب سی باتیں کر رہے ہو ——؟"

وہ بولا "میں چاہتا ہوں آج آپ سے بہت صاف صاف باتیں کر لوں —!"

سراپا استعجاب و حیرت بن کر ایک دفعہ شیاما نے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

"آخر وہ کس قسم کی باتیں ہیں —؟"

گوپال نے جواب دیا۔

"آپ جانتی ہیں کہ میں خسرو خاں کا آلۂ کار تھا —؟"

"ہاں جانتی ہوں —!"

"آپ جانتی ہیں اس کے لئے میں نے کام کیا اور کوشش کی کہ وہ آپ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے —؟"

"ہاں جانتی ہوں —!"

"آپ کو شاید معلوم نہیں، لیکن میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بھیم چند نے جب آپ کو حاصل کرنے کا دہلی میں فیصلہ کیا تو وہ میں ہی تھا جس نے اس کی تائید کی، میرے ہی مشورے سے وہ آپ کو یہاں لے آیا اور یہ فیصلہ کر کے لایا کہ کچھ عرصہ کے بعد جبراً یا رضامندی سے آپ کو حاصل کر لے گا —!"

"یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی —!"

"میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے بھیم چند سے وعدہ کر لیا تھا کہ ہر قیمت پر وہ آپ کو میری مدد سے حاصل کرے گا —!"

"لیکن تمہیں کیا حق تھا ایسے فیصلے کرنے کا؟ — جب کہ تم اچھی طرح جانتے تھے کہ میں خسرو خاں سے بھی نفرت کرتی تھی اور بھیم چند سے بھی، عورت زندگی میں بار بار محبت نہیں کرتی، ایک ہی دفعہ کرتی ہے۔ چاہے اس میں کامیاب ہو یا ناکام —!"

"ہاں، یہ میں جانتا ہوں! — اور واقعی یہ مجھے حق نہ تھا کہ آپ کی

مرضی کے خلاف آپ کو کسی کے حوالے کرنے کی کوشش کرتا، لیکن میں نے ابھی کہا ہے کہ صاف صاف گفتگو کروں گا، لہٰذا پوری صفائی سے کہہ دینا چاہتا ہوں یہ میری خود غرضی تھی —!"

"تم اسے مانتے ہو —؟"

"مانتا ہوں —!"

"لیکن اس کا سبب؟ اس خود غرضی نے تمہیں میری زندگی سے کھیلنے کی اجازت کیسے دی —؟"

"خود غرضی کا کام ہی یہ ہے — مجھے خسرو خاں کی دولت نے، انعام و اکرام کی بارش نے اندھا کر دیا تھا، بھیم چند کے خوش آئند وعدوں نے میری آنکھ پر پٹی باندھ دی تھی —!"

"لیکن اب وہ پٹی اتر گئی —؟"

"جی ہاں سچے دل سے کہتا ہوں اتر گئی —!"

"لیکن کیسے —؟ — کیونکر —؟"

"میں نے سوچا میں روپیہ کا لوبھی ہوں وہ آپ سے مل سکتا ہے۔ بلکہ مل بھی گیا، آپ نے ایک ہی وقت میں ایک چھوٹے سے اور معمولی کام کے لئے مجھے دس ہزار کی چیز دے دی — اتنی بڑی رقم کی چیز، اتنا بڑا انعام آج تک نہ مجھے خسرو خاں سے ملا نہ بھیم چند سے، — اور مل بھی نہیں سکتا!"

"وہ بادشاہ تھا سب کچھ دے سکتا تھا، یہ راجہ ہے، اسے کیا کمی؟ یہ بھی جو چاہے دیدے، میں تو مصیبت میں گھری ہوئی عورت ہوں، میں ان لوگوں کے مقابلہ میں کیا کر سکتی ہوں —؟"

"یہ نہ کہئے — آپ نے یہ دس ہزار روپے کی مالیت کا کنگن دے کر ثابت کر دیا کہ آپ کا دل کتنا بڑا ہے۔ جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ سب آپ نے دے دیا، یہ کام کوئی ایسا ہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل بہت بڑا ہو —!"

کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا ــــ!"

"گوپال اگر تم نے ایسا کیا تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گی ــــ!"

"تو مجھے یقین دلائیے کہ اب آپ کا دل میری طرف سے صاف ہے یا"

"میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، یقین کرو، اب میں تم پر بھروسہ کرتی ہوں، میرا دل تم سے صاف ہے ــــ!"

وعدہ کیجئے کہ میرے مشوروں پر عمل کریں گی، خواہ بظاہر آپ کو وہ مناسب نظر نہ آئیں ــــ!

"یہ وعدہ نہیں کروں گی ــــ!"

"اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کا دل اب تک مجھ سے صاف نہیں ہے آپ مجھ پر بھروسہ نہیں کرتیں۔ میں جو کچھ کروں گا، اس کا مقصد یہ ہوگا کہ آپ کو یہاں سے نکال لے جاؤں اور مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا دوں، حسام الدین کی تلاش برابر جاری رہے گی۔ اس سلسلہ میں مجھے آپ سے کئی باتیں ایسی کرنا پڑیں گی جو بظاہر نامناسب ہوں گی، لیکن بھیم چند انہی سے رام ہوگا۔!"

شیاما کچھ سوچتی رہی، پھر بولی :-

"اچھا ــــ!"

گوپال نے وہ کنگن نکالے اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا :-

"یہ قبول کر لیجئے ــــ جب وقت آئے گا مانگ کو انعام لے لوں گا، لیکن انعام کو رشوت نہیں بناؤں گا ــــ!

"اچھا آ گئے ــــ!"

"مجھے یہ یقین بھی ہو گیا کہ آپ کو حسام الدین سے سچی محبت ہے، بے شک مجھے اس کا دکھ ہے کہ آپ نے ایک مسلمان سے محبت کی، لیکن ایک تو وہ مسلمان، ہر اعتبار سے بہتر اور برتر انسان ہے، دوسرے محبت کی نہیں جاتی۔ ہو جاتی ہے۔ وہ مذہب کو نہیں دیکھتی، قوم کو نہیں دیکھتی، ذات کو نہیں دیکھتی ــــ!"

"آج تو تم بڑی دلچسپ باتیں کر رہے ہو ــــ؟"

"سنتی جائیے ــــ آپ کی اس سچی محبت نے مجھ پر اثر کیا ہے، میرا خیال ہے آپ کی محبت کے راستے میں روڑے اٹکانا پاپ ہے ــــ!"

"سچ کہتے ہو گوپال ــــ؟"

"جی بالکل سچ ــــ میں نے یہ اندازہ بھی کر لیا کہ خسرو خاں کو آپ سے سچی محبت تھی۔ نہ بھیم چند کو ہے ــــ؟"

"یہ اندازہ تم نے کیسے کیا ــــ؟"

"آپ سے دعوائے محبت کرنے کے باوجود خسرو خاں بھی عیاشیاں کرتا رہا، اور بھیم چند بھی کر رہا ہے، یہ دونوں صرف کھلونے کے طور پر کچھ دنوں آپ کو استعمال کرتے اور دوسری کی فکر کرتے۔ لیکن آپ کا دل پاک ہے، نگاہ پاک ہے۔ اسی طرح حسام الدین کو بھی میں جانتا ہوں، وہ بھی ایسا ہی ہے۔"

"اس سے بہتر ــــ گوپال تم نہیں جانتے وہ شخص کتنا اچھا اور کتنا اونچا انسان ہے ــــ!"

"نہیں جانتا تھا، مگر آپ نے بتا دیا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو آپ جیسی ہٹیلی لڑکی اس سے اتنی بے پناہ محبت نہ کرتی ــــ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب سچے دل سے آپ کی خدمت کروں گا، حسام الدین یقیناً زندہ ہے، لیکن کسی آفت میں پھنس گیا ہے۔ ہر قیمت پر میں اسے تلاش کروں گا اور تلاش

شامِ غم

اہلِ دنیا ہیں فقط عورت شناسِ روزِ عیش
شامِ غم کی تیرگی میں کون کس کا آشنا؟

دل ٹھہر گیا

گوپال کی ان باتوں سے شیاما کا ڈولتا ہوا دل ٹھہر گیا۔

بھیکم پور میں وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا اور بے یار و مددگار محسوس کر رہی تھی، ہیرا چند قتل ہو چکا تھا، دلّی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا، اس کے خاندان کا کیا حشر ہوا کچھ نہیں معلوم، باپ زندہ ہے یا مر گیا یہ بھی نہیں معلوم رادھا ہیرا چند کے غم میں جان دے رہی تھی اور خود شیاما کا یہ حال تھا کہ ؎

غمِ صیّاد و خوفِ باغباں ہے
دو عملے میں ہمارا آشیاں ہے

ایک طرف حسام الدین کی گم شدگی، دوسری طرف بھیم چند کی حریصانہ اور ہوس پرستانہ نگاہیں حسام الدین کو تلاش کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ اور بھیم چند سے گلو خلاصی حاصل کرنا بھی اس کے بس سے باہر تھا۔

کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کس سے فریاد کرے؟ نہ کوئی ہمدرد تھا، نہ غمگسار، نہ دوست، نہ ہمدم، اب اتنے دنوں کے بعد مایوسی کی تاریکی میں امید کی کرن پھوٹی تھی یعنی گوپال ایک نئے روپ میں جلوہ گر ہوا تھا۔

لیکن گوپال بھی کیا تھا ـــــ اس کا بھیم چند پر کیا زور چل سکتا تھا؟ سوا اس کے کہ وہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر آنسو بہائے اور اس کے بس میں کیا تھا؟

"کچھ نہیں ـــــ!"

بہر حال تین چار روز کے بعد گوپال حسام الدین کی تلاش میں روانہ ہوا۔ اس کے روانہ ہونے کے دوسرے روز کا واقعہ ہے کہ اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے شیاما کا دل گھبرایا۔ وہ باہر نکلی، سامنے خانہ باغ تھا وہاں ٹہلتی ہوئی چلی گئی اور ایک روش پر جا کر بیٹھ گئی۔ سامنے گلاب کا درخت تھا، ایک پھول توڑا اور اسے ہاتھ میں لیکر سونگھنے لگی۔

اتنے میں کچھ آہٹ سی ہوئی، نظر اٹھا کر دیکھا تو بھیم چند سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا، اسے دیکھ کر شیاما بیٹھی نہ رہ سکی۔ کھڑی ہو گئی، بھیم چند نے کہا:-

"یہ تکلف کیوں ـــ؟ کھڑی کیوں ہو گئیں ـــ؟"

وہ بولی "حد ادب بھی تو کوئی چیز ہے، آپ راجہ ہیں میں پرجا، آپ کھڑے رہیں اور میں بیٹھی رہوں، اس سے بڑھ کر بیہودگی کیا ہو سکتی ہے ـــ!"

اسی روش پر بھیم چند بھی بیٹھ گیا اس نے کہا:-

"ہم بیٹھ گئے۔ اب تم بھی بیٹھ جاؤ ـــ ذرا باتیں کریں گے ـــ!"

وہ انکار نہ کر سکی بیٹھ گئی ـــ!

بھیم چند نے گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا:-

"ہمارے راستہ کا سب سے بڑا کانٹا خسرو خاں ہٹ گیا، حسام الدین کی کوئی ہستی ہی نہ تھی، زندہ ہوتا تو بھی کیفر کردار کو ہمارے ہاتھوں پہنچ چکا ہوتا۔ لیکن خوش قسمتی سے وہ بھی مر چکا ہے، ہمارے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ ہماری زندگی اس رشتہ سے منسلک ہو جائے جو پھر کبھی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے ـــ!"

ذرا دیر خاموش رہ کر شیاما کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے کہا:-

"شیاما ہم نے جس دن پہلی مرتبہ تمہیں دیکھا تھا تمہارے عشق میں مبتلا ہو گئے تھے، ہمارا خیال ہے تم بھی ہماری محبت کی قدر کرو گی، ہماری محبت کا جواب محبت سے دو گی ــــ ؟"

شاید بھیم چند ابھی کچھ اور بھی کہتا لیکن شیاما کے لئے اس سے زیادہ سننا ناممکن ہو گیا۔ رادھا کی نصیحتیں اور گوپال کی ہدایتیں سب رائیگاں گئیں، یہ باتیں ایسی نہ تھیں جنہیں وہ صبر و سکون سے سن سکتی یا جس کے جواب میں خاموش رہ سکتی، یہ ایسا خنجر تھا جس کا وار برداشت کرنا اس کے لئے ناممکن ہو گیا ــــ اس نے کہا:-

"جب سے یہاں آئی ہوں، آپ کی آنکھیں دیکھ رہی ہوں، آپ کی باتیں سن رہی ہوں، آپ کا سبھاؤ دیکھ رہی ہوں، آپ حد سے اتنے بڑھ چکے ہیں کہ میں سمجھتی ہوں مجھے آج آپ سے صاف صاف گفتگو کر لینی چاہیئے۔"

شیاما کا یہ طرزِ گفتگو بھیم چند کے لئے نیا بھی تھا اور انوکھا بھی، وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا اس نے کہا:-

"تم کیا کہنا چاہتی ہو ــــ ؟"

وہ بولی "میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ بے شک خسرو خاں کانٹا تھا آپ کے راستہ کا بھی اور میرے راستہ کا بھی ــــ !"

"یہی تو میں نے بھی کہا تھا ــــ !"

"ہاں ــــ لیکن اس کے آگے جو کچھ کہا تھا، وہ جھوٹ تھا۔!"

"جھوٹ تھا ــــ ؟"

"جی ہاں ــــ اگر حسام الدین زندہ ہوتا تو آپ اسے کیفر کردار کو پہونچا دیتے ــــ ؟"

"بے شک، ــــ کچھ شبہ ہے تمہیں ــــ ؟"

"یہ آپ کی خود فریبی ہے ــــ حسام الدین کے سامنے آپ تو آپ

آپ کے اچھے بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ وہ بہادر تھے، آپ بزدل ہیں، وہ جیالا تھا، آپ کایر ہیں، وہ پہاڑ سے ٹکرا سکتا تھا، آپ تو دیوار سے بھی اپنا سر پھوڑ سکنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ وہ موت کا مسکراتا ہوا انتظار کرتا تھا آپ موت کے نام سے لرزتے ہیں۔ خاک کا ذرہ چلا ہے سورج کا مقابلہ کرنے، اپنے ناپاک منہ کو دیکھئے اور اس کے مقدس نام کو دیکھئے۔"

شیاما کی یہ زوردار تقریر سن کر بھیم چند مبہوت ہو گیا۔ یہ عورت اس مسلمان کے بارے میں اتنے اونچے خیالات رکھتی ہے۔ اس کا اس نے کبھی تصور ہی نہیں کیا تھا، اس کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی۔ وہ ایک بت کی طرح خاموش بیٹھا تھا اور شیاما کہہ رہی تھی،

"آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حسام الدین کسی حادثہ کا شکار ہو گیا وہ مر گیا، میرا دل کہتا ہے یہ بات غلط ہے۔ وہ زندہ ہے، وہ آئے گا اور مجھے لے جائے گا، آپ ہرگز نہ روک سکیں گے اور اگر آپ نے روکنے کی کوشش کی تو بھیکم پور کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ آپ کا یہ ناقابلِ تسخیر قلعہ جس پر آپ کو فخر اور ناز ہے۔ مٹی کے گھروندے سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہو گا! آپ کیفر کردار کو پہنچیں گے، اور آپ کی بڑی حویلی کا پتھر بھی نہیں چلے گا۔!"

غصے کے مارے بھیم چند لرز رہا تھا، لیکن تابِ گویائی مفقود تھی۔

شیاما نے حقارت سے ایک مرتبہ پھر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگی:-

"فرض کر لیجئے حسام الدین مر گیا تو بھی آپ یہ توقع کیوں کرتے ہیں کہ میں آپ کی رفیقۂ حیات بن جاؤں گی! ــــ کیا اس کی یاد میں زندگی نہیں گزار سکتی۔؟ کیا میری زندگی صرف اس کی یاد نہیں ہے ــــ !"

بھیم چند پر جنون کی کیفیت طاری تھی۔ دفعتہً طیش سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا تھا، لیکن شیاما پر نہ جانے کیا کیفیت طاری تھی، ایک بار پھر اس نے نفرت بھری

نظر اس پر ڈالی اور کہنے لگی۔

"آپ یہ سمجھتے ہیں یہاں میرا کوئی نہیں ہے یہ شہر آپ کا ہے، یہ قلعہ آپ کا ہے، آپ کے پاس پولیس ہے، فوج ہے، تلوار ہے، سنگین ہے — خنجر ہے، بھالا ہے، آپ جسے چاہیں قتل کر دیں، جیل میں بھیج دیں، طرح طرح کی اذیتیں دے کر ہلاک کر دیں —— ہاں یہ آپ کر سکتے ہیں، میری جان حاضر ہے جب چاہے لے لیجئے"!

یہ کہا اور بادِ سموم کی طرح آئی چلی گئی —!

ایک عورت کا چیلنج

شیاما کے جانے کے بعد بڑی دیر تک بھیم چند گم صم وہیں بیٹھا رہا۔ اس نے امید کا قلعہ بنایا تھا وہ آن کی آن میں دھڑام سے زمین پر آ رہا"!

وہ ہر قیمت پر شیاما کو حاصل کرنے کا تہیہ کر چکا تھا، لیکن شیاما نے اسے اس طرح جھنجوڑا کہ وہ سر سے پاؤں تک ہل گیا۔

لیکن وہ ہار ماننے والا آدمی نہیں تھا ——!

زندگی میں آج تک وہ شکست سے دوچار نہیں ہوا تھا!

آج تک کسی مقصد، کسی ارادے اور کسی فیصلے میں اسے ناکامی سے سابقہ نہیں پڑا تھا —!

اپنی اس چھوٹی سی دنیا — بھیکم پور میں وہ خدائی کر رہا تھا، اور آج اس ساری زندگی میں پہلی مرتبہ اس کی خدائی کو ایک عورت نے، ایک کمزور بے سہارا و بے بس عورت نے چیلنج کیا تھا۔!

اور اس نے یہ چیلنج قبول کر لیا تھا —!

وہ خانہ باغ سے اٹھ کر سیدھا اپنے کوشک میں پہنچا، وہاں جا کر

اپنی مسندِ کبریائی پر متمکن ہوا۔ خدام ادب ہاتھ باندھے کھڑے تھے، وزراء اور امراء صف بستہ حاضر تھے، حکامِ فوج اور سالارانِ لشکر ایک اشارۂ چشم کے منتظر تھے۔ غلاموں کا پورا پرا حاضر تھا، ان کی کمر میں خنجر لٹک رہے تھے کہ جن سے جس کے لئے حکم ہو اس کا حلقوم کاٹ دیں —!

بھیم چند کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی ——!

اپنے آقائے ولی نعمت کو اس حالت میں انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس حالت میں اسے دیکھ کر وہ بید لرزاں کی طرح کانپنے لگے۔!

آج مزاجِ عالی کیوں برہم ہے؟

آج ضرور کسی کی شامت آئے گی —!

دیکھنا چاہیئے کس کا سر قلم ہوتا ہے؟ کس کی شامت آتی ہے؟ کون حوالۂ زنداں ہوتا ہے —؟

ہر شخص کے ذہن میں یہی خیال گردش کر رہا تھا —!

ہر شخص اس وحشت سے آشفتہ اور پریشان نظر آ رہا تھا —!

دفعتہً ایوانِ معلیٰ میں راجہ بھیم چند کی آواز بادل کی طرح گونجی —

تخلیہ —!

دفعتہً سب لوگ رخصت ہو گئے۔ ایک لمحہ کے اندر سارا مجمع چھٹ گیا —!

ان سب کے رخصت ہونے کے بعد بھیم چند نے تالی بجائی۔

فوراً ایک گوشہ سے دو غلام برآمد ہوئے۔

بھیم چند نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"جاؤ رادھا دیوی کو بلا لاؤ —! فوراً ابھی اپنے ساتھ —!"

ان دونوں نے ادب سے سر جھکایا اور تھوڑی دیر میں رادھا کو لیکر حاضر ہو گئے ——!

رادھا کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ بھیم چند میں اور شیاما میں ابھی ذرا دیر

پہلے کیا باتیں ہو چکی ہیں۔!

جب سے ہیرا چند کے قتل کی خبر اس نے سنی تھی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی تھی۔ ہر وقت منہ ڈھانکے پڑی رہتی اور رویا کرتی، ہیرا چند نے اس دنیا سے رخصت ہو کر اسے ہر چیز سے بے پروا کر دیا تھا۔ اب اس کی زندگی کا مقصد صرف ایک ہی رہ گیا تھا، اس مرنے والے کو یاد کرنا اور خون کے آنسو بہانا۔

کتنا چاہتی تھی وہ شیاما کو، لیکن اب وہ اس سے بھی بے پروا رہنے لگی تھی البتہ شیاما کا جہاں تک تعلق تھا وہ اس کی ہر چیز کا خیال رکھتی اور اسے بہلانے کی کوشش کرتی رہتی۔ بھیم چند کی طرف سے اس وقت طلب جو ہوئی تو سوچنے لگی کیا بات ہے؟ مگر سمجھ میں کچھ نہ آیا، لیکن انکار بھی نہ کر سکتی تھی چلی آئی

شادی

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی ——!

نہ رادھا نے گفتگو کا آغاز کیا نہ بھیم چند نے ——!

لیکن یہ کیفیت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی بھیم چند نے کہا:

"جانتی ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے ——؟"

رادھا کے لئے یہ لب و لہجہ بالکل نیا تھا، اس نے حیرت سے اسے دیکھا اور کہا:

"میں نہیں جانتی —— بتایئے ——!"

بھیم چند نے کہا۔" میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ شیاما سے میری شادی ہو جانی چاہیئے ——!"

وہ بے پروائی اور بے دلی سے بولی:

"شیاما سے پوچھ لوں تو کچھ کہہ سکوں گی ——!"

بھیم چند نے تیوری پر بل ڈال کر کہا:۔

"شیاما سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ——؟"

وہ بولی "آپ شادی اس سے ہی تو کرنا چاہتے ہیں ——؟"

وہ کہنے لگا "کیا میری خواہش بھی رد کی جا سکتی ہے؟"

وہ بولی:۔" شادی تو خوشی کا سودا ہے۔ اسی وقت ہو سکتی ہے جب دونوں راضی ہوں ——!"

وہ جھنجھلا گیا، اس نے کہا:۔

"میں بات کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا —— میرا فیصلہ ہے کہ شادی ہو گی اور ضرور ہو گی ——!"

"کیا زبردستی ——؟"

"ہاں، اگر ضرورت پیش آئی تو مجھے زبردستی کرنے میں بھی تامل نہیں ہوگا!"

"لیکن یہ تو ظلم ہوگا ــــ!"

"بادشاہوں کا ظلم بھی رحم ہوتا ہے ــــ!

"لیکن آپ تو اسے بہن بنا کر اپنے ساتھ لائے تھے، وہ آپ کی رعایا تو نہیں ہے ــــ!"

"اس شہر اور اس قلعہ میں جو رہتا ہے چاہے وہ آدمی ہو یا حیوان، درندہ ہو یا پرندہ، میری رعایا ہے اسے میری مرضی پر چلنا پڑے گا۔ وہ میرے حکم سے سرتابی بھی نہیں کر سکتا۔ جو میرے منہ سے نکل جائے وہ اس کے لئے حرفِ آخر ہے ــــ!"

"دہلی میں تو آپ کا یہ روپ نہ تھا ــــ!"

"جس طرح آدمی بدلتا رہتا ہے اس کے روپ بھی بدلتے رہتے ہیں۔ جس طرح آدمی کے خیالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اسی طرح اس کے روپ میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں ــــ!"

"یہ بات تو پہلی مرتبہ میں سن رہی ہوں ــــ ورنہ میرا خیال تو یہ تھا کہ آدمی کا روپ ایک ہی ہوتا ہے ــــ!"

"اور وہ روپ کیا تھا ــــ؟"

"وہاں آپ ہمارے ہمدرد تھے، خیر خواہ تھے، ہمیں اس لئے ساتھ لائے تھے کہ دشمن سے ہماری حفاظت کریں ہماری جان اور آبرو کو بچائیں ــــ!"

"مگر اب ــــ؟"

"مگر اب میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ خود ہی ہماری جان اور آبرو کے گاہک ہو رہے ہیں ــــ!"

"کیا شادی کرنا جان اور آبرو کا گاہک ہونا ہے ــــ؟"

"میں پھر کہوں گی کہ شادی رضامندی سے ہوتی ہے ــــ!"

"بے رضامندی کے بھی ہو سکتی ہے ــــ اور شادی ہوگی اور ہو کر رہے گی!"

"بہرحال آپ کی اس بات کا جواب میں نہیں دے سکتی، آپ نے میرا غلط انتخاب کیا ہے ــــ!"

"کیا مطلب!"

"شادی آپ کو شیاما سے کرنا ہے۔ دھمکیاں مجھے دے رہے ہیں ــــ!"

"کیا تم اس کی بڑی بہن نہیں ہو؟ کیا تم اس کی سرپرست نہیں ہو ــــ؟ کیا تمہارے کہنے کو وہ ٹال سکتی ہے؟ کیا تمہارے حکم سے وہ سرتابی کر سکتی ہے ــــ؟"

"وہ ایسے مزاج اور طبیعت کی مالک ہے کہ سب کچھ کر سکتی ہے ــــ!"

"لیکن میرے مقابلہ میں نہیں ــــ میں بھیم چند ہوں ــــ!"

"وہ بھی شیاما ہے ــــ!"

"لیکن بھیم چند کے سامنے اس کی ایک نہیں چل سکتی ــــ؟"

"میں پھر کہتی ہوں اس گفتگو کے لئے آپ نے میرا بالکل غلط انتخاب کیا ہے!"

"آخر تم کیا کہنا چاہتی ہو ــــ؟"

"شیاما کو بلائیے، اس سے باتیں کیجئے ــــ!"

"یہ کام میں کر چکا ہوں ــــ!"

"پھر اس نے کیا جواب دیا آپ کو ــــ؟"

"انکار ــــ نہایت بدتمیزی اور بیہودگی کے ساتھ، وہ اگر شیاما نہ ہوتی کوئی اور عورت ہوتی تو اب تک اس کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا ــــ!"

"مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے اس سے کیا گفتگو کی ہے ــــ؟ اس نے کیا کہا اور آپ نے کیا فرمایا ــــ؟"

"یہ جاننے کی ضرورت بھی نہیں، صرف اتنا معلوم کر لینا کافی ہے کہ میں نے اسے یہ عزت دینا چاہی کہ وہ میری بیوی بن جائے، بھیکم پور کی رانی بن جائے، میرے دل کی مالک بن جائے، میرے اقلیم قلب کی ملکہ بن جائے۔ لیکن اس نے نہایت ترش اور تلخ الفاظ میں انکار کر دیا ــــ!"

"اس کے بعد بھی آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر میاں بیوی میں محبت نہ ہو تو ایسی شادی سے کیا فائدہ ــــ؟!

"میں فائدہ اور نقصان کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا مجھے تو شیاما چاہیئے۔"

"زبردستی ــــ؟ جبراً ــــ؟"

"اگر خوشی سے وہ راضی ہو جائے تو میں اسے اپنی دوسری رانیوں سے اونچا درجہ دوں گا۔ اگر خوشی سے راضی نہ ہوئی تو دوسری رانیوں کے مقابلہ میں اس کا رتبہ پست ہوگا۔ لیکن بہر حال اسے میری راج محل میں میری بیوی بن کر رہنا پڑے گا ــــ!"

"مانتی ہوں آپ میں اتنی طاقت ہے، آپ زبردستی سب کچھ کر سکتے ہیں، لیکن کیا آپ بھگوان سے نہیں ڈرتے ــــ؟"

"بھگوان؟ ــــ جو بات میرے دل میں آتی ہے، وہی بھگوان کی مرضی ہوتی ہے!"

"ہوتی ہوگی ــــ!"

"اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ میری ہر آرزو، ہر تمنا پوری ہو جایا کرتی۔ ــــ رادھا دیوی، میں نے جو جو چاہا وہ وہ پایا۔ جو میری مرضی ہوئی وہ پوری ہوئی ــــ یہی بات شیاما کے بارے میں بھی ہو کر رہے گی ــــ!"

"بس تو پھر جو چاہے کیجیئے! ــــ اگر بھگوان آپ کے ساتھ ہے تو کامیاب ہوں گے۔ اگر نہیں ہے تو نہیں ہو سکتے ــــ!"

"تم بھگوان کی فکر نہ کرو، میری اس کی بڑی گہری دوستی ہے اور میرے خلاف نہیں جا سکتا! بس تمہیں صرف ایک کام ضرور کرنا پڑے گا ــــ!"

"فرمایئے آپ کا وہ کون سا کام ہے جو مجھے انجام دینا ہے ــــ؟"

"آج کے ٹھیک پندرھویں دن ــــ میں نے پنڈتوں سے پوچھ لیا ہے شبھ گھڑی ــــ ٹھیک اس وقت جب سورج غروب ہو رہا ہوگا، ہم دونوں نہ ٹوٹنے والے رشتے میں بندھ جائیں گے ــــ تم جاؤ اور یہ بات شیاما کو بتا دو ــــ!"

آخری سہارا

بھیم چند کے پاس سے رخصت ہو کر، رادھا اپنے کمرے میں پہونچی تو حد درجہ مضمحل اور افسردہ نظر آ رہی تھی، ہیرا چند کا غم ویسے ہی اس کے لئے پیام مرگ بنا ہوا تھا۔ اب لے دے کے زندگی کا آسرا اور سہارا صرف ایک رہ گیا تھا ــــ شیاما ــــ!

لیکن اب حالات ایسے نظر آ رہے تھے کہ یہ سہارا بھی ٹوٹ جائیگا یہ آسرا بھی جواب دے جائے گا ــــ!

رادھا سے زیادہ شیاما کی فطرت سے کون واقف ہو سکتا تھا، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی مرضی کے خلاف اس سے کوئی کام نہیں لیا جا سکتا ــــ!

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ شیاما جتنی خسرو خاں سے نفرت کرتی تھی اتنی ہی بھیم چند سے بھی کرتی ہے ــــ!

کبھی اور کسی وقت بھی وہ اس سے شادی کرنے پر رضامند نہیں کی جا سکتی۔

وہ یہ بھی جانتی تھی اور بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ دل و جان سے حسام الدین کو چاہتی ہے وہ اگر زندہ ہے تو اور مر چکا ہے تو وہ اس کے علاوہ کسی مرد کی صورت دیکھنے کی روادار نہیں ہو سکتی۔

اور چونکہ وہ خود بھی ہیرا چند کو دل و جان سے چاہتی تھی اس لئے اسے پورا اندازہ تھا کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ اور اس کے تقاضے کیا ہوتے ہیں ــــ!

وہ سوچ رہی تھی کہ اگر شیاما پر جبر کیا گیا تو وہ جان سے گزر جائے گی، زہر کھالے گی، کنویں میں کود پڑے گی، دیوار سے سر ٹکرا لے گی، نہ جانے کیا کر گزرے گی، وہ بھیم چند کی بن کر کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتی ——!

وہ بھیکم پور کی مہارانی بن کر زندہ رہنا اپنی توہین سمجھتی ہے ——!

راستے بھر، یعنی بھیم چند کے ایوان سے اپنے کمرے تک وہ یہی سوچتی چلی آرہی تھی ——!

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ بھیم چند کا پیغام کس طرح شیاما کو پہونچا سکے گی ——؟

کس طرح سے بتائے گی کہ تجھے بھیم چند کی رانی بن کر زندہ رہنا ہے ——؟

کس طرح اس سے کہے گی کہ تیری شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے، اور اب یہ تاریخ کسی طرح نہیں ٹل سکتی ——؟"

کس طرح اس کے دماغ میں یہ بات لائے گی کہ بھیم چند جبر، جور، زبردستی ہر طریقہ استعمال کر کے اسے اپنا پابند بنانے کا آخری اور ناقابلِ تبدیل فیصلہ کر چکا ہے——!

یہ سب کچھ سن کر اس پر کیا گزرے گی؟

کیونکر اسے دلاسا دیا جائے گا ——؟

کاش کوئی صورت ایسی نکل آتی کہ بھیم چند اپنے ارادوں سے باز آجاتا——!

لیکن اس کے تیور بتا رہے تھے کہ موت کے سوا کوئی چیز بھی اس ارادہ سے اسے باز نہیں رکھ سکتی، اور گو، موت برحق ہے اور ہر شخص کو آنی ہے لیکن اس میں اور بھیم چند میں ابھی بہت فاصلہ ہے ——!

سوزِ نہاں

بہر حال رادھا اپنے کمرے میں خاموش، دلگیر، افسردہ اور مضمحل حالت میں پہنچی اور خاموشی سے بیٹھ گئی ——!

شیاما اس کے سوزِ نہاں سے واقف تھی، وہ جانتی تھی ہیرا چند کی موت نے اس کی خوشی چھین لی ہے، اب وہ ہنستی ہے نہ مسکراتی ہے نہ نشاطِ حیات میں حصہ لیتی ہے۔

لیکن آج کی بات ہی کچھ اور تھی ——!

یہ افسردگی جو آج اس کے چہرے پر منظر آرہی تھی کچھ دوسری قسم کی تھی۔ یہ کسی پیچیدہ اور نازک مسئلہ کی غماز ہو رہی تھی —— یہ صرف افسردگی ہی نہیں تھی —— فکر تھی اور فکر بھی کسی ایسے مسئلہ کے بارے میں جو زندگی اور موت کی کشمکش کا آئینہ دار ہے۔

کچھ دیر تک تو وہ بہن کی یہ کیفیت دیکھتی رہی۔ لیکن خاموش رہنا ناممکن ہو گیا تو اس نے پیار بھرے لہجہ میں کہا:

دیدی کیا بات ہے، آج بہت پریشان اور فکر مند نظر آتی ہو ——؟"

وہ بات کو ٹالتی ہوئی بولی:-

"ہاں شیاما، ایسا لگتا ہے جیسے فکر اور پریشانی نے میرے دل پر قبضہ کر لیا ہے۔ کوئی پل، کوئی لمحہ آرام سے نہیں گزرتا، سکھ سے نہیں کٹتا، ہر وقت کوئی نیا اندیشہ، ہر آن کوئی نئی فکر، یہ بھی کوئی زندگی ہے ——!"

شیاما کا دل ہولنے لگا اس نے کہا:

"کوئی خاص بات ہے دیدی؟"

وہ بولی "جب سے تمہارے بھیا کی خبر آئی ہے، رونے، پریشان ہونے اور آہیں بھرنے کے لئے کسی خاص بات کی ضرورت نہیں —!

پھر ذرا سے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"ہر گھڑی ان کی یاد دل پر تیر چلایا کرتی ہے۔ کون سی ساعت ہے جب وہ یاد نہیں آتے —!"

شیاما نے بہ چشم پرنم کہا:

یہ تو سچ ہے دیدی — بھیا کے بعد زندگی کا مزہ نہ رہا۔ وہ اپنے ساتھ ہماری ہر خوشی چھین لے گئے۔ زندگی کے جتنے دن بھی ہیں، وہ ان کے غم میں آہیں بھرنے اور رونے ہی میں گزریں گے۔ — لیکن دیدی کیا تم میرے لئے — زندہ رہنا نہیں چاہتیں —!"

رادھا نے ایک دفعہ شیاما کو گھورا اور کہنے لگی۔

"کیا مطلب ہے تیرا —؟"

"وہ بولی ! " اگر بھگوان نہ کرے تم نہ رہیں تو میں ایک پل زندہ نہ رہ سکوں گی۔ میرا دل بھی کچھ کم دکھی نہیں ہے۔ میرا غم بھی ویسا ہی ہے جیسا تمہارا۔ لیکن میں تمہارے لئے زندہ ہوں، تمہیں میرے لئے زندہ رہنا چاہیئے۔!"

رادھا کے دل میں شیاما کے لئے وہ جذبہ پیدا ہو گیا جسے صرف ممتا ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے وہ اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر رونے لگی۔ شیاما کا دل بھی بھرا ہوا تھا وہ بھی سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

رادھا نے کہا:۔

" تیرے ہی لئے میں زندہ ہوں اور وقت آیا تو تیرے ہی لئے جان بھی دے دوں گی —!"

بجلیاں

تیرے ہی لئے میں زندہ ہوں اور اگر وقت آیا تو تیرے ہی لئے جان دے دوں گی —!

یہ الفاظ شیاما کو ایک طوفان کا پیش خیمہ نظر آئے —!"

ان الفاظ میں اسے بجلیاں کوندتی نظر آتیں۔

ان الفاظ سے اس نے ایسا محسوس کیا جیسے کوئی بہت بڑا خطرہ میرے سر پر منڈلا رہا ہے اور رادھا اسے اپنے سر لینے کی تیاریاں کر رہی ہے۔!

اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"ضرور کوئی خاص بات ہے دیدی — کیا نہ بتاؤ گی —؟"

رادھا نے سوچا جو بات بہر حال بتانی ہے، اس کے لئے انکار کیوں کیا جائے؟ ٹال مٹول کیوں کی جائے، ابھی کیوں نہ بتا دی جائے —؟

پھر سوچ کر وہ کہنے لگی۔

"بات یہ ہے کہ اب ہم دوراہے پر کھڑے ہیں۔ ایک طرف موت ہے ایک طرف زندگی —!"

شیاما یہ الفاظ سن کر گھبرا گئی اس نے کہا:

"کیسا دوراہا دیدی —؟"

وہ بولی "زندگی ہمیں مل نہیں سکتی، موت ہی قبول کرنا پڑے گی۔!"

"لیکن کیوں دیدی؟ — ایسی کون سی بات ہوئی ہے جس نے

تمہیں اس فیصلہ پر مجبور کر دیا ہے ——؟"

وہ بولی :" کیا تم حسام الدین کو بھول سکتی ہو —— ؟"

اس نے فیصلہ کن لہجہ میں جواب دیا :

" دیدی! کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے ؟ —— گستاخی تو ہے، کیا تم بھیا کو بھول سکتی ہو —— ؟"

" نہیں میں نہیں بھول سکتی اور اچھی طرح جانتی ہوں تو حسام الدین کو نہیں بھول سکتی، لیکن اب وقت آگیا ہے کہ تجھے حسام الدین اور بھیم چند میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ وہ بھی بہت جلد —— !"

" وہ تو میں جانتی ہوں دیدی ! —— آج ہی بھیم چند سے میری ملاقات ہوئی تھی اور میں نے —— اس کے دھرّے اڑا کر رکھ دیئے۔ بہت دون کی لے رہا تھا —— !"

اور پھر شیاما نے اپنی اور بھیم چند کی ملاقات اور گفتگو کی ساری رو داد ایک ہی سانس میں اسے سنا دی۔

رادھا نے کہا۔" اگر تو یہ سب کچھ نہ بتاتی تو بھی میں جانتی ہوں کہ تو اس کے سوا بھیم چند کو کوئی اور جواب نہیں دے سکتی تھی —؟"

" تو دیدی کیا میں نے غلط جواب دیا —؟"

" میں کب کہتی ہوں — !"—— اس کے سوا کوئی اور جواب ہو ہی نہیں سکتا تھا —؟"

رادھا کے ان الفاظ سے شیاما کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ اس نے کہا۔

" تو دیدی میرے اس جواب کو تم پسند کرتی ہو —؟ خوش ہو میرے اس جواب سے؟"

وہ بولی :" ہاں شیاما، تیرے جواب کو اس لئے پسند کرتی ہوں کہ ایک وفادار اور شریف عورت کا جواب یہی ہو سکتا تھا —!"

شیاما اور رادھا

رادھا کو محبت بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی شیاما کہنے لگی :

" دیدی جب تم مجھ سے خوش ہو، میرے جواب کو پسند کرتی ہو، پھر اتنی کھوئی کھوئی سی کیوں ہو؟ اتنی پریشان، دلگیر کیوں ہو؟ تمہیں وہ دوراہا کیوں نظر آرہا ہے جو زندگی اور موت کا ہے۔ تم میرے لئے زندہ رہنے کے بجائے مرنے کو کیوں تیار ہو —؟ —— یقیناً کوئی خاص بات ہے اور تم مجھ سے اسے چھپا رہی ہو —— میری دیدی بتا دو کیا بات ہے —؟"

رادھا نے چاہا کہ بتا دے، لیکن ہمت نہ پڑی، اس نے سوچا پھر کسی وقت دیکھا جائے گا، اس وقت تو بات ٹال ہی دینی چاہیئے، کہنے لگی !

کوئی ایسی خاص بات تو نہیں — !"

شیاما نے کہا۔" دیدی ضرور تم کچھ چھپا رہی ہو اور اگر نہیں بتاؤ گی تو میں رونے لگوں گی —— !"

اور یہ کہتے کہتے واقعی اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے۔

اب رادھا کا فیصلہ کمزور پڑ گیا۔ اس نے کہا :

" ابھی ذرا دیر ہوئی مجھے مہاراج —— بھیم چند نے اپنی بارگاہ میں یاد فرمایا تھا !"

خطرہ تو کسی حد تک شیاما نے بھانپ لیا، اس کا رنگِ رخ بدل گیا، لیکن اس نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے پوچھا:-

"کیوں بلایا تھا ——؟"

وہ بولی: "وہ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد تم اور وہ ایسے رشتہ میں منسلک ہو جائیں، جو زندگی بھر نہ ٹوٹ سکے، —— یعنی شادی ——!"

اس بات پر شیاما کو بڑی حیرت ہوئی، کہنے لگی۔

"کتنا بے غیرت اور ذلیل شخص ہے یہ بھی ——؟"

رادھا بولی۔ "ہاں ہے تو ——!"

"میری اتنی صاف صاف باتوں کے بعد اس کی یہ جرأت، یہ ہمت؟"

"ہاں ——!"

"لیکن ——"

"لیکن وہ طاقتور ہے، ہم بے بس ہیں، اس کے پاس فوج ہمارے پاس ایک آدمی بھی نہیں، اس کے پاس اسلحہ ہیں، ہم چاقو سے بھی محروم ہیں۔ اس کے پاس غلاموں کے پرے ہیں —— اور ہمارے پاس؟ —— بس ہم دو آدمی ہیں، یا تم، یا میں ——؟

سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا:

بتاؤ کیا ہم دونوں اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اس سے لڑ سکتے ہیں؟ اس سے جیت سکتے ہیں؟ اس کے حکم، مرضی اور فیصلہ کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں ——؟"

جوش اور جذبات کے عالم میں اس پہلو پر شیاما نے سنجیدگی اور تفصیل سے غور نہیں کیا تھا، وہ کچھ سراسیمہ سی ہو گئی۔ کہنے لگی۔

"دیدی، کیا بھگوان ہماری مدد نہیں کرے گا ——؟"

وہ بولی۔ "اگر چاہے تو ضرور کر سکتا ہے، لیکن کرے گا یا نہیں، یہ کون

جان سکتا ہے ——؟"

پھر کہنے لگی اور "ادھر یہ حالت ہے کہ وہ اپنی بات منوانے پر تلا ہوا ہے!"

شیاما نے پھر سوال کیا:

"کیا کہتا ہے وہ ——؟"

رادھا نے بتایا:-

"اس نے تو تاریخ بھی مقرر کر دی ہے ——!"

شیاما کانپ گئی، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تاریخ مقرر کر دی ہے ——؟"

"ہاں شیاما —— اس نے شادی کی تاریخ مقرر کر دی ہے، اس نے کہا ہے کہ آج سے ٹھیک پندرہ دن بعد پنڈتوں نے جو شبھ گھڑی مقرر کی ہے اس وقت شادی ہو جائے گی ——؟"

"میرے انکار کے باوجود ——؟"

"ہاں تمہارے انکار کے باوجود ——؟"

"کیا شادی میں زبردستی بھی ہو سکتی ہے ——؟"

"ہاں میری بہن جن کے پاس قوت اور طاقت ہو، وہ زبردستی بھی شادی کر لیتے ہیں ——!"

"تو کیا تم منظور کر آئیں ——؟"

"منظور کیسے کر آتی، بھلا کوئی خود بھی کیا پروانۂ قتل پر دستخط کرتا ہے۔؟ صاف انکار کر آئی لیکن سوال یہ ہے کہ اب کیا ہو گا؟ —— پندرہ دن چٹکی بجاتے میں، پلک جھپکاتے میں گزر جائیں گے؟ —— پندرہ دن کے بعد کیا ہو گا؟ اس وقت تم کیا کرو گی اور میں کیا کروں گی ——؟"

"گویا ہمیں ہتھیار ڈال دینا چاہیئے، یہی کہنا چاہتی ہو ——؟"

"شیاما —— میں کچھ نہیں کہنا چاہتی، صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ پندرہ

دن گزرنے کے بعد جب وہ منحوس گھڑی آئے گی۔ جب پنڈت جمع ہوں گے۔ جب بھیم چندر دولہا بن کر سہرا باندھ کر آئے گا، جب لونڈیاں، باندیاں اور خواصیں تمہیں دلہن بنا رہی ہوں گی، اس وقت کیا ہوگا؟ ــــ کیا ہم میں اتنی ہمت اور طاقت ہے کہ مقابلہ کر سکیں؟ ان کے اس پروگرام کو تہس نہس کر دیں؟ ان کے اس ارادے کو پورا نہ ہونے دیں؟ ــــ بھگوان کوئی راستہ غیب سے نکال دے وہ اگر چاہے تو سب ممکن ہے مگر بظاہر تو کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی کہ بھیم چندا پنے مقصد اور ارادے میں کامیاب نہ ہو ــــ!"

اب شیاما سہمی ہوئی تھی، پریشان اور مضطرب نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، اضطراب و اضطرار کی کیفیت اس پر طاری تھی، وہ حد درجہ گھبرائی ہوئی تھی ــــ!

لیکن دفعتاً اس کی حالت میں تغیر پیدا ہو گیا۔ وہ اضطراب رفع ہو گیا اور اطمینان کی کیفیت اس پر طاری ہو گئی، اس نے نہایت سکون اور دل جمعی کے ساتھ کہا:۔

"دیدی بس یہی بات ہے جس کے لئے تم پریشان ہو رہی ہو؟"

"ہاں شیاما، کیا یہ کوئی معمولی بات ہے ــــ؟"

"کیا اس کا کوئی توڑ ممکن ہے ــــ؟"

شیاما نے مسکراتے ہوئے کہا:

"اس کا توڑ تو بہت آسان ہے دیدی ــــ!"

رادھا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولی:

تو وہ آسان توڑ مجھے کیوں نہیں بتاتی؟

شیاما نے ہیرے کی انگوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

"یہ ــــ بس چند سیکنڈ کا کام ہے ــــ!"

بہن

رادھا نے حسرت بھری نظروں سے شیاما کی طرف دیکھا اور کہنے لگی،

"یہ تیرے مرنے کے دن ہیں ــــ؟"

وہ بے پروائی کے ساتھ گویا ہوئی۔

"مرنے کا کوئی زمانہ نہیں ہوتا ــــ! اور پھر اگر عزت اور آبرو کے لئے بھی جان نہ دی جائے تو وہ کس موقعہ پر کام آ سکتی ہے ــــ؟"

اور پھر رادھا کو مزید مطمئن کرنے کے لئے اس نے کہا:

"دیدی لڑائی کے میدان میں سپاہی لڑتے ہیں ــــ کیوں لڑتے ہیں ــــ؟"

"اپنے وطن کے لئے، اپنے ملک کے لئے، اپنے بادشاہ کے لئے!"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر تنخواہ نہ ملے تو کیا کریں گے ــــ؟"

"نہیں ــــ پھر کیسے لڑ سکتے ہیں ــــ؟"

"گویا وہ روپے کے لئے لڑتے ہیں ــــ! روپیہ ملے تو لڑے، نہ ملے تو نہ لڑے ــــ!"

"اور ملک، وطن، بادشاہ ــــ؟"

"یہ سب بھی اسی وقت تک ہیں جب تک روپیہ ملتا رہے ــــ اور

دیدی تم نے ایک اور بات پر غور کیا ــــ ؟"

"وہ کون سی بات سوچی ہے تو نے ــــ ؟"

"یہ سپاہی بن کر لوگ جو لڑتے ہیں، کیا آپس میں دشمن ہوتے ہیں؟"

"اور کیا ہوتے ہیں ــــ ؟"

"نہیں، دشمن نہیں ہوتے ــــ انہوں نے تو ایک دوسرے کی صورت بھی نہیں دیکھی ہوتی ــــ ان کی کسی سے ذاتی مخاصمت بھی نہیں ہوتی، پھر بھی لڑتے ہیں، مارتے ہیں اور مرتے ہیں، جان دیتے ہیں اور جان لیتے ہیں ــــ ؟ کیوں ــــ ؟"

"روپیہ کے لئے ــــ ؟ ــــ یہی کہنا چاہتی ہو نا ــــ ؟"

"ہاں دیدی ــــ یہی بات ہے ــــ !"

"اچھا چلو یہی بات سہی، مگر تم اس سے ثابت کیا کرنا چاہتی ہو ــــ ؟"

"میں ثابت یہ کرنا چاہتی ہوں کہ روپیہ آبرو سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتا!"

"وہ تو نہیں ہوتا سب جانتے ہیں ــــ"

"پھر اگر روپیہ کے لئے جان دی جا سکتی ہے تو آبرو، عزت اور ناموس کے لئے کیوں نہیں دی جا سکتی ــــ !"

اور پھر ذرا سے توقف کے بعد وہ بولی:

"جو شیاما بھیم چند سے شادی کر کے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے گی۔ وہ اسی وقت مر جائے گی۔ اغیار اس پر لعنت بھیجیں گے، لوگ اس پر نفرین کریں گے۔ محبت کی دنیا میں اس کی حیثیت دو کوڑی کی بھی نہ ہوگی ــــ ! لیکن جو شیاما بھیم چند سے شادی نہ کر کے مر جائے گی، وہ ہمیشہ زندہ رہے گی، امر ہو جائے گی، محبت کی دنیا میں اس کا سکہ چلے گا۔ اپنے لوگ بھی اسے عزت اور احترام کے ساتھ یاد رکھیں گے اور غیر بھی نہیں بھول سکیں گے ــــ !"

مشورے

رادھا، شیاما کے ان دلائل کی تردید نہ کر سکی، اسے تائید کرنے پر مجبور ہو جانا پڑا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تو وقت آنے پر ہم دونوں خودکشی کر لیں گے !"

شیاما نے تیوری چڑھا کر پوچھا:

"تم کیوں ــــ ؟"

وہ بولی، تمہارے بعد مجھے زندہ رہنے کا حق کیا ہے؟ مجھے تو ان کے مرنے کی خبر سنتے ہی مر جانا چاہیئے تھا۔ لیکن صرف تمہاری وجہ سے زندہ رہنا پڑا۔ جب تم ہی نہ رہیں تو میں زندہ کیوں رہوں، اور زندوں میں رہ کر کیا کروں گی ــــ اب تو کچھ عزت بھی ہے تمہارے بعد تو در در کی ٹھوکریں کھانی پڑیں گی ــــ !"

کچھ دیر تک سوچنے کے بعد شیاما نے یہ تجویز گویا تسلیم کر لی، کہنے لگی،

"بات تو ٹھیک ہے ــــ ! ــــ دیدی واقعی ہم دونوں کو ایک ساتھ مر جانا چاہیئے، جانتی ہو اس سے کیا فائدہ ہوگا ــــ ؟"

"میں نہیں جانتی، صرف اتنا جانتی ہوں کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ یہاں سے رخصت ہوں گے ــــ !"

وہ بولی:-

فائدہ بھی سن لو ــــ تم بھیا کے غم میں ہلکان ہو رہی ہو، مرتے ہی ان کے چرنوں میں پہونچ جاؤ گی، میں حسام الدین کے غم میں جان سے گزری جا رہی ہوں، مرتے ہی اس سے جا ملوں گی ــــ کیا اس سے بڑھ کر بھی خوشی کی کوئی بات ہو سکتی ہے ــــ ؟"

رادھا کے چہرے پر رونق آگئی، اس نے کہا:

"تو نے بالکل سچ کہا ـــــ یہ بات تو میرے ذہن میں اب تک نہیں آئی تھی، کتنی مورکھ ہوں میں بھی ـــــ لیکن شیاما!"

"کیا دیدی ـــــ؟"

"ممکن ہے حسام الدین زندہ ہو ـــــ!"

"بھگوان کرے زندہ ہو ـــــ لیکن اگر وہ زندہ ہے تو بھی مجھے اس پر قربان ہو جانا چاہیئے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے بعد وہ زیادہ عرصہ تک اس دنیا میں رہنا پسند نہیں کرے گا ـــــ!"

"لڑکی تو تو اچھی خاصی دیوانی ہو گئی ہے۔ مرنا تو مجھے چاہیئے کہ ان کے چرنوں میں پہونچ جاؤں۔ تجھے تو ابھی حسام الدین کا انتظار کرنا چاہیئے کم از کم اس وقت تک جب تک گوپال کوئی خبر لے کر نہیں آجاتا ـــــ!"

"دیدی گوپال تو نہ جانے کس دنیا میں غایب ہو گیا ہے ـــــ؟ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا، کہاں ہے ـــــ؟"

"اب اس کا دل بدل گیا ہے۔ اور وہ تیرا سچا وفادار ہے اور مجھے یقین ہے وہ حسام الدین کے بارے میں کوئی اچھی خبر لے کر آئے گا ـــــ!"

"لیکن نہ جانے کب ـــــ؟"

اسے گئے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں، اب آتا ہی ہو گا ـــــ کاش وہ پندرہ دن سے پہلے آجائے۔!"

"پندرہ دن سے پہلے آیا اور کوئی اچھی خبر لایا تو خیر، ورنہ اس کے بعد میں انتظار نہیں کر سکتی ـــــ!"

"شیاما تمہیں گوپال کا انتظار کرنا چاہیئے ـــــ!"

"کیا بھیکم پور کی مہارانی بن کر؟ ـــــ نہیں دیدی یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا، یہ میں نہیں کر سکتی ـــــ!"

بھیم چند کے روبرو

تین چار دن کے بعد پھر بھیم چند نے رادھا کو اپنے حضور میں طلب کیا ـــــ لیکن تنہا نہیں شیاما کے ساتھ ـــــ!

شیاما نے رادھا سے کہا:۔

"دیدی تم جاؤ میں نہیں جاتی ـــــ!"

وہ سمجھا تی ہوئی بولی:۔

"بچپن سے کام نہ لو، بلایا ہے تو چلنا ہی پڑے گا ـــــ ویسے ہم نے تو فیصلہ کر ہی لیا ہے کہ اگر نجات کی کوئی صورت نہ نکلی تو اس زندگی کو ختم کر کے امن حاصل کر لیں گے ـــــ!"

شیاما نے کوئی جواب نہیں دیا اور ساتھ ہو گئی۔

بھیم چند نے مسکراتے ہوئے دونوں کا استقبال کیا اور کہا:۔

"شیاما دیوی میرا پیغام تمہیں پہنچ گیا تھا ـــــ؟"

وہ بے رخی کے ساتھ گویا ہوئی:۔

"ہاں پہنچ گیا تھا ــــ!"

بھیم چند نے دریافت کیا۔

"پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

شیاما بولی "فیصلے بار بار نہیں کئے جاتے ــــ!"

بھیم چند کی تیوری چڑھ گئی، اس نے پوچھا۔

"یعنی تم اپنے فیصلہ پر قائم ہو ــــ؟"

وہ بولی: "فیصلہ قائم رہنے کے لئے ہی کیا جاتا ہے۔"

بھیم چند کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا، اس نے کہا۔

اگر یہ بات ہے کہ فیصلے بار بار نہیں بدلے جاتے اور اگر یہ سچ ہے کہ فیصلے قائم رہنے ہی کے لئے کئے جاتے ہیں تو شاید تمہیں میرے فیصلہ کا بھی علم ہو چکا ہوگا ــــ؟"

نہایت حقارت کے ساتھ شیاما نے جواب دیا۔

"ہاں ہو چکا ہے ــــ!"

"میں نے پندرہ دن کی مدت مقرر کی تھی جس میں سے پانچ دن گزر چکے ہیں۔ اور اب صرف دس دن باقی رہ گئے ہیں ــــ!"

شیاما خاموش رہی۔

"دس دن کے بعد تمہیں اس محل میں میری بیوی کی حیثیت سے رہنا پڑے گا ــــ!"

کوئی نہیں کہہ سکتا ان دس دنوں میں کیا ہو جائے گا ــــ!"

بھیم چند نے ایک مرتبہ مشکوک نظروں سے شیاما کی طرف دیکھا پھر سوال کیا:-

"کیا مطلب ہے تمہارا ان الفاظ سے ــــ؟"

اس نے بغیر کسی جھجک کے کہا:-

"بہت پرانی مثل ہے ــــ سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں ــــ؟"

آپ دس دن کے بعد دولہا بننے والے ہیں، لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسی رات میں موت کا پنجہ آپ کی طرف بڑھے اور دبوچ لے آپ کو، ــــ میرے اوپر آپ کے راج بھون کی چھت گرے اور میں مر جاؤں، کوئی دشمن آپ پر چڑھائی کرے اور آپ کے اس ناقابلِ تسخیر قلعے کو ڈھا دے، آپ کے اس رجواڑے پر قبضہ کر لے اور آپ کا بھی وہی حشر ہو جو آپ کے یار وفادار خسرو خاں کا ہو چکا ہے ــــ یہ ساری باتیں دس دن میں بھی ہو سکتی ہیں اور دس دن کے اندر بھی، بھگوان کے کھیل نیارے ہوتے ہیں، جو کچھ وہ چاہیں گے وہی ہوگا ــــ!"

شیاما کے ایک ایک لفظ پر بھیم چند کا چہرہ تمتماتا جاتا تھا، خود رادھا کا یہ حال تھا کہ دل ہی دل میں وہ اس شوخ گفتار اور گستاخ لڑکی کی بد زبانی پر کڑھ رہی تھی اور ڈر رہی تھی کہ دیکھئے ان تند و تلخ باتوں کا نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے!

لیکن جب شیاما بات ختم کر چکی تو بھیم چند کا موڈ بدل چکا تھا، وہ ہنسنے لگا۔ اس نے کہا:

اطمینان رکھو مجھے موت نہیں آ سکتی، ابھی بہت دن مجھے زندہ رہنا ہے۔ اپنے بارے میں بھی فکر نہ کرو میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا، رہا دشمن کا حملہ آور ہونا تو ایسا دشمن آج تک تو پیدا نہیں ہوا ہے ــــ! بس تیاری کرو، دسویں دن کے بعد میرا فیصلہ عملی جامہ پہن لے گا ــــ!

صبحِ مسرّت

اے فلک رشک سے نہ جل مرنا
بچھڑے ملتے ہیں ایک مدت کے!

رات کا اندھیرا

حسام الدین جب خسرو خاں کی تلاش اور تعاقب میں روانہ ہوا تو اس کے ساتھ صرف ۲۴ سواروں کا ایک دستہ تھا، اس کا خیال تھا کہ خسرو خاں بھیم چند کے سوا کسی اور جگہ پر پناہ گزیں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس نے بھیکم پور کا رخ کیا۔ اسے امید تھی کہ وہ راستے میں اسے جا لے گا۔ اور بھیکم پور تک نہیں پہنچنے دے گا۔ کیونکہ اگر وہ بھیکم پور تک پہونچ جاتا تو نہ صرف یہ کہ وہ اس سے سربرا نہیں ہو سکتا تھا بلکہ ایک نئی جنگ کا تخلق کو آغاز کرنا پڑتا اور اگرچہ اس جنگ میں بھی کامیابی یقینی اور قطعی تھی، لیکن چونکہ ایک بڑی جنگ ابھی جیتی جا چکی تھی، اس لئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی نئی جنگ کی طرح ڈالی جائے۔

لیکن رات کے اندھیرے میں وہ راستہ بھول گیا۔ اور بھیکم پور کے بجائے راج گڑھ کی طرف پہنچ گیا، یہ ایک تعلقہ تھا، یہاں کے باشندے راجپوت اور جاٹ تھے اور ان کا سردار سورج مل تھا، سورج مل اگرچہ سلطنتِ دہلی کا مطیع و منقاد تھا، لیکن درحقیقت اسے مسلمانوں کے نام سے چڑ تھی۔ وہ خسرو خاں کا مددگار نہیں تھا۔ نہ اس نے علانیہ کبھی دہلی کی سلطنت کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تھا، لیکن جب بھی موقع ملا مسلمانوں کو زک دینے اور انہیں نقصان

پہنچانے میں اس نے دریغ نہیں کیا۔

جو مسلمان قافلے اس کے علاقہ کی طرف سے گزرے تھے، انہیں وہ بے دھڑک لوٹ لیتا تھا اور اہلِ قافلہ کو قتل کر دیتا تھا۔ یہ علاقہ دہلی سے کچھ بہت زیادہ دور نہیں تھا۔ لیکن راستہ اتنا دشوار گزار تھا کہ یہاں تک فوجوں کا پہنچنا یا فوجی مہم کا بھیجنا اور کامیاب ہونا آسان نہ تھا۔

اسی اطمینان کے بل پر وہ من مانی کارروائیاں کرتا رہتا تھا، سلطنتِ دہلی کو اس طرح کے واقعات کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ لیکن بالعموم وہ درگزر کر جاتی تھی اور اگر کبھی وہ کوئی سخت اقدام کرتی تھی تو سورج مل معافی مانگ کر اور تحائف پیش کر کے گلو خلاصی کرا لیتا تھا۔

اکّے دکّے مسلمان جو اس کے علاقہ سے گزرتے تھے —— وہ بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔ انہیں فوراً قتل کر دیا جاتا تھا اور ان کے ساتھ کسی طرح کا رحم نہیں کیا جاتا تھا، اس طرح اپنے علاقے میں سورج مل بغیر مرکزی حکومت کی تصدیق کے اچھا خاصا بادشاہ بنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھی بھی ایسے وفادار اور جان نثار تھے جو کسی دوسرے سردار کو مشکل سے میسّر آ سکتے تھے۔

آس پاس کے علاقوں پر تاخت و تاراج کا سلسلہ بھی وہ جاری رکھتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ اس کے نام سے کانپتے تھے ——!

کٹھن گھڑی

اتفاق کی بات جب رات حسام الدین اپنے ۲۴ سواروں کے ساتھ راستہ بھول کر سورج مل کے علاقہ میں پہونچا اس روز سورج مل اپنے بہادروں اور جانثاروں کے ساتھ قریب کے ایک علاقہ پر جس کے رئیس سے اس کے تعلقات خراب تھے اور وہ انتقام کی تاک میں لگا رہتا تھا حملہ کرنے جا رہا تھا، اس کے ساتھیوں کی تعداد کسی طرح تین سو آدمیوں سے کم نہیں تھی۔

رات کے کوئی گیارہ بج چکے تھے کہ حسام الدین کے ۲۴ سواروں اور سورج مل کے تین سو سواروں میں مڈبھیڑ ہو گئی، ان تین سو سواروں نے نہایت پھرتی اور سرعت سے حسام الدین اور اس کے سواروں کو نرغہ میں لے لیا۔

یہ بڑا کٹھن وقت تھا ۲۴ سوار کسی طرح بھی ۳۰۰ مسلح سواروں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تھے۔

سورج مل آگے بڑھا اور اس نے حسام الدین کے دستہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"ہم تمہارے سردار سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں ——!"

حسام الدین آگے بڑھ آیا، اس نے کہا:

"جو بات کرنا چاہتے ہو مجھ سے کرو، میں ہی اس دستہ کا سردار ہوں ——!"

سورج مل نے پوچھا:۔ "کون لوگ ہو تم ——؟"

حسام الدین نے جواب دیا "ہم شاہی سپاہ کے سوار ہیں —— !"

سورج مل نے تنک کر سوال کیا:۔

"شاہی سپاہ کے سوار ——؟ تم جھوٹے ہو ——!"

حسام الدین کو غصہ آ گیا اس نے کہا:

"سپاہی کبھی جھوٹ نہیں بولتا —— !"

سورج مل نے اکڑتے ہوئے کہا:

"شاہی سپاہ کے سوار یہاں کیوں آنے لگے؟ ہماری حکومت کے ساتھ دشمنی نہیں ہے، بلکہ خسرو خاں سے تو ہمارے اچھے خاصے تعلقات ہیں —!"

حسام الدین نے اسے بتایا:۔

"تغلق کے لشکر نے خسرو خاں کو شکست دی اور حکومت پھر مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، اور ہم خسرو خاں کی تلاش میں نکلے ہیں، جو کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے —؟"

سورج مل نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور کہا:۔

"خسرو خاں کو تغلق نے شکست دے دی، خسرو خاں بھاگ گیا، تم ۲۴ سوار لے کر اس کے تعاقب میں نکلے ہو؟ —— جھوٹ بالکل جھوٹ۔ ان انسانوں پر سورج مل یقین نہیں کر سکتا۔ تم ڈاکو ہو اور اس علاقہ میں لوٹ مار کرنے آئے ہو، واقعی تمہاری جرأت قابلِ داد ہے۔ کہ تم نے تاکا بھی تو سورج مل کا علاقہ، جس کے نام سے بڑے بڑے ڈاکو اور قزاق کانپتے ہیں جو خود جہاں چاہتا ہے تاخت و تاراج کرتا ہے اور لوٹ کے مال سے بھرا ہوا واپس آتا ہے، جسے دلّی کی سلطنت سے بھی جو مسلمانوں کی حکومت تھی اور جب خسرو خاں کے ہاتھ میں آئی جب بھی کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا —؟"

حسام الدین نے ایک مرتبہ پھر سورج مل کو حقیقتِ حال سمجھانے کی کوشش کی، لیکن اس کی سمجھ میں خاک نہ آیا، اس نے حکم دیا:۔

"خیریت چاہتے ہو تو ہتھیار ہمارے حوالے کر دو، جو کچھ روپیہ پیسہ ہو وہ بھی یہاں ڈھیر کر دو، اور ٹھنڈے ٹھنڈے جہاں سے آئے ہو وہاں واپس چلے جاؤ —— یہ رعایت سورج مل نے آج تک تمہارے سوا کسی کے ساتھ نہیں کی ہے —!"

بہادر

حسام الدین نے بغیر کسی جھجک کے کہا:

"یہ تو نہیں ہو سکتا —!"

سورج مل نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا:۔

"کیا نہیں ہو سکتا —؟"

"سپاہی ہتھیار حوالے نہیں کرتا، جب تک اس کی گردن نہ کٹ جائے!"

حسام الدین نے کہا۔

سورج مل نے بڑھتے ہوئے کہا:۔

"اگر گردن کٹانا چاہتے ہو تو ابھی اس کا انتظام ہوا جاتا ہے —!"

اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"حملہ کرو —!"

فوراً تین سو مسلح سپاہی ان ۲۴ آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔ حسام الدین نے بھی تلوار نکال لی اور مقابلہ میں ڈٹ گیا —— ایک زبردست معرکہ

کارزار گرم ہو گیا ــــ!"

سورج مل کو یہ امید نہیں تھی کہ یہ شخص اس کا چیلنج قبول کرلے گا اور اپنے ۲۴ ساتھیوں کے سہارے تین سو آدمیوں سے لڑنے پر تیار ہو جائیگا۔ اپنی اس زندگی میں اسے بیسیوں نبرد آزماؤں سے سابقہ پڑا تھا۔ لیکن ایسا جیالا شخص اس کی نظر سے اب تک نہیں گزرا تھا۔ خود بخود اس کے دل میں اس شخص کا احترام سا پیدا ہو گیا ــــ!

بہر حال لڑائی شروع ہو گئی، زخمی گرنے لگے، سر دھڑ سے جدا ہونے لگے۔ اللہ اکبر کی تکبیریں بلند ہونے لگیں۔ جے جے مہا بیر کے آوازے لگنے لگے ــــ!

یہ تو تھا جنگ کا پہلا دور ــــ!

لیکن دوسرا دور جو بہت جلد شروع ہو گیا وہ سورج مل کیلئے خاصا تشویشناک تھا ــــ!

زخمی ہو کر گرنے والوں کے منہ سے اللہ اکبر یا اللہ کی صدائیں کم نکلتی تھیں۔ ہائے رام، ہائے پرمیشر، ہائے بھگوان کی آوازیں زیادہ نکل رہی تھیں ــــ

اس سے سورج مل نے اندازہ لگایا کہ یہ ۲۴ آدمی اس کے تین سو آدمیوں میں سے کافی کو زخمی کر چکے ہیں ــــ اس جنگ کے اتنی کامیابی کے ساتھ ختم ہونے کا امکان نہیں ہے جتنا اس نے سمجھ رکھا تھا ــــ!

یہ زندگی کا پہلا تجربہ تھا ــــ انتہائی تلخ اور انتہائی تشویش انگیز اور پریشان کن ــــ!

اتنے میں اسے اپنے سامنے اور مدِ مقابل کی حیثیت سے ایک سوار کھڑا نظر آیا، یہ وہی شخص تھا جو اپنے ۲۴ سواروں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔

سورج مل نے سوال کیا:-

"کون ــــ؟"

جواب ملا "حسام الدین ــــ!"

اور پھر اس نے کہا:

"میں لڑنا نہ چاہتا تھا، لیکن تم نے مجھے لڑنے پر مجبور کر دیا، میں ایک سرکاری کام سے جا رہا تھا، تم نے اس میں مداخلت کی، مجھے تم سے کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن تم خواہ مخواہ آڑے آ گئے۔ میں اب تمہارے سامنے دو تجویزیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے کوئی ایک قبول کر لو جو اس میں بہتر ہو ــــ!"

سورج مل کے سامنے کوئی شرائط پیش کرنے یا اس سے کوئی شرائط منوانے کی کوشش کرے، یہ عجیب بات آج زندگی میں بالکل پہلی مرتبہ ہوئی تھی، لیکن وہ حسام الدین کی قابل قبول یا ناقابلِ قبول شرطیں سننے پر مجبور تھا۔ اس نے کہا:-

"کیا چاہتے ہو، تم؟"

حسام الدین نے جواب دیا۔

"یا تو ہمارا راستہ چھوڑ دو ہمیں خسرو خاں کے تعاقب میں جانے دو۔!"

سورج مل نے پوچھا اور اگر یہ شرط مجھے منظور نہ ہو تو ــــ؟"

حسام الدین نے جواب دیا۔

پھر بندگانِ خدا کا خون ضائع کرانے سے کیا فائدہ، آؤ ہم تم فیصلہ کر لیں ــــ اس طرح دو میں سے صرف ایک آدمی مرے گا۔ بہت سے آدمیوں کا خون نہیں ہو گا ــــ!"

برسرِ میدان

اس دوسری تجویز کا نامنظور کرنا اپنی بزدلی کا اعتراف کرنا تھا لیکن وہ بھی سوچ میں تھا۔ اس نے کہا

"اگر تم نے صرف پہلی تجویز پیش کی ہوتی تو شاید میں اس پر غور کرتا، لیکن اس کے ساتھ تم نے دوسری تجویز بھی پیش کر دی ہے، اسے منظور کرنے پر میں مجبور ہوں!"

پھر اس نے بگل بجا کر اپنے ساتھیوں کو لڑائی سے روکا، سب کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک مختصر سی تقریر کرتے ہوئے حسام الدین کی دوسری تجویز کا اظہار کیا اور کہا۔

"میں نے یہ شرط منظور کر لی ہے، تم لوگ لڑائی سے ہاتھ روک لو اب میرے اور اس جوان کے درمیان جس کا نام حسام الدین ہے جنگ ہوگی۔ اور یہ فیصلہ کن ہوگی، ہم میں سے جو جیت جائے وہی کامیاب ہے۔"

سورج مل کوئی معمولی آدمی نہ تھا، وہ فنون جنگ میں طاق اور ماہر تھا، زندگی میں اس نے بیسیوں لڑائیوں میں حصہ لیا تھا، اور کبھی ناکام نہیں ہوا تھا، زندگی میں بہت سے حریفوں سے اس کو پالا پڑا تھا اور دست بدست جنگ تک نوبت پہونچی تھی، لیکن بڑے بڑے پہلوانوں نبرد آزماؤں اور شہ زوں کو اس نے نیچا دکھایا تھا ان لڑائیوں میں وہ زخمی تو ہوا تھا لیکن ہار گیا ہو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا، اور یہ تو صرف ایک معمولی سا دبلا پتلا جوان تھا، بھلا یہ اس کوہ پیکر شخص سے جسے دنیا سورج مل کے نام سے پکارتی تھی کیونکر جیت سکے گا!

اپنی قوت و طاقت پر بھی اطمینان و اعتماد تھا جس کی بنا پر اس نے

نفرت اور حقارت کے تبسم کے ساتھ یہ چیلنج قبول کر لیا تھا۔

لیکن اس کے ساتھی اس تجویز کو ماننے پر تیار نہیں تھے، ان میں سے ایک نے جو دوسروں کے مقابلہ میں اس کا زیادہ منہ چڑھا تھا، کہا

کیا ضرورت ہے کہ ہمارا سردار دشمن کے سردار سے جنگ کرے، یہ لڑائی شروع ہو چکی ہے اور اب چند لمحوں میں فتح ہوا چاہتی ہے، ان سب کی لاشیں ابھی یہاں ڈھیر ہوں گی۔

اگر بات ایسی ہی ہوتی تو سورج مل یقیناً اپنے ساتھی کا کہنا قبول کر لیتا، لیکن اس کے کانوں میں ہائے رام، ہائے بھگوان، ہائے ایشور کی دردناک صدائیں گونج رہی تھیں، جو اس حقیقت کی مظہر تھیں کہ یہ ۲۴ اگر مریں گے بھی تو ۴۸ کو مار کر اور ۲۶ کو زخمی کر کے ایسی بے فائدہ لڑائی لڑنے کے لئے وہ تیار نہیں تھا، اس نے اپنے ساتھی سے کہا،

"نہیں رامو تم جانتے ہو جو بات ہمارے منہ سے نکلتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے ہم قول کے پکے اور بات کے دھنی ہیں ہم نے وعدہ کر لیا ہے۔ اور ہم اپنے وعدے پر قائم رہیں گے!۔ تم لوگ صاف تماشہ دیکھو اور ذرا ہم دونوں کو لڑ لینے دو۔"

اب رامو کے لئے خاموش ہو جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اور یہ بات بھی تھی کہ رامو کو اور ساتھ ہی ساتھ خود سورج مل کو بھی یقین تھا کہ چند لمحوں کے اندر حسام الدین کا لاشۂ نیم جان زمین پر پھڑک رہا ہوگا اور اس کے بعد اس کے ساتھی ہتھیار ڈالنے اور اطاعت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ بھلا بے سردار کی فوج بھی کہیں لڑ سکتی ہے، انہیں بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا!

آن اور شان

سب لوگ خاموشی سے پرا باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ مشعلوں کی روشنی اگرچہ ایسی نہ تھی کہ میدانِ جنگ کو بقعۂ نور بنا دیتی لیکن بہرحال ایسی تو تھی کہ لوگوں کے چہرے اور خاص طور پر ان دونوں حریفوں کے چہرے جو آمنے سامنے کھڑے تھے صاف نظر آرہے تھے؛

سورج مل نے اس طرح جیسے استاد شاگرد سے یا بڑا چھوٹے سے پوچھتا ہے، سوال کیا،

"ہماری جنگ کس طرح شروع ہوگی،۔۔ تلوار سے، یا نیزے یا خنجر سے؟ اس بات کا انتخاب میں تم پر چھوڑتا ہوں۔"

حسام الدین نے اس طرح جیسے ایک کھلاڑی کھلاڑی سے بات کرتا ہے جواب دیا،

"ایک چیز کا نام تو آپ بھول ہی گئے۔؟"

سورج مل نے پوچھا، "وہ کون سی چیز ہے بتاؤ۔؟"

حسام الدین نے بتایا۔

"کشتی!"

پھر اس نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا،

"مجھے کشتی کے داؤ پیچ بھی آتے ہیں آپ چاہیں تو اس کا مقابلہ کرلیں اس میں فائدہ یہ ہوگا کہ صرف کوئی ہڈی ٹوٹ جائیگی زخمی نہیں ہوں گے آپ۔"

سورج مل کا غصہ نقطۂ عروج پر پہنچ گیا، اس نے کہا،

"تو اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے،؟۔۔ لے سنبھل!"

یہ کہہ کر اس نے تلوار کا ایسا زبردست وار کیا کہ اگر حسام الدین جھکائی دے کر بچا نہ لے جاتے تو اس کی گردن دھڑ سے جدا ہو کر زمین پر لڑھکنے لگتی!

سورج مل کو اپنی شمشیر زنی پر ناز تھا اس کے ساتھی بھی اس فن میں اسے استاد سمجھتے تھے، لیکن پہلے وار کا اس طرح ناکام ہو جانا سورج مل کے لئے ایک طمانچہ سے کم نہ تھا اور اس کے ساتھیوں کے لئے حد درجہ حیرت انگیز!

حسام الدین نے مسکراتے ہوئے کہا،

"کوئی حرج نہیں اگر آپ کا پہلا وار ناکام ہوا، اب سہی۔۔ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی، یہ گردن حاضر ہے۔"

ان الفاظ سے سورج مل تلملا اٹھا، اس نے پھر ایک ناقابل دفاع وار حسام الدین پر کیا، یہ بھی گردن پر تھا۔ لیکن حسام الدین نے بجلی کی سی تیزی سے اس وار کو بھی ناکام بنا دیا۔

اس دوسرے وار کی ناکامی نے سورج مل کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی یقین کر لیا کہ حریف کوئی اناڑی نہیں ہے، زبردست ماہرِ فن ہے۔

حسام الدین نے ایک کھلاڑی کی طرح سورج مل سے کہا،

"اب تک صرف آپ کے وار کو روکتا رہا ہوں۔ میں نے خود کوئی وار نہیں کیا ہے۔ ایک موقعہ اور آپ کو دیتا ہوں، پھر میرے وار کا آپ کو مقابلہ کرنا پڑیگا"

پے درپے ان دو حملوں کی ناکامی نے سورج مل کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ اور اس کے ساتھیوں کے دل میں اس کی اگر کوئی وقعت تھی تو، اس میں بھی تنزل پیدا ہونے لگا۔ سورج مل نے صورتِ احوال کا اندازہ لگایا اور تابڑ توڑ حملے کرنے لگا۔ کبھی سر پر کبھی بازو پر کبھی کمر پر، کبھی پاؤں پر۔۔ لیکن ایک حملہ بھی غریب کا

کامیاب نہ ہوسکا، ان سب حملوں سے حسام الدین نے اپنے آپ کو اس طرح جیسے یہ حملے اس پر نہیں کسی اور پر ہو رہے تھے! بدن پر کہیں خراش تک نہ آئی، حالانکہ سورج مل کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کا پہلا حملہ بڑے سے بڑے دشمن کی جان لینے کے لئے کافی ہے۔

سورج مل کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اپنے ساتھیوں کے سامنے جو اس کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اپنی یہ ناکامی اور شرمناک شکست دیکھ کر وہ غرق ندامت ہوگیا، لیکن حقیقت بہرحال حقیقت ہے۔ اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔!

بھرپور ہاتھ

اس تیسرے تابڑ توڑ حملے کی ناکامی کے بعد حسام الدین نے سورج مل سے کہا،

صاحب اب ذرا اس ناچیز کو بھی موقع دیجئے۔"

سورج مل نے تلملا کر جواب دیا۔

کس نے منع کیا ہے تمہیں حملہ کرنے سے!"

حسام الدین نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ سورج مل کی گردن پر لگایا، اس نے بھی حسام الدین کی طرح بچ نکلنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ بالکل زد میں آگیا۔ اگر حسام الدین چاہتا تو واقعی اس کی گردن دھڑ سے جدا ہوگئی ہوتی لیکن اس نے صرف ایک ہلکی سی خراش لگانے پر اکتفا کیا اور کہا:

صاحب میرا شکریہ ادا کیجئے۔ میں چاہتا تو آپ کی بوڑھی گردن آپ کے بوڑھے جسم سے جدا ہوگئی ہوتی، لیکن میں آپ کی جان لینا نہیں چاہتا اس لئے صرف اس ہلکی سی خراش پر اکتفا کیا، لیکن یہ زندگی بھر کا نشان ہے!"

سورج مل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور پھر ایک وار کیا، حسام الدین نے تلوار پر تلوار مار کر روکا اور ایک ایسا جھٹکا دیا کہ تلوار سورج مل کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

حسام الدین نے ہنستے ہوئے کہا،

"اب آپ بالکل میرے رحم وکرم پر ہیں، لیکن میری عادت ہے کہ نہتے آدمی پر وار نہیں کرتا، جائیے تلوار اٹھا کر لائیے پھر لڑیں گے۔"

یہ الفاظ تیر و سناں اور شمشیر و خنجر سے زیادہ گھائل کر دینے والے تھے۔ لیکن سننا پڑے، یہ ایک حقیقت تھی اور اس حقیقت کو سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

اتنے میں رامو نے تلوار اٹھائی اور لاکر سورج مل کے ہاتھ میں دے دی!

سورج مل کو تلوار کیا ملی گویا ایک نئی طاقت اس کے ہاتھ میں آگئی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، پھر پل پڑا اور حسام الدین کی پیشانی کو تلوار کی نوک سے چھید دینا چاہا، لیکن وار خالی رہا۔ اس مرتبہ پھر سورج مل کا وار ناکام گیا۔

جواب میں حسام الدین نے تلوار چلائی سورج مل نے اسے تلوار ہی پر روکنے کی کوشش کی۔ حسام الدین نے ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ ایک جھٹکے کے ساتھ تلوار کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ دستہ سورج مل کے ہاتھ میں تھا۔ اور ٹوٹی ہوئی تلوار زمین پر۔

حسام الدین نے کہا، "میں نے آپ کے بازو پر رحم کیا، ورنہ تلوار کے بجائے زمین پر پڑا ہوتا!

یہ ہے بہادری!

ان پیہم شکستوں نے سورج مل کو باؤلا کر دیا، اس پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی، اس نے رامو کو اشارہ کیا، اور رامو نے اپنے ساتھیوں کو، اور سب حسام الدین پر ٹوٹ پڑے۔

اس نے سورج مل کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور کہا:

"میں آپ کی بہادری کا قائل ہو گیا!"

اور پھر وہ تن تنہا اس پورے مجمع سے لڑنے لگا، اس نے کئی آدمیوں کو قتل کیا، بہتوں کو زخمی کیا، کئی کو لنگڑا اور لنجا کر دیا، یعنی کسی کا ہاتھ غائب، کسی کا پاؤں، لیکن بہرحال وہ اکیلا تھا اور یہ اتنے سارے، بہت بہادری سے لڑا، لیکن کب تک لڑتا۔ آخر زخموں سے چور اور نڈھال ہو کر گر پڑا،

سورج مل نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

"اس جوان کو اور اس کے زندہ و مردہ اور زخمی سپاہیوں کو لیکر راجپورہ کی گڑھی چلو، وہاں ان سب کی قسمت کا فیصلہ کیا جائیگا۔ آج نہ جانے کس گھڑی ہم نے قدم باہر نکالا تھا کہ جس مہم پر ہم جا رہے تھے نہ جا سکے اور یہ شیطان ہمارا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

صبح ہوتے ہوتے یہ لوگ راج گڑھ پہنچے۔

وہاں مقتولین اور مجروحین کو شمار کیا گیا تو معلوم ہوا، سورج مل کے ۳۰ آدمی ہلاک ہو چکے ہیں ۴۵ زخمی ہوئے ہیں اور ۱۲ اتنے زخمی ہوئے ہیں کہ اب وہ کسی کام کے نہیں رہے۔ ادھر مسلمانوں میں حسام الدین تو حد سے زیادہ زخمی ہو چکا تھا، اس لئے کہ اس پر تقریباً سب ہی آدمی تلوار لے کر ٹوٹ پڑے تھے، باقی ۲۴ آدمیوں میں چھ ہلاک ہو چکے تھے، ۱۵، زخمی ہوئے تھے اور دو اتنے زیادہ زخمی ہوئے تھے کہ بہترین علاج معالجہ کے بعد بھی ان کے زندہ بچنے کی امید بہت کم تھی!

یہ اعداد و شمار دیکھ کر سورج مل پر مختلف اور متضاد کیفیتیں طاری ہوئی۔ اپنے جن ساتھیوں پر اسے حد درجہ ناز اور فخر تھا، معلوم ہوا اگر کوئی حقیقی حریف سامنے ہو تو یہ نہیں ٹک سکتے۔

اپنے اوپر بھی اسے بڑا غرور تھا، لیکن حسام الدین سے لڑنے کے بعد اس نے محسوس کیا، جائے استانہ خالی است!

لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے دل میں حسام الدین کی عزت اور محبت بھی پیدا ہو گئی، اس نے راموسے کہا،

اگر یہ مر گیا تو میں تمہیں مار ڈالوں گا!

راموئے سہم کر اس کی طرف دیکھا اور کہا،

"سرکار میری خطا؟ میرا قصور؟"

وہ بولا، نہ تمہاری کوئی خطا ہے، نہ قصور، اس شخص کی بہادری نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے، میرے دل میں اس کی عزت، عظمت پیدا ہو گئی ہے، میں اسے مرنے دینا نہیں چاہتا، ہر قیمت پر اس کی زندگی چاہتا ہوں۔ ایسا آدمی اگر کسی طرح رام کر لیا جائے اور اپنے گروہ میں شامل کر لیا جائے تو بھیکم پور کیا چیز ہے ہم دلی فتح کر سکتے ہیں۔

خود راموکے دل میں بھی یہی تاثرات حسام الدین کے بارے میں تھے۔

اس نے کہا،

سرکار حسام الدین زندہ رہے گا، بے شک وہ زیادہ زخمی ہوا ہے۔ اب تک ہوش نہیں آیا ہے، لیکن راج گڑھ کے راج وید نے بتایا ہے کہ وہ بچ جائے گا۔ لہٰذا مطمئن رہیے!

سورج مل نے کہا، اگر وہ بچ گیا تو وید مہاراج کے علاوہ میں تمہیں بھی مالا مال کر دوں گا،

بھیکم پور کا نام سورج مل نے اس لئے لیا تھا کہ اس رجواڑے سے اس کی پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔!

زخموں سے چُور

تین دن کے بعد حسام الدین نے آنکھیں کھولیں اور ہوش میں آیا لیکن وہ زخموں سے چور چور ہو رہا تھا، اس کے بدن پر نہ آتے ہوں گے تو ۳۰، ۴۰ زخم آتے ہوں گے۔ راج وید جان توڑ کوشش اسے بچانے اور زندہ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن ایک مصیبت یہ تھی کہ راموا در لشکر کے دوسرے لوگوں کی تلواریں زہر میں بجھائی ہوئی تھیں۔ ان تلواروں سے جو زخم آئے تھے، ان میں سمیت پیدا ہو رہی تھی اور ان کا اچھا ہونا مشکل نظر آ رہا تھا۔

بہرحال ایک عرصے کے بعد اس کے زخم اچھے ہوئے، لیکن اب تک حالت یہ تھی کہ حد سے زیادہ کمزور تھا۔ بات نہیں کی جاتی تھی، کھڑا ہوتا تو چکر آجاتے، غذا کی طرف طبیعت مائل نہ تھی اور راج وید نے جو غذائیں تجویز کی تھیں وہ سب اسے نا مرغوب تھیں۔

راموا نے اس کی تیمارداری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا، کٹر دشمن کی اس بے غرض دوستی سے حسام الدین بہت متاثر تھا ایک روز اس نے کہا،

"کیا بات ہے تم میری اتنی دیکھ بھال کرتے ہو؟ — تم ہی نے زخم لگایا تم ہی مرہم رکھ رہے ہو؟"

وہ کچھ ندامت، کچھ شرمندگی کے ساتھ بولا،

وہ تو جو کچھ میں نے کیا سردار کے حکم سے کیا تھا اگرچہ دل نہیں چاہتا تھا

کہ ان کا حکم مانوں۔ بھگوان جانتا ہے ایسا بہادر اور جیالا شخص آج تک میری نظر سے نہیں گذرا، اور اس تندہی اور جانفشانی کے ساتھ آپ کا علاج بھی انہیں کے حکم سے ہو رہا ہے۔ ان کا حکم ہے ہر قیمت پر آپ کی جان بچائی جائے، مجھ سے تو انہوں نے کہا تھا اگر حسام الدین مر گیا تو میں تجھے مار ڈالوں گا۔"

حسام الدین نے مسکراتے ہوئے پوچھا،

"یہ کیوں؟ — میری موت سے تمہاری موت کا کیا تعلق ہے؟"

وہ بولا،

سردار کہتے ہیں ایسے بہادروں کو مرنا نہیں چاہیئے۔ اسے ہر قیمت پر زندہ رہنا چاہیئے۔ اسے ہم اپنے گروہ میں شامل کر لیں گے، یہ ہمارے ساتھ مل جائے تو ہم دلی فتح کر لیں گے۔"

ایک اور نیا فطرہ حسام الدین کو اپنے سامنے رقص کرتا نظر آیا لیکن جواب میں اس نے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا، اس سے پہلے جب تک وہ اچھا نہیں ہو جاتا چپ رہنا چاہیئے، بولنا نہیں چاہیئے۔

رامو

دس پندرہ روز کے بعد جب حسام الدین کی طبیعت ذرا اور درست ہوئی تو ایک روز راموا اس کے پاس آیا اور سرگوشی کے لہجہ میں کہنے لگا،

"سردار آرہے ہیں!"

حسام الدین سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں سورج مل آگیا، اسے دیکھ کر حسام الدین نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بٹھا دیا، خود بھی پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا،

"اب کیسے ہو تم؟"

حسام الدین نے جواب دیا،

"اب تو اتنا اچھا ہوں کہ چند روز کے بعد آپ سے رخصت کی اجازت طلب کروں گا۔ آپ نے جس خصوصی محبت اور شفقت کے ساتھ میرا علاج کرایا ہے میں اس کا ممنون ہوں، آپ کے اس طرز عمل نے میرے دل سے اس جنگ کی تلخ یاد مٹا دی جو ہمارے مابین ہوئی تھی

سورج مل نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا:

جنگ کا نام نہ لو، — میں اس پر شرمندہ ہوں، نادم ہوں، جب اس کا خیال آتا ہے تو اپنے آپ کو ملامت کرنے لگتا ہوں، وہ قصہ پارینہ ہے اس کا فراموش کر دینا ہی بہتر ہے!

پھر ذرا دیر خاموش رہ کر سورج مل نے کہا،

"اب ہم دوست نہیں بھائی ہیں، — اور اگر تم چاہو تو ساتھی بھی بن سکتے ہیں، میرا کوئی لڑکا نہیں ہے، میں تمہیں گود لے لوں گا، میرے بعد تم اس گدی کے مالک بنو گے، ان لوگوں کے سردار بنو گے!"

حسام الدین نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا،

لیکن میں مسلمان ہوں، آپ ہندو، — اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ مسلمانوں سے آپ کو بڑی نفرت ہے، جب موقع مل جاتا ہے آپ اُن کا شکار ضرور کرتے ہیں!"

سورج مل ہنسنے لگا، اس نے کہا،

وہاں جب تک تمہیں نہیں دیکھا تھا، واقعی مسلمانوں سے نفرت کرتا تھا لیکن جب سے تمہیں دیکھا ہے بعض وقت تو یہ جی چاہتا ہے خود بھی مسلمان ہو جاؤں۔!

پھر ذرا رک کر گویا ہوا،

"تمہاری سیرت، کردار، اور اخلاق کے اور سب سے بڑھ کر بہادری اور شجاعت کے جوہر مجھ پر آشکارا ہوتے ہیں، ان کے بعد میرے دل میں مسلمانوں کی عزت اور عظمت پیدا ہو گئی ہے۔ اب مجھ سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا، بلکہ آئندہ میرے گروہ میں زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہوگی۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ تم ہمارے گروہ میں شریک ہو جاؤ، صرف نائب سردار یعنی میرے قائم مقام بن کر نہیں میرے بیٹے بن کر"

ان الفاظ میں سچائی تھی، خلوص تھا، صداقت تھی، حسام الدین ان سے متاثر ہوا۔

لیکن ظاہر ہے وہ گروہ میں شریک نہیں ہو سکتا تھا، جس کا مقصد لوٹ، مار، قتل و غارت اور تاخت و تاراج ہو،

پھر ایک بات اور بھی تھی۔ اس نے ہیرا چند کی لاش عجب سے دیکھی تھی، برابر اس فکر میں تھا کہ رادھا اور شیاما کہاں ہیں، ان کا کیا خیال ہے، وہ ان کی مدد کرنا اور خدمت کرنا چاہتا تھا، اپنی ساری زندگی شیاما کی خدمت میں بسر کر دینا چاہتا تھا۔

وہ جانتا تھا، اس کے اور شیاما کے درمیان بہت بڑی دیوار — مذہب کی — حائل ہے، وہ اس سے محبت کرتا تھا اور بے انداز محبت کرتا تھا، لیکن یہ لفظ زبان پر نہیں لا سکتا تھا، لیکن شیاما کماری کی خدمت سے اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

وہ جلد از جلد دہلی پہونچ جانا چاہتا تھا، وہیں سے ان دونوں کا سراغ لگ سکتا تھا۔

فرصت کے لمحات میں صرف شیاما اس کی رفیق تھی۔ اس کا تصور —، اس کی یاد —!

سورج مل کی پیش کش کا جواب اس نے انکار میں نہیں دیا۔ جانتا تھا اگر ایسا کیا تو ایک بڑی مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔ صرف اتنا کہا،

"ذرا مجھے غور کر لینے دیجیے۔"

سورج مل

سورج مل نے حسام الدین کو بہت اچھی طرح رکھا، لیکن اب تک وہ اسے اپنے گروہ میں شامل کرنے پر رضامند نہیں کر سکا تھا، رہائی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، اور یہاں کی خبر دہلی تک پہنچانا بھی قطعاً ناممکن تھا، غرض عجب گو مگو اور اضطراب کے عالم میں یہ دن گزر رہے تھے۔

ایک روز حسام الدین سورج مل کے احاطہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا، اپنی بدبختی پر دل ہی دل میں رو رہا تھا کہ اسے سرپٹ گھوڑا دوڑنے کی آواز سنائی دی، جیسے کوئی سوار بے تحاشا بھاگتا ہوا اسی طرف آ رہا ہے۔ جذبۂ تجسس نے اسے خاموش نہ بیٹھنے دیا، وہ جلدی سے اٹھا اور اچانک راستہ پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ واقعی کوئی سوار اسی طرف آ رہا تھا!

سوار اتنا دور تھا، کوئی اندازہ ممکن نہ تھا کہ کون ہے لیکن اس کی وضع و ہیئت سے اتنا اندازہ تو اس نے کر لیا کہ نہ یہ کوئی مسلمان ہے نہ ہی شاہی، ہرکارہ البتہ وضع قطع سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی ہندو ہے اور کسی راجواڑے کا باشندہ!

ذرا دیر میں سوار آ گیا! حسام الدین کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔

یہ گوپال تھا!

گوپال کو دیکھ کر حسام الدین کو اپنی زندگی اور اپنے مستقبل سے بالکل مایوسی ہو گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ خسرو خاں یا اس کے کسی حمایتی کا بھیجا ہوا ہے، اور

میری تلاش میں سرگرداں ہے، اب مجھے لے جائے گا اور قتل کردے گا، پھر وہ سوچنے لگا، لیکن مجھے زندہ رہنے کی ہوس کیوں ہے؟ میں کیوں زندہ رہنا چاہتا ہوں؟ کیا مقصد ہے میری زندگی کا جو مقصد تھا وہ پورا ہوگیا،

خسرو خاں کو میں نے ایسی شکست دی ہے کہ زندگی بھر یاد کرے گا۔

میرا آقا، میرا محسن، ملت اسلامیہ کا پاسبان تغلق دلی کا حکمراں ہے!

بس یہی میرا مقصد تھا، اور وہ پورا ہوگیا،

ہاں میرے دل میں زندہ رہنے کی امنگ پیدا ہوگئی تھی۔ اگر شیاما مجھے مل سکتی، اگر وہ میری بن سکتی، اگر اسے میں حاصل کرسکتا، لیکن ایں خیال است و محال است و جنوں، یہ ناممکن ہے، ہیرا چند کے قتل کے بعد نہ جانے اس خاندان کا حشر کیا ہوا؟

نہ جانے یہ کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں؟ کہیں ہوں، کسی حالت میں ہوں۔ میری محبت ان کے دل میں کیسے ہوسکتی ہے؟ میرے ان کے درمیان مذہب اور قوم کی ایسی خلیج حائل ہے جو کسی طرح کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتی۔

پھر اگر وہ جان تمنا مجھے مل سکتی، اگر وہ روح رواں نہیں ہوسکتی تو پھر زندہ رہنے سے حاصل؟

میں نے اسے چاہنا نہیں چاہا تھا، میں نے اسے محبت کرنا نہیں چاہی تھی، اور جب تک میں اس سے جدا نہیں ہوا تھا میرے دل کے کسی گوشہ میں یہ خیال نہیں تھا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، میرا دل اس کی پرستش کرتا ہے لیکن اس سے جدا ہوتے ہی دفعتہً میں نے ایسا محسوس کیا کہ میں دھوکے میں تھا، میں اب تک اپنے آپ کو سمجھ نہ سکا تھا۔ اس سے جتنا جتنا میرا فاصلہ بڑھتا گیا میں محسوس کرتا گیا، میں اس سے محبت کرتا ہوں، شاید اتنی اور ایسی محبت جو صرف میرے ساتھ مخصوص ہے یعنی — دور مجنوں گزشت نوبت ماست،!

لیکن قوم اور ملت کی پکار محبت کی پکار پر غالب آجاتی ہے، آنی ہی چاہیئے میں نے قوم اور ملت کی پکار پر لبیک کہا اور روانہ ہوگیا، تغلق کے پاس پہونچا اور شریک جنگ ہوا، خسرو خاں کی شکست میرے ہی ہاتھوں لکھی تھی،!

یہ سارے کام پورے ہوگئے، اب نہ دنیا کو میری ضرورت ہے، نہ مجھے دنیا کی — جان سے اب تو گزر جائیں گے، سوچا ہے یہی،!

اب مجھے مرجانا چاہیئے، چاہے سورج مل کے ہاتھوں، خواہ گوپال کی تلوار سے، خواہ خسرو خاں کے حمایتی کے ہاتھوں، میں سورج مل سے کہہ دوں گا میرا تمہارا میل نہیں ہوسکتا۔ گوپال سے کہہ دوں گا مرنے کو تیار ہوں، یہ گردن حاضر ہے — میری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔

اچانک ایک دن

گوپال اور حسام الدین کی آنکھیں چار ہوئیں!

حسام الدین پر اگر کوئی جذباتی کیفیت تھی تو مایوسی اور دل گرفتگی!

گوپال پر والہانہ سرخوشی کا عالم طاری تھا، وہ حسام کو دیکھتے ہی بولا،

"تم —؟"

حسام الدین نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا،

"تمہاری آنکھوں نے دھوکا نہیں دیا، میں ہی ہوں!"

گوپال نے اس سرد مہری کو ذرا بھی محسوس نہیں کیا، کہنے لگا،

"تمہاری تلاش میں کہاں کہاں نہیں گیا؟ کس کس جگہ نہیں پہنچا — کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا؟ — اور تم ملے بھی کہاں سورج مل کی گڑھی میں جہاں گمان ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ تم یہاں ملو گے! لیکن بھگوان کی کرپا ہے اب بھی وقت نہیں گیا، اب بھی موقع ہے؟

حسام نے کہا، "ہاں بہت وقت ہے سورج مل تمہارا کہا نہیں ٹالے گا تم اس کے ندیم میری جان لے سکتے ہو اور ویسے تم چاہو تو بھی مجھے گردن کٹانے میں عذر نہیں!"

"یہ کیوں؟"

"جی سیر ہو گیا ہے زندگی سے!"

عجیب ماجرا ہے، — ادھر تم گردن کٹانے کو تیار ادھر ایک اور ہستی ہے جو تمہارے غم میں زہر کھانے، جان دینے اور خودکشی کو تیار۔"

"کیوں جھوٹ بولتے ہو گوپال، میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے!"

بے ساختہ گوپال کے منہ سے نکلا۔

"اور شیاما؟ — اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

شیاما کا نام سنتے ہی حسام الدین کا رنگ رخ متغیر ہو گیا، اس نے کہا،

"ہاں وہ صرف مجھے یاد کر سکتی ہے، کیونکہ میں بھی اسے نہیں بھول سکا!"

گوپال ہنسنے لگا "اچھا تو یہ بات ہے، — دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔!"

حسام الدین نے تیوری پر بل ڈال کر کہا،

"ایسی باتیں نہ کرو گوپال، — وہ اس قابل ہے کہ ساری دنیا اس سے محبت کرے، لیکن ساری دنیا میں کوئی ایسا نہیں جس سے وہ محبت کر سکے جو اس کی محبت کا سزاوار ہو!"

گوپال نے جواب دیا "ہاں مانتا ہوں، واقعی ایسی ہی بات ہے اس نے خسرو خان جیسے بادشاہ جم جاہ کو ٹھکرا دیا، اس نے راجہ بھیم چند جیسے خوب صورت اور طرحدار راجہ کو ٹھکرا دیا، لیکن وہ حسام الدین کو نہ ٹھکرا سکی، وہ اس سے محبت کرتی ہے وہ اس کی فرقت میں جان دے رہی ہے۔"

"یہ تم نے کیسے جانا؟ یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"مجھے کیا نہیں معلوم ہے — خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر!"

اور گوپال نے ازاول تا آخر اپنی اور شیاما کی سرگزشت سنا دی، اس نے کہا،

"تمہاری تلاش میں بار بار چاروں کھونٹ گیا، لیکن تم نہ ملے، اس مرتبہ جب واپس گیا تو معلوم ہوا، بھیم چند نے اسے پندرہ دن کی مہلت دی ہے اور اب اس کے ختم ہونے میں صرف دو دن رہ گئے ہیں، اس کے بعد شیاما زہر کھا کر جان دے دیگی کیونکہ وہ بھیم چند کی بیوی نہیں بن سکتی!"

حسام الدین پر جیسے دیوانگی کی کیفیت طاری ہو گئی، اس نے کہا،

"میں بھیم چند کو ہلاک کر دوں گا، میں اس سے شیاما کو چھین لاؤں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں وہ نہیں مر سکتی۔"

گوپال نے کہا، دیوانوں کی سی باتیں نہ کرو، بھیکم پور میں پہونچتے ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاؤ گے۔ میں نے سوچا تھا دہلی جاؤں اور تغلق سے کہوں کہ حسام الدین کے ناموس کے بجائے شیاما اب اس کا ناموس ہے وہ تیار بھی ہو جاتا پھر سوچا وہاں تک جانے، اور وہاں سے کمک لینے میں ایک ہفتہ لگ جائے گا تغلق بے شک تمہارا نام سنتے ہی سب کچھ کر گذرنے کو تیار ہو جائے گا۔ لیکن وہ اپنی فوج کو بھیکم پور اس وقت بھیجے گا جب یا تو شیاما مر چکی ہو گی یا بھیم چند کی بیوی بن چکی ہو گی، یہ سوچ کر راج گڈھ آیا کہ سورج مل کو راضی کر دوں، بھگوان نے چاہا تو یہاں کام بن جائے گا۔"

حسام الدین کا سوال

یہ بات حسام الدین کو کچھ عجیب سی معلوم ہوتی، اس نے کہا،

"سورج مل کو کیا پڑی ہے کہ وہ میری یا تمہاری وجہ سے بھیم چند سے لڑائی مول لے؟"

وہ بولا، دونوں میں بہت پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے، سورج مل اب تک تمہاری شخصیت سے صحیح طور پر آشنا نہیں ہوا ہے۔ میں اس سے کہوں گا اگر تغلق کو علم ہو گیا کہ حسام الدین تمہاری قید میں ہے تو وہ راج گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیگا اور تمہارے خاندان کا نام تک باقی نہیں رکھے گا، لیکن اگر تم اس وقت ہمارا ساتھ دو۔ اچانک اپنے آدمیوں، ساتھیوں، اور دوسرے مددگاروں کے ساتھ بھیم پور پر چڑھائی کر دو اور بھیم چند کو شکست دیدو، شیاما کو حسام الدین کے حوالے کر دو یا دونوں کو لے کر دلّی چلو تو وعدہ کرتا ہوں کہ تغلق تمہارے سارے پچھلے گناہ معاف کر دے گا اور بھیم پور کا رجواڑہ بھی تمہیں بخش دے گا۔ پھر تم راجہ بھیم پور بن جاؤ گے۔ یہ اس کی دیرینہ تمنا ہے وہ ضرور ہمارا ساتھ دے گا!"

بات حسام الدین کی سمجھ میں آ گئی، اس نے کہا،

"پھر کر قسمت آزمائی کیونکہ وقت بہت کم رہ گیا ہے!"

گوپال نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ سورج مل آتا ہوا دکھائی دیا وہ تپاک اور گرمجوشی کے ساتھ گوپال سے ملا، اسے حسام الدین سے باتیں کرتے دیکھ کر کہنے لگا،

کیا تم اسے جانتے ہو؟ بڑا بہادر ہے، بہادری میں یکتا ہے، میں اسے اپنا لڑکا اور جانشین بنانا چاہتا ہوں، لیکن بڑا ضدی ہے، اپنے گروہ میں شریک ہونے پر رضامند نہیں ہوتا، اگر تم اس کو راضی کر لو تو میں زندگی بھر احسان مند رہوں گا۔"

گوپال ہنسنے لگا اس نے کہا،

"واقعی یہ بہادری میں یکتا ہے، لیکن میرے دوست یہ ڈاکو نہیں ہے تمہاری طرح، یہ تغلق کا سالار فوج ہے، یہی ہے جس نے مٹھی بھر سپاہ سے خسرو خاں کی مور و ملخ کی سی فوج کو شکست فاش دی!

اور پھر اس نے وہ ساری باتیں سورج مل سے کہہ دیں جو ابھی حسام الدین کو بتائی تھیں۔

سورج مل کے دل پر حسام الدین کی شجاعت کا سکہ تو بیٹھا ہی ہوا تھا لیکن اسے یقین آج آیا کہ یہ تغلق کا صرف آدمی ہی نہیں سالار فوج ہے، اس کا دل ہل گیا اس نے حسام الدین سے کہا،

"میں تمہیں سمجھنے میں بھولا رہا۔ لیکن یہ تو مانو گے میں نے تمہیں بیٹے کی طرح رکھا اور چاہا ہے۔"

حسام الدین نے کہا، "دل سے مانتا ہوں اور جب تک زندہ ہوں مانتا رہوں گا۔"

سورج مل کہنے لگا، باپ بیٹے کے لئے کیا نہیں کر سکتا، میں آج ہی اپنے ساتھیوں، دوستوں اور رہزنوں کا لشکر تیار کرتا ہوں، اور صبح صبح ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور اچانک اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اس راہ میں اگر میری جان بھی کام آ جائے تو مجھے خوشی ہوگی، لیکن ایک شرط ہے!"

حسام الدین نے کہا، "آپ کی شرط اور میں رد کروں۔" — فرمائیے!"

سورج مل نے کہا، "اگر ہم کامیاب ہو گئے تو وعدہ کرو، میرا اور تمہارا جو رشتہ قائم ہو چکا ہے، وہ نہیں ٹوٹے گا؟"

ان الفاظ میں خلوص تھا، محبت تھی، حسام الدین نے کہا،

"آپ مجھ سے بدگمان کیوں ہیں؟ میرے دل میں آپ کی وہی عزت اور عظمت و محبت ہے جو ایک بیٹے کے دل میں باپ کی ہوتی ہے!"

اس نے کہا، "باپ کی حیثیت سے تمہاری شادی میں شیاما سے کروں گا؟"

گوپال نے کہا، "اس سے مجھے اختلاف ہے"! بے شک آپ کا اور حسام الدین کا باپ بیٹے کا رشتہ زندگی بھر قائم رہے گا لیکن ظاہری طور پر آپ شیاما کے باپ نہیں گے۔ بارات آپ کے گھر آئے گی کیونکہ اس کا باپ بھی مر چکا ہے — اس دنیا میں اب اس کا کوئی نہیں ہے۔!"

سورج مل اکڑ گیا کہنے لگا۔

یہ نہیں ہو سکتا، مجھے شیاما سے ہمدردی ہے، لیکن بارات میرے گھر سے جائیگی حسام الدین میرا لڑکا ہے، تعلق کیوں نہیں بن جاتا شیاما کا باپ؟ — بارات اس کے گھر جائے گی۔!"

گوپال نے سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا،

ٹھیک، — یہی ہوگا!"

اسکیم

پہلے اسکیم یہ تھی کہ سورج مل اپنا لشکر لے کر بھیم پور پر چڑھائی کر دے لیکن ایسی صورت پیش آئی کہ یہ اسکیم بدل دینا پڑی۔

ہوا یہ کہ گو بھیم چند اور سورج مل میں چشمک تھی، لیکن سورج مل سے بھیم چند ہمیشہ خائف رہتا تھا اور کوشش کرتا رہتا تھا کہ اس سے صلح ہو جائے اور پیمان دوستی استوار ہو جائے۔

اس موقع پر کہ اس کی شیاما سے شادی ہو رہی تھی، عین وقت پر اسے خیال آیا کہ اگر سورج مل کو بھی شرکت کی دعوت دے دی جائے تو ممکن ہے تعلقات کا نیا دور شروع ہو جائے۔"

چنانچہ شادی سے ٹھیک دو دن پہلے، یعنی گوپال کی آمد سے چند گھنٹے کے بعد اس کا ایک خاص قاصد دعوت نامہ لیکر آیا، اس میں اس نے شادی میں شرکت کی، بہت تاکید کی کہ اپنے آدمیوں کے ساتھ تشریف لائیے۔

سورج مل نے یہ دعوت قبول کر لی۔

قاصد واپس چلا گیا۔

اس کے بعد گوپال، سورج مل اور حسام الدین میں طے پایا کہ بھیم آسانی سے بھیم چند کو دعوت شادی میں شرکت کر کے شکست دی جا سکتی ہے جنگ کرنے کی نہیں۔

حسام الدین نے اختلاف کیا اور کہا۔

"لیکن یہ تو برا ہوگا — میں دشمن کو دھوکا دینا پسند نہیں کرتا۔"

سورج مل نے محبت اور عقیدت کی نظروں سے اسے دیکھا اور گوپال سے کہا "اب بتاؤ — ؟"

گوپال نے کہا، یہ پارسا اور نیک ہیں، میں جانتا ہوں لیکن اسے بھول گئے ہیں کہ دھوکے باز کو دھوکا دینا پاپ نہیں ہے۔ بھیم چند نے دھوکا دیکر خسرو خاں کو بے وقوف بنایا، اس نے دھوکا دیکر شیاما پر دام فریب ڈالا اور اب زبردستی اسے نشانۂ ہوس بنانا چاہتا ہے، کیا ایسے شخص کو دھوکے سے شکست دینا، قتل کرنا، اسے دھوکا دیکر ایک مجبور کی جان بچانا، ایک عاشق صادق کی حسرت پوری کرنا اور ایک مستحق (سورج مل) کو اس کا حق دلانا دھوکا ہے — نہیں مولانا صاحب میں آپ کی بات نہیں مان سکتا؟

بات حسام الدین کی سمجھ میں آگئی، اس نے کہا،

"کہتے تو ٹھیک ہو، واقعی وہ اول درجہ کا دھوکا باز ہے۔"

گوپال نے کہا "پھر بتاؤ، دنیا کا کون سا مذہب دھوکے باز کے ساتھ رعایت کرنے کی اجازت دیتا ہے؟"

حسام الدین نے کہا، کوئی نہیں؟"

"وہ بونا، پھر خواہ مخواہ کیوں بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہو، جو ہم کہیں وہ کرو، جو ہم کریں وہ کرنے دو!۔ مفتی اور محتسب بن کر ہمارا راستہ نہ روکو!

حسام الدین نے مسکراتے ہوئے کہا،

بہت اچھا جناب قاضی صاحب ایسا ہی ہوگا، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں یہ خاکسار آپ کے کسی معاملہ میں دخل نہ دے گا، جو چاہے کیجیے۔!

گوپال نے اکڑتے ہوئے کہا،

"صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے، یہ وعدہ بھی کرو، جو ہم حکم دیں گے اس کی تعمیل کروگے!"

حسام الدین نے اسی نیازمندی کی شان سے جواب دیا،

بہت خوب۔ بہت خوب!

گہما گہمی

یہاں یہ اسکیمیں بن رہی تھیں، وہاں شیاما اور رادھا اپنی قسمت کو رو رہی تھیں۔!

پندرہ دن ختم ہونے میں اب صرف دو دن باقی رہ گئے تھے!

دو دن کے بعد سب سے بڑا انقلاب آجائے گا!

سب سے بڑا انقلاب — وہ انقلاب جو زندگی اور موت کا فیصلہ کردیگا جس کے وجود سے زندگی اور موت وابستہ ہے!

رادھا اور شیاما اس فکر میں تھیں، خون کے آنسو بہا رہی تھیں۔ نہ جانے مانندِ نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا۔ اور ادھر بھیم چند کے راج محل میں شادی کی

گہما گہمی کا شور تھا۔ سارا راج محل دولہن بنا ہوا تھا۔ چہل پہل۔ رونق اور گہما گہمی کی عجیب کیفیت طاری تھی۔

خود بھیم چند کا یہ حال تھا کہ وفورِ مسرت سے اس کے بندِ قبا ٹوٹے جا رہے تھے اسے احساس تھا یہ خوشی کا سودا نہیں ہے۔ شیاما اس رشتہ سے بالکل خوش نہیں ہے محض جبر و جور کے ذریعہ اسے اسیرِ دامِ ہوس کیا جا رہا ہے، لیکن یہ جانتے ہوئے بھی وہ خوش تھا،

دُنیا کی سب سے زیادہ قیمتی اور گراں بہا چیز اسے حاصل ہو رہی تھی!

ملک کی سب سے زیادہ حسین و جمیل لڑکی اس کے حبالۂ عقد میں آرہی تھی!

شیاما۔!

حُسن کی مورت!

جس پر خسرو خاں جان دیتا تھا، اور اس نے جان دے دی اور اب وہ پیکرِ عشوہ و غمزہ اس کی ملکیت تھا!

وہ جب کبھی شیاما کی طرف سے گزرتا تو اس کی آنکھوں سے نفرت کے شرارے نکلتے ہوئے محسوس کرتا، اس کے چہرے سے بیزاری کے اثرات نمایاں دیکھتا۔!

لیکن ان چیزوں سے وہ ذرا بھی متاثر نہیں تھا۔!

حسنِ برہم میں بھی وہ ایک مخصوص قسم کی کشش محسوس کرتا تھا اور پھر شیاما کا حسن برہم!

اس حسنِ برہم میں بھی عجیب شان دل ربائی تھی، ایسی سحر طرازی ایسی دلربائی جسے الفاظ میں نہیں بیان کیا جا سکتا، صرف دیکھا جا سکتا ہے۔ صرف محسوس کیا جا سکتا ہے، صرف بساطِ دل پر اس کا نقش دوام قائم کیا جا سکتا ہے!

اور وہ شیاما تھی!

اس عرصہ میں اس نے شیاما سے کوئی بات نہیں کی تھی، وہ اس کے کمرے

میں بھی نہیں گیا تھا۔ اس نے کسی طرح کی سلسلہ جنبانی نہیں کی تھی۔!

اب وہ مزید بدمزگی کے لئے تیار نہیں تھا، اب اس مبارک دن کا منتظر تھا۔ جب حد درجہ خفا، برہم، مشتعل اور ناراض ہونے کے باوجود شیاما اس کی ہوگی۔ صرف اس کی!

وہ اپنے عملہ کے لوگوں کو، ملازموں کو، افسروں کو سب کو اس کام پر لگائے ہوئے تھا کہ راج محل کو آئینہ خانہ بنادیں، سجاوٹ ایسی ہو کہ لوگ دیکھ کر عش عش کر اٹھیں!

کھانے ایسے پکیں کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ جائیں!

رقص و نغمے کے طائفے ایسے ہوں کہ ان کے کمال فن پر حاضرین دنگ رہ جائیں!

گانے والیاں اپنے لحن کی سحر طرازی سے لوگوں کے دل موہ لیں!

ناچنے والیوں کا رقص بے محابا، لوگوں پر طلسم کی سی کیفیت طاری کردے

اور یہ سب تیاریاں تقریباً مکمل ہوچکی تھیں!!

ٹرلوبنگ

وہ دو دن!

وہ دو دن جو قیامت کے دن تھے ختم ہوگئے!

بھیم چند اور شیاما آج عمر بھر کے لئے نہ ٹوٹنے والے رشتے میں منسلک ہوجانے والے تھے!

شہر کا انتظام فوج کے ہاتھ میں تھا۔

شادی کا انتظام قلعہ میں ہو رہا تھا، یہاں بھی فوج اور سپاہ تھی لیکن کم!

اتنے میں غل مچا کہ سورج مل آگیا!

سورج کے استقبال کے لئے بھیم چند بہ نفس نفیس قلعہ سے باہر نکلا، اس کے ساتھ پانچسو مسلح سپاہی تھے، لیکن ان پانچسو مسلح سپاہیوں سے بھیم چند کو کیا خطرہ لاحق ہوسکتا تھا؟"

اوّل تو یہ دوست بن کر آئے تھے۔ اس کی مسرت اور نشاط میں داد دینے!

دوسرے بہ فرض محال یہ کسی طرح آمادۂ جنگ بھی ہوجائے، تو ان کی کیا مجال تھی کہ بھیم پور کی فوج کے مقابلہ میں دو گھنٹے بھی ٹھہر سکتے؟

بھیم چند نے سورج مل کا اور اس کے پانچ سو سپاہیوں کا اس طرح استقبال کیا جس طرح مہمانوں کا کیا جاتا ہے،

بھنوری یعنی رسم نکاح انجام دینے سے پہلے راج بھون کے بڑے ہال میں معزز مہمان مبارکباد دینے کے لئے جمع ہوتے۔ یہ بہت منتخب مجمع تھا۔

سورج مل اور گوپال، حسام الدین (بھیس بدلے ہوئے) ساتھ موجود تھے۔

دس بارہ ساتھی اس کے اور تھے۔ باقی اس قلعہ کے مہمان خانے میں تھے۔

مبارکباد کے شور اور ہجوم میں دفعتہً سورج مل نے حسام الدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "میرا یہ ساتھی رام چندر جو مجھے بہت عزیز ہے، شاید جان سے بھی زیادہ، آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہے۔"

بھیم چند نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا،

"ضرور۔ کہو، بھائی رام چندر کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟"

رام چند (حسام الدین) نے دریافت کیا۔

"مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ شیاما دیوی جن سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں، اس رشتہ کو پسند نہیں کرتی ہیں بلکہ نفرت کرتی ہیں آپ سے!"

یہ سُن کر بھیم چند کا چہرہ غصّہ سے تمتما اٹھا، اس نے کہا،

"یہ بکواس ہے؟"

رام چند نے کہا، "یہ بکواس نہیں واقعہ ہے!"

بھیم چند نے برہمی کے عالم میں پوچھا،

"تم شیاما کو کیا جانو؟"

رام چند نے کہا، "مجھ سے زیادہ اسے کون جان سکتا ہے، ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، مَیں اس پر فدا ہوں، وہ مجھ سے پریم کرتی ہے۔ آج سے نہیں اس وقت سے جب وہ ہیرا چند کے ایوانِ وزارت میں مقیم تھی، اور میں وہاں ایک باغی، سرکش اور مجرم کی حیثیت سے قید تھا اس نے مجھے رہا کیا تھا، اس نے مجھے فرار کا موقع دیا تھا۔ اس نے میرے لئے سواری کا انتظام کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ وہ میرا انتظار کرے گی، وہ میرا انتظار کر رہی ہے اور میں اسے لینے آیا ہوں!"

بھیم چند نے غصّہ اور حقارت کی نظر سے اُسے دیکھا اور پوچھا:

"کیا تو حسام الدین ہے؟"

وہ بولا، "ہاں میں حسام الدین ہوں!"

بھیم چند نے کہا، "ایک ہندو لڑکی کی شادی ایک مسلمان سے کیسے ہو سکتی ہے؟"

حسام الدین نے کہا،

"محبت میں مذہب نہیں دیکھا"

عشق ازیں بسیار کردست و کند
سجدا راز نار کردست و کند

اور اگر دیکھا جاتا ہے تو ہم دونوں فیصلہ کر لیں گے، یا وہ مسلمان ہو جائے گی، یا مجھے ہندو بنا لے گی، آپ کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں!"

بھیم چند کی برہمی حد سے زیادہ ہو چکی تھی، اس نے تلوار میان سے نکال لی اور کہا،

"تلوار سے اچھا ثالث کوئی نہیں۔ آؤ ہم اپنا مقدمہ تلوار کے حوالے کر دیں اس کا فیصلہ ناطق ہوگا، ہمیں قبول ہی کرنا پڑے گا۔!"

بھیم چند تلوار لہراتا ہوا بڑھا اور گویا ہوا:

"تو پھر قبول کر تلوار کا فیصلہ!"

یہ کہہ کر بھیم چند نے تلوار کا ایک بھرپور وار کیا، لیکن نہایت اطمینان اور بے خوفی سے حسام الدین نے ایک جھٹکے میں تلوار اس کے ہاتھ سے گرا دی، اور پھر ایک ہاتھ جو لگایا، تو گردن دھڑ سے جدا ہو چکی تھی!

یہ اتنا اچانک، غیر متوقع اور عبرتناک حادثہ تھا کہ سب ششدر رہ گئے اور دفعتہً حاضرین میں بھگدڑ مچ گئی۔ گوپال نے بھیم چند کی کٹی ہوئی گردن قلعہ کی بلندی پر آویزاں کر دی، اور پھر فصیلِ قلعہ پر چڑھ کر سورج مل کے لوگوں نے اعلان کیا کہ بھیم چند قتل ہو گیا، قلعہ اور بھیم پور کی حکومت راجہ سورج مل نے شہنشاہ تغلق فرماں روائے ہندوستان کی زیرِ سرپرستی اپنے ہاتھ میں لے لی ہے جو اطاعت کرے گا انعام و اکرام سے مالا مال ہوگا جو بغاوت اور سرکشی کریگا اسکی سزا قتل ہے؛ بھیم چند کی کٹی ہوئی گردن دیکھ کر عوام اور خواص اور فوج سب کے سب حواس پراں ہو گئے کسی میں بھی بغاوت اور سرکشی کا یارا نہ رہا، سب نے اطاعت قبول کر لی۔ حسام الدین کو سورج مل نے شہر کا نظم و انصرام حوالے کر دیا، یہ انقلاب اتنی خاموشی اور کامیابی کیساتھ عمل میں آیا کہ اسکی مثال محلِ نظر ہے۔

یہ خبر اور سارے واقعات پوری دلکش تفصیل کیساتھ گوپال نے جا کر رادھا اور شیاما کو بھی دونوں پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ رادھا تو خیر خوش ہی تھی لیکن شیاما کی تو باچھیں کھلی جا رہی تھیں، جس کی یاد میں اس کی زندگی کا ہر لمحہ گزرتا تھا وہ مل گیا۔ جسے وہ کھو چکی تھی، اسے پا لیا، جس سے وہ مایوس ہو چکی تھی وہ پھر امید، آرزو اور زندگی کا پیام

جس کے بارے میں وہ اندیشہائے دور دراز میں مبتلا رہتی تھی، آج معلوم ہوا کہ
اس کا دلدادہ ہے، وہ خود بھی اس کی یاد میں جان سے گزرتا جا رہا تھا۔ فراق اُ
نے اس کی زندگی پر بار ڈال رکھا تھا۔ وہ اسکے سوا کسی کو نہیں چاہتا تھا، اسکی آنکھوں کی
رزو، اور دل کی تمنا صرف وہی تھی — صرف وہی۔!

یہ سب باتیں سوچ سوچ کر اس پر کیا گزر رہی تھی، اسے صرف دل ہی محسوس کر سکتا
حسام الدین بھی نہیں۔

قاصد یہ تیرا کام نہیں اپنی راہ لے　　اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

اور دل اپنا پیغام اس تک پہونچا رہا تھا،

قدغن

لیکن دوری اب بھی قائم تھی، حسام الدین اور شیاما مل نہیں سکتے تھے!

سورج اپنے اصول کا بڑا پکا تھا، اس نے سخت قدغن لگا دی تھی کہ شادی سے پہلے دونوں نہ مل سکتے ہیں نہ ایک دوسرے کی صورت دیکھ سکتے ہیں، نہ بات چیت کر سکتے ہیں، شیاما مایوں میں بیٹھ چکی تھی! — نہ رادھا کی شفقت کام آئی، نہ گوپال کی مداخلت، نہ حسام الدین کا ایثار، سورج مل کا حکم ناطق تھا۔

شیاما کو گو حسام الدین سے نہ مل سکنے کا قلق تھا لیکن جب گوپال سے اسکی خبریں سنتی تھی نہ جانے کیوں اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگتا تھا اس تبسم میں کچھ فخر، کچھ ناز تھا کچھ غمزہ و عشوہ!

گوپال کو سورج مل نے تغلق کے پاس روانہ کیا۔ گوپال نے جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حسام کی داستان درد بھی، سورج مل کی کارفرمائیاں بھی شیاما اور رادھا حسام الدین کی آتش شوق بھی، یہ سُن کر کہ حسام الدین زندہ ہے تغلق پر خود فراموشی کی کیفیت طاری ہو گئی اس نے بیتابی اور بیقراری کے

ساتھ کہا: "لیکن تم میرے اس قوتِ بازو کو اپنے ساتھ لائے کیوں نہیں؟"

گی، یا مجھے

گوپال نے جواب دیا، "اس کا باپ نہیں آنے دیتا میں کیا کروں؟"

تغلق ہنسنے لگا، اس نے کہا "ہاں بھئی باپ بیٹے کے معاملہ میں ہم دخل کیسے دے سکتے ہیں!"

پھر وہ جوناخاں سے مخاطب ہوا، اس نے کہا، "تم راج گڑھ جاؤ اور خدم و حشم کیساتھ اپنی بہن شیاما کو جسے ہم نے اپنی بیٹی بنا لیا ہے، پورے اعزاز و احترام کیساتھ یہاں لاؤ، اور سورج مل سے کہو کہ ہم نے تمہاری درخواست قبول کر لی، تم نے اپنے لڑکے حسام الدین کا ہماری بیٹی شیاما کے لئے جو پیغام دیا ہے وہ ہم منظور کرتے ہیں۔ جو تاریخ مقرر کی ہے یعنی آئندہ ماہ کی بیس وہ بھی ہمیں منظور ہے، اسکے منتظر ہیں کہ وہ بارات لیکر آئے۔ اور ہاں اپنے ساتھ ہمارا فرمان بھی لیتے جاؤ کہ بھیم پور کا رجواڑہ سورج مل کو عطا کر دیا گیا۔"

•

شیاما تغلق کی لڑکی راج گڑھ سے دہلی آگئی، یہاں اسکی ویسی ہی پذیرائی ہوئی جیسی ایک شہزادی کی ہوتی ہے کئی لاکھ روپیہ سے اس کے لئے جہیز تیار کیا گیا سونے، چاندی اور ہیرے جواہرات سے اسے ڈھانپ دیا گیا، پھر تاریخ مقررہ پر سورج مل نہایت دھوم دھام اور تزک و احتشام کے ساتھ راج گڑھ سے بارات لیکر دہلی آیا سلطنت کے قاضی القضاۃ نے بنفسِ نفیس شیاما۔ کا جو اب رقیہ تھی حسام الدین سے دس لاکھ زرِ نقد کے عوض نکاح پڑھوایا۔

اس تقریبِ مسرت کے موقع پر اشرفیاں لٹائی گئیں، موتی نچھاور کئے گئے۔ غریبوں کو کھانا کھلایا گیا۔ اس دن ایکسو یتیم لڑکیوں کا نکاح کیا گیا اور ان سب کی شادی کے مصارف تغلق نے ادا کئے۔ اس موقع پر منہ دکھائی کی تقریب میں سورج مل نے راج گڑھ کی گڑھی اور بھیم پور کا رجواڑہ شیاما کو عطا کر دیا، تغلق نے ایک بڑی جاگیر حسام الدین کو عطا کی اور اب اتنے دنوں کے فراق کے بعد حسام الدین نے رقیہ کا روئے دل آرام دیکھنے کے لئے حجلۂ عروسی میں قدم رکھا۔

اے فلک رشک سے نہ جل مرنا
بچھڑے ملتے ہیں بعد مدت کے!